مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

اہلِ دل کا ادب

- امام حسن بصریؒ
- شیخ فضیل بن عیاضؒ
- حضرت بشر حافیؒ
- حضرت حارث محاسبیؒ
- حضرت جنید بن محمد بغدادیؒ
- امام ابو حامد غزالیؒ
- شیخ عبد القادر جیلانیؒ
- شیخ عبد الرحمن ابن جوزی
- مولانا جلال الدین رومیؒ
- حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ
- شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ
- علامہ ابن قیم جوزیؒ
- حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ

دار الرشید
لکھنؤ۔ الہند

اہل دل کا ادب

از

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

(سابق معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

ترجمہ

محمد خالد باندوی ندوی

ناشر

دار الرشید

لکھنؤ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

۱۴۴۱ھ - ۲۰۲۰ء

نام کتاب	:	اہل دل کا ادب
مؤلف	:	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی
ترجمہ		محمد خالد باندوی ندوی
صفحات	:	۲۸۰
تعداد	:	گیارہ سو
قیمت	:	Rs.200

ملنے کے پتے

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ، فون: 0522-2741539

مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، امین آباد، لکھنؤ، فون: 9415912042

مکتبہ ندویہ، احاطہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ، فون: 9335070285

مکتبہ احسان، مکارم نگر، لکھنؤ، فون: 9793118234

مکتبۃ الشباب العلمیۃ، شباب مارکیٹ، مکارم نگر، لکھنؤ

الفرقان بکڈپو، نظیر آباد، لکھنؤ: 6535664 .2610443(0522)

ناشر

دار الرشید

Dr. AH Rasheed

164/106 Khatoon Manzil, Haidar Mirza Road
Golaganj, Lucknow. Mo: 9452294097-9838154415
e-mail:daralrasheed17@gmail.com

فہرست

پیش گفتار	۱۳
مقدمہ بار ثانی (عربی)	۱۶
تقریظ	۱۸
مقدمہ	۲۲
دیباچہ کتاب	۲۷
امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ	۳۹
حق گوئی و بے باکی	۴۳
ایک موثر وعظ	۴۵
حوالہ جات	۴۷
فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ	۴۹
سفیان ثوری	۵۱
عبداللہ بن مبارک	۵۲
فضیل بن عیاض	۵۳
ملفوظات	۶۱
حوالہ جات	۶۷
بشر الحافی رحمۃ اللہ علیہ	۶۹
بشر حافی کے حکیمانہ اقوال	۷۲

بشر حافی کے خطوط کے نمونے	۷۶
حوالہ جات	۷۹
حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ	۸۱
حکیمانہ اقوال	۸۳
رسالۃ المسترشدین سے چند نمونے	۸۳
دل اور اہل دل	۸۶
حوالہ جات	۸۸
جنید بن محمد بغدادی رحمۃ اللہ علیہ	۹۰
تیسری صدی کے حالات	۹۰
جنید بغدادی	۹۳
جنید بغدادی کے ملفوظات	۹۸
حکمت کی تعریف، اور اس کے حصول کے ذرائع	۹۸
اللہ کے نیک بندوں کی خصوصیات	۹۹
کوشش کے بغیر مطلوب حاصل نہیں ہوتا	۱۰۱
قناعت	۱۰۱
شکر کی حقیقت	۱۰۲
نفس پر کبھی اعتماد نہ کرنا	۱۰۲
اللہ کا راستہ	۱۰۳
عقلمند کون ہے؟	۱۰۳
آزمائشوں کا شکار	۱۰۳
ایک لمحہ کی غفلت عابد کی ہزار سالہ عبادت کے ضیاع کا سبب ہے	۱۰۴

عشاق کے افسوس کا سبب	۱۰۴
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نجات کے لیے لازمی شرط ہے	۱۰۵
خشوع	۱۰۵
زہد	۱۰۵
اللہ کی اطاعت بہترین دولت ہے	۱۰۶
سرچشمۂ خیر	۱۰۷
مقام توحید	۱۰۷
حوالہ جات	۱۰۷
امام ابوحامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۹
تعلیم	۱۰۹
نمونے	۱۱۶
عشق الٰہی	۱۱۷
معرفتِ الٰہی کی لذت	۱۱۸
لذتِ مناجات	۱۲۰
ادب دوستاں	۱۲۰
حلم و بردباری	۱۲۱
وعظ کی زکوۃ خود بھی نصیحت حاصل کرنا ہے	۱۲۴
دین کے دو حصے ہیں	۱۲۴
حوالہ جات	۱۲۵
شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ	۱۲۸
نسب و خاندان	۱۲۸

تعلیم وتدریس	۱۲۸
زہد وانقطاع سے قبل تفقہ کی تلقین	۱۳۱
تائبین کے بالوں کا قصہ	۱۳۲
علم کلام سے نفرت	۱۳۲
شیخ کا مقام اور اخلاق	۱۳۳
شیخ کا منہج اور ان کے کلام کی تاثیر	۱۳۴
مواعظ وملفوظات کے نمونے	۱۳۵
حضرت شیخ کے اقوال	۱۳۹
خیر کی وصیت	۱۳۹
ابتلاء وآزمائش	۱۴۱
حضرت شیخ کی عادات واطوار	۱۴۲
اشعار کے نمونے	۱۴۳
نوٹ	۱۴۳
حوالہ جات	۱۴۴
عبدالرحمٰن ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ	۱۴۷
وعظ وخطابت کی تاثیر	۱۵۱
اسلوبِ کلام	۱۵۲
کلام کے نمونے	۱۵۳
دنیا کا فریب	۱۵۳
خواہشات میں افراط	۱۵۴
آزمائشوں کا علاج	۱۵۵

نجات کے راستے	۱۵۶
ماضی کی تلافی	۱۵۶
وقت کی قیمت	۱۵۷
تجارت سے غافل نہ ہونے والے اشخاص	۱۵۸
قوتِ ارادہ	۱۵۸
معاملات میں اعتدال	۱۵۹
لذت اور خوف	۱۶۰
مناجات	۱۶۴
حالات کا جوانمردی کے ساتھ مقابلہ	۱۶۵
طریق نبوت ہی افضل و برتر طریقہ ہے	۱۶۶
بدعت کی بنیاد	۱۷۴
بلند ہمتی	۱۷۵
نفس کی تاویلیں	۱۷۹
دل شکستہ انسانوں کی دعا	۱۸۱
ادب کے آثار	۱۸۲
تصنیفات	۱۸۳
وفات	۱۸۳
حوالہ جات	۱۸۴
مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ	۱۸۶
وعظ و تدریس	۱۸۷
شمس الدین تبریزی سے ملاقات، حالات میں تبدیلی	

اور تدریس سے انقطاع	۱۸۸
شیخ شمس الدین تبریزؒ کی تربیت میں	۱۸۹
شمس تبریز کی غیبت اور مولانا کی بے قراری	۱۹۰
وفات	۱۹۲
عادات وخصوصیات	۱۹۲
جذبات	۱۹۳
تصنیفات	۱۹۳
کلام کے نمونے	۱۹۵
عقل ایمانی اور عقل جسمانی	۱۹۶
حقیقی معرفت بغیر تزکیۂ نفس کے ممکن نہیں	۱۹۷
موت ایک مرحلہ ہے	۱۹۷
عارفوں کی موت کو عوام الناس کی موت پر قیاس نہیں کرنا چاہئے	۱۹۸
حوالہ جات	۲۰۰
شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ	۲۰۱
شیخ فرید الدین مسعود اجودھنی	۲۰۲
نمونۂ کلام	۲۰۳
نظام الدین اولیاء دہلی میں	۲۰۴
دنیا سے تنفر	۲۰۶
علم وعقل اور عشق	۲۰۷
سوزش قلب اور نفی ذات	۲۰۷
علوم انبیاء واولیاء	۲۰۸

دنیا کی محبت اور مذمت	۲۰۸
تلاوتِ قرآن کریم کے تین مراتب	۲۰۹
علم کا مقام ومرتبہ	۲۰۹
امور دنیویہ میں اشتغال سالکینِ طریقت کیلئے مانع نہیں	۲۱۰
ترکِ دنیا کی حقیقت	۲۱۱
طاعت کی دو قسمیں	۲۱۱
کشف وکرامت حجاب ہیں	۲۱۲
اخلاص	۲۱۲
دشمنوں کے ساتھ برتاؤ	۲۱۳
اغنیاء، فقراء اور حکام کے مابین نقطۂ اتصال	۲۱۵
حوالہ جات	۲۱۸
شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ	۲۱۹
ولادت ونشوونما	۲۲۰
ابن تیمیہ اور سلوک واحسان	۲۲۳
زہد اور علامہ ابن تیمیہ	۲۲۵
سخاوت وفیاضی	۲۲۶
ذکر وعبادت کا ذوق وشغف	۲۲۷
کلام کے نمونے: دل ہی اصل ہے	۲۲۸
محبت اور اصلاح قلب کے عوامل	۲۲۸
ابن تیمیہ کے نزدیک علم کی قسمیں	۲۲۹
اشعار کے چند نمونے	۲۳۱

وفات	۲۳۴
حوالہ جات	۲۳۴
علامہ ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ	۲۳۶
ولادت اور نشوونما	۲۳۶
زہد وعبادت	۲۳۷
علمی شغف وانہماک	۲۳۸
اہم تصنیفات	۲۳۹
تلامذہ	۲۳۹
وفات	۲۴۰
کلام کے نمونے	۲۴۰
دل	۲۴۳
چیونٹی	۲۴۵
لومڑی	۲۴۸
کلام کے نمونے	۲۵۰
حوالہ جات	۲۵۶
شیخ شرف الدین یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ	۲۵۷
ولادت اور ابتدائی تعلیم	۲۵۹
کلام ومواعظ	۲۶۳
خصوصیات: فنائیت	۲۶۵
بلند اخلاقی	۲۶۷
تصنیفات	۲۶۸

مکتوبات	۲۶۹
صلائے عام	۲۷۰
امانت محبت	۲۷۱
دل آگاہ	۲۷۲
خواہشات نفسانی کا ازالہ مقصود نہیں، شکستگی مقصود ہے	۲۷۲
کرامت بھی ایک بت ہے	۲۷۳
فضیلت خدمت	۲۷۴
انبیاء کی ایک سانس تمام اولیاء کی پوری زندگی سے افضل ہے	۲۷۴
شریعت کی شرط	۲۷۵
حوالہ جات	۲۷۵
خاتمہ	۲۷۸
ادب کا کام	۲۸۰

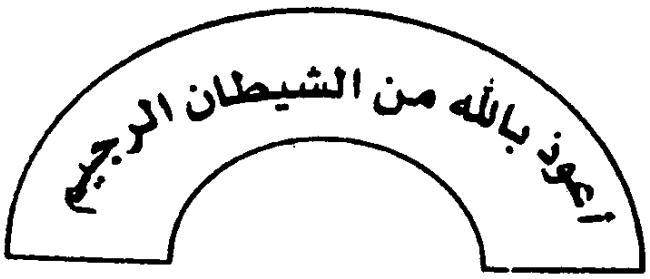

فإنها لا تعمى الأبصار ولكن تعمى القلوب التي في الصدور

[الحج : ٤٦]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش گفتار

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على سيدنا ونبينا محمد، وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد.

یہ کتاب درحقیقت والد محترم حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ (سابق معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کے ان مضامین ومقالات کا مجموعہ ہے جو عالمی وادبی کانفرسوں اور سیمیناروں میں پیش کیے گئے اور مشہور عربی مجلّات وجرائد کی زینت بنے، مصنف نے اس کتاب میں ان عظیم اہل دل علماء اور صلحاء کو گفتگو کا موضوع بنایا ہے جن کی پاکیزہ زندگی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کی تصویر، قرون اولی کے اصحاب قدسیہ کا امتداد اور دین حنیف کی جیتی جاگتی مثال تھے اور جن کا کلام قوت بیان وجمالِ تعبیر کا حسین ودلکش نمونہ تھا۔

یہ عظمائے امت جنہیں اللہ تعالی نے صاف وشفاف، پاکیزہ اور دھڑکتا ہوا دل، سلیم طبیعت، اخلاص، صدق وصفا اور ایمان ویقین کی دولت سے نوازا تھا، واقعاتی دنیا سے کنارہ کش نہ تھے اور نہ غاروں اور پہاڑوں کی عمیق گھاٹیوں میں فروکش تھے، اور نہ ہی معاشرہ اور حالات کے تقاضوں سے ناواقف؛ بلکہ حقائق کی دنیا میں زندگی کے شب وروز بسر کرتے تھے، نفس کی نت نئی چالبازیوں اور مکر وفریب سے خوب واقف اور اس کے نبض شناس تھے، معاشرہ میں پھیلے ہوئے نفسیاتی واخلاقی امراض اور

معاشرتی مسائل کا پوری قوت اور فکر مندی کے ساتھ مقابلہ کرتے، ان کا دل روحانی اور ایمانی خسارہ پر خون کے آنسو روتا، ضمیر کی افسردگی پر ماتم کرتا، عمل کی کوتاہی اور دین سے غفلت و بے توجہی کی وجہ سے ان کا قلب وضمیر درد و کسک، سوز اور تکلیف سے پارہ پارہ ہو جاتا۔

یہ کتاب دراصل اسی سوز و گداز، تضرع وابتہال، جوش وجذبہ اور آہ وفغاں کی بازیافت کی ایک سعی ہے جسے ہم مادی دنیا میں حد سے زیادہ انہماک اور خواہشاتِ نفس کے حصول کی ریس میں کہیں گم کر بیٹھے ہیں، مادی لذتوں نے ہمارے قلب ونظر اور ذہن ودماغ پر ایسے دبیز پردے ڈال دیے ہیں کہ ہمیں نہ اس پاکیزہ ماحول کی صورت نظر آتی ہے اور نہ دل اسے سمجھنے پر قادر۔

چنانچہ آج کے اس مادی دور میں ایسی کتاب کی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی جس سے ان نورانی وعرفانی اہل قلوب کی جانب رہنمائی ہو سکے اور ان کی وہ باتیں سامنے آسکیں جو نہ کانوں نے سنیں اور نہ آنکھوں نے دیکھا اور زندگی کے وہ واقعات وحالات سامنے آسکیں جن کو آج نمونہ بنایا جا سکے، ان اہل دل علماء وصلحاء کے تاجِ فخر کا طغرائے امتیاز حق وراستی، باطل کے سامنے استقامت و پامردی، کھوکھلے و بے جان مظاہر کی بے ثباتی کا استہزاء، آمرانہ وشاہانہ جاہ وجلال کی تحقیر اور اغنیاء وسلاطین کی جھوٹی شان وشوکت کا استخفاف تھا۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن (عربی) ۲۰۰۵ء میں مکتبہ ابوالحسن ندوی دہلی کے زیر اہتمام شائع ہوا جو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور بہت کم مدت میں اس کے تمام نسخے ختم ہو گئے، احباب کا اصرار تھا کہ اس کا نیا ایڈیشن شائع کیا جائے، چنانچہ دار الرشید نے یہ ذمہ داری قبول کی اور مولف کی نظر ثانی، تراجم واقوال اور مواعظ کے اضافہ کے ساتھ اس کا دوسرا عربی ایڈیشن ۲۰۰۷ء طبع ہو کر منظر عام پر آیا جو مقبول ہوا اور پھر تیسرا

ایڈیشن ۲۰۱۸ء میں شائع ہوا، یہ کتاب کیا ہے گویا معطر وخوشبودار پھولوں کا ایک حسین گلدستہ اور علم وادب کا ایک بیش بہا اور قیمتی سرمایہ ہے۔

ضرورت تھی کہ اردوداں طبقہ بھی اس کتاب سے مستفید ہو، لائق مبارک باد ہیں مولانا محمد خالد باندوی ندوی (استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو) جنہوں نے اس کتاب کا سلیس، رواں اور فصیح اردو زبان میں ترجمہ کیا جو ہمارے رفیق کار مولانا محمد وثیق ندوی کی نظر ثانی اور مراجعت کے بعد قارئین کی خدمت میں پیش ہے، اس وقیع کتاب کی اشاعت ''دارالرشید'' کے لیے بڑی سعادت کی بات ہے، اللہ تعالی ان تمام لوگوں کو اس کا صلہ عطا فرمائے جن کا اس کام میں حصہ ہے، امید ہے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا اور نفع عام کا ذریعہ بنے گا۔

اللہ رب العزت سے دعاء ہے کہ وہ مولف کتاب کی علمی، تعلیمی وتربیتی، دعوتی، صحافتی، ادبی اور فکری کاوشوں کو شرف قبولیت بخشے گا اور دیگر مخلصین صلحائے امت کے مثل ان کو بھی ان کی مساعی جمیلہ کا بہترین بدل عطا فرمائے گا، وما ذلك على الله بعزيز.

جعفر مسعود حسنی ندوی

۵/ جمادی الاولی/۱۴۴۱ھ

یکم جنوری/۲۰۲۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ بار ثانی (عربی)

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين محمد، وعلى آله وصحبه أجمعين وبعد!

خدا کا شکر واحسان ہے کہ ''أدب أهل القلوب '' کے پہلے اڈیشن کو مقبولیت حاصل ہوئی اور اسے بنظر استحسان دیکھا گیا، میری دعاء ہے کہ اللہ تعالی اسے توجہ إلی اللہ اور خوف وخشیت کا ذریعہ بنائے اور یہ کتاب دلوں میں صلحائے امت کے تئیں محبت ووارفتگی پیدا کرنے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کے لیے محرک ثابت ہوگی، محبّ گرامی حسن عسکری (مقیم مدینہ منورہ ومالک مکتبہ ابوالحسن علی ندوی دہلی) کے زیر اہتمام شائع ہونے والا ایڈیشن اب نایاب ہے، میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اہل دل صالحین کے تراجم اور ان کے پر اثر کلام کا اضافہ کروں گا اور اگلا ایڈیشن اضافہ کے ساتھ شائع ہوگا، نئے تراجم حسب ذیل ہیں۔

(۱) فضیل ابن عیاضؒ

(۲) جنید ابن محمد بغدادیؒ

(۳) جلال الدین رومیؒ

(۴) علامہ تقی الدین احمد ابن عبد الحلیم ابن تیمیہؒ

(۵) علامہ شمس الدین محمد ابن ابو بکر ابن ایوب ابن قیم جوزیؒ

(۶) مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحی منیریؒ

فاضل عزیز محمد وثیق ندوی کے قلم سے کتاب کے بعض اعلام پر تعلیقات اور مختصر تراجم کتاب کی زینت ہیں، اس مفید اضافہ پر میں ان کا شکر گذار ہوں، اسی طرح میں اپنے بیٹے جعفر مسعود حسنی ندوی کو بھی شکریہ کا مستحق سمجھتا ہوں کہ انہوں نے حال ہی میں قائم ہوئے ادارہ ''دارالرشید'' کے ذریعہ اس کتاب کے نئے اور منقح ایڈیشن کی جانب توجہ دی۔

خاص طور پر محبّ گرامی ڈاکٹر مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی صاحب (مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ و چیف اڈیٹر مجلّہ ''البعث الإسلامی'') کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے کتاب کا بیش قیمت مقدمہ تحریر فرما کر کتاب کی زینت میں اضافہ فرمایا، اس موضوع پر اس سے قبل انھوں نے ایک کتاب ''ساعۃ مع العارفین'' تالیف فرمائی ہے، چو پسند کی گئی، فجزاہ اللہ خیرا۔

اللہ تعالی کے حضور دعاء گو ہوں کہ اللہ تعالی سب کو برکت واجر اور توفیق دوام عطا فرمائے، علم وعمل صالح اور سلف صالحین کی اقتداء کی توفیق ارزانی عطا کرے۔

محمد واضح رشید حسنی ندوی

ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۴۲۸/۶/۲۶ھ ۲۰۰۷/۷/۱۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على سيد المرسلين محمد، وعلى آله وصحبه أجمعين، وبعد!

نبی کریم ﷺ کی بعثت مبارکہ تمام عالم کے لیے رحمت ہے، اس لیے کہ اللہ تعالی نے آپؐ کو اپنے آخری وابدی پیغام کو تمام انسانوں تک پہنچانے کے لیے منتخب فرمایا، قرآن کریم میں اللہ تعالی واضح الفاظ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

"وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين"

ہم نے آپ کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو ایسی عالی صفات اور بلند ترین خصائص سے بہرہ ور فرمایا تھا جو آپ ﷺ سے پہلے کسی رسول اور نبی کی حصہ میں نہیں آئیں، کیونکہ ہر رسول اور نبی اپنے عہد، اپنے ماحول، اپنی قوم کی جانب مبعوث ہوئے، لیکن آقائے نامدار محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت تمام عالم کے لیے آخری نبی اور آخری شریعت کے طور پر ہوئی ہے، آپ ﷺ کے بعد اب نہ کوئی نبی ہے، نہ کوئی امت اور نہ ہی کوئی مذہب، اللہ تعالی نے دینِ اسلام میں قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے ہدایت اور رہنمائی فراہم کر دی ہے اور اسے ایک آسمانی شریعت کا مقام عطا کیا ہے جو ابدی دائمی آفاقی اور لازوال شریعت کی حیثیت رکھتی ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:۔

"اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت

لكم الإسلام دينا" (المائدة:۳)

آج ہم نے تمھارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور تمھارے لیے اسلام کو ایک مذہب کی حیثیت سے پسند کیا ہے۔

یہ قرآن کریم کی آخری آیت ہے جس میں اس امر کی بشارت ہے کہ اسلام ہی اللہ رب العزت کے نزدیک پسندیدہ دین ہے، اس کے علاوہ کوئی دین، کوئی تہذیب، کوئی نظریہ اور کوئی فلسفہ لائق توجہ نہیں، علمائے یہود نے جب یہ آیت سنی تو ان کو نہایت تعجب ہوا، ان کا ایک عالم امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطابؓ کے پاس آکر کہنے لگا کہ اگر اس جیسی آیت ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو بطور عید مناتے۔

یہی وہ عظیم شریعت ہے جس کی تربیت اور اتباع کے نتیجہ میں ایسے نفوس قدسیہ پیدا ہوئے جنہوں نے اس دین کو مکمل طور اپنی زندگی میں اعمال وافعال میں اور اقوال وکردار میں برت کر دکھایا اور اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے وہبی خصائص وامتیازات، ربانی صلاحیتوں (جن کا تذکرہ سورہ جمعہ میں ہے) کے ذریعہ ایک مومن اور مسلم نسل کی تربیت فرمائی اللہ تعالی کا ارشاد ہے:۔

هو الذي بعث في الأميين رسولاً منهم يتلو عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وإن كانوا من قبل لفي ضلال مبين۔ (الجمعة:۲)

وہی وہ ذات ہے جس نے امی قوم میں ان ہی میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا جو ان کے سامنے کتاب کی تلاوت کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگر چہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

اسی نبوی مدرسہ سے تربیت پا کر ایسی پاکیزہ وبرگزیدہ نسل تیار ہوئی جس کی زندگی عیوب سے پاک اور جن کے قلوب طہارت وصفا کے آئینہ دار تھے، ان عظمائے امت کا

ایک تاریخی تسلسل ہے، ان کا ایمانی سوز وگداز، ساحرانہ ومؤثر کلام نسلا بعد نسل منتقل ہوتا رہا ہے، اس کلام سے دلوں کا زنگ دور ہوتا ہے، معرفت کی دولت حاصل ہوتی ہے، تعلق مع اللہ، عشق ومعرفت، محبت وعرفان اور اطاعت وفرمانبرداری کا راستہ ہموار ہوتا ہے، ان کو اس ربانی طریقۂ زندگی سے وہ عشق اور عقیدت تھی کہ وہ اس ربانیت کے سوا جوان کے جورگ وریشہ میں شامل تھی، کسی اور طرز کی زندگی پر قطعا راضی نہ ہوتے۔

اسی لیے ان ربانی بندگانِ خدا اور اولیائے عظام کے کچھ مخصوص آداب و مصطلحات ہیں جن کو وہ اپنے شوق ووارفتگی کے اظہار اور لوگوں کو حقیقی محبت سے آشنا کرانے اور ایمان وعرفان کی دعوت دینے کے موقع پر استعمال کرتے ہیں، اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ اہل دل کا ادب اہلِ زبان کے ادب سے کافی مختلف ہے، اس کے ساتھ بلاغت واثر آفرینی، جمال ورعنائی، طرزِ ادا کی دل کشی، اسلوب کا بانکپن تو ''نور علی نور'' کا مصداق اور ہر قاری کی توجہ کا مرکز، اس جمال وتاثیر کی بڑی وجہ نبوی ادب کی اتباع اور ان کے اسلوبِ خطابت وطرز گفتگو کی پیروی، صحابہ کرامؓ کے ساتھ بہتر تعامل اور کلام کے بہتر اور مناسب موقع کا انتخاب ہے۔ **وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء.**

پیش نظر کتاب محبّ گرامی جناب مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی (معتمد تعلیم ندوۃ العلماء، وچیف اڈیٹر ''الرائد'' ندوۃ العلماء لکھنؤ) کی تالیف ہے، اس کتاب میں ان اہل دل کا تذکرہ ہے جن کو خلاقِ عالم نے ادبی صلاحیتوں اور زرخیز فکر سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا، حتی کہ ان میں ہر ایک اسلام کی دعوتی وتربیتی تاریخ کا خود ایک روشن باب اور مدرسہ کی حیثیت رکھتا ہے، اسی لیے اسلامی تاریخ کے ہر عہد میں اسلام پسند ادباء واصحابِ علم وقلم میں ان کا نمایاں مقام ومرتبہ رہا ہے، مثال کے طور پر چند نام ذکر کیے جاتے ہیں:۔

امام حسن بصریؒ، امام ابو حامد غزالیؒ، شیخ عبد القادر جیلانیؒ، عبد الرحمٰن جوزیؒ، فضیل ابن عیاضؒ، جنید ابن محمد بغدادیؒ، شیخ جلال الدین رومیؒ، امام ابنِ تیمیہؒ، ان کے

نامور شاگرد علامہ ابن قیم جوزیؒ، مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحی منیریؒ، شیخ نظام الدین اولیاء وغیرہ نے اسلامی معاشرہ پر وہ عظیم احسانات کیے ہیں جو تاریخ کبھی فراموش نہ کر سکے گی، خدا جانے ان کی مساعی جمیلہ سے کتنے اذہان نورِ ایمان سے فروزاں ہوئے اور کتنی زندگیوں میں ان کی مخلصانہ محنت کے نتیجہ میں صالح تبدیلیاں ظاہر ہوئیں اور کتنوں کو حق کا راستہ نصیب ہوا اور کتنے عقد ہائے لاینحل ان کے نورِ بصیرت سے حل ہوئے۔ واقعہ یہ ہے یہ حضرات بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی اور عصیان وخدا فراموشی کے سمندر میں سفینہ نوح کی مانند تھے، بلاشبہ وہ عالم انسانیت کے لیے باعث فخر اور صحیح معنوں میں تاریخ بشریت کے اعجوبہ روزگار تھے، انہوں نے حق تعالی سے تعلق استوار کرنے، انسانی معاشرہ کی صلاح وفلاح کی بازیافت، نئے سرے سے ایمان ویقین کے مصدر اول کی جانب رجوع کی دعوت اور ربانیت کا ماحول قائم کرنے میں نمایاں اور عظیم کردار ادا کیا ہے۔

ان مختصر کلمات کے ساتھ میں مؤلف محترم کی خدمت میں مخلصانہ ہدیہ تبریک وتشکر پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے امت مسلمہ کو اس کتاب کی صورت میں ایک قیمتی تحفہ عطا کیا ہے، جس کی اس دور جہل وظلمات میں اشد ضرورت تھی۔

"وقل اعملوا فسيرى الله عملكم ورسوله والمؤمنون، ، والله يقول الحق وهو يهدي السبيل.

سعید الرحمٰن اعظمی ندوی
مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء
وچیف اڈیٹر مجلّہ "البعث الإسلامی"
ندوۃ العلماء، لکھنؤ

مقدمہ

بقلم: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على سيد المرسلين محمد، وعلى آله وصحبه أجمعين. وبعد!

چودہ صدیوں پر محیط اسلامی تاریخ مختلف قسم کے حوادث وواقعات اور احوال وکوائف کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے، ان تاریخی واقعات وحوادث کا کچھ حصہ ہماری نظروں سے بھی گذرا ہے، تاریخی، معاشرتی اور تہذیبی ارتقاء کی تاریخ پر مشتمل کتابوں کا اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان تاریخی واقعات وحوادث میں زیادہ تر سیاسی رنگ غالب ہے اور ان کتابوں کا موضوع امراء وسلاطین کا دربار اور سیاسی عروج زوال رہا ہے، ادبی وعلمی محفلوں میں بھی ان چیزوں کا تذکرہ ہوتا ہے جس سے انسانی نفس کی خواہشات کی تکمیل اور لذت اندوزی کا سامان ہو سکے، اس طویل وضخیم تاریخ میں علمی وفکری کاوشوں، دینی سرگرمیوں، تہذیبی وتمدنی فتوحات کے نام پر سوائے خشک وبے جان فلسفیانہ مباحث کے اور کسی چیز کا تذکرہ نہیں ملے گا، یا پھر وہ کتابیں دستیاب ہیں جن میں مغربی افکار وخیالات کی گہری چھاپ موجود ہے، اسلامی تہذیب وتمدن کے عہدِ زریں کا علمی وادبی ذخیرہ جو ہم تک پہنچا ہے وہ درحقیقت ان پیشہ ور اصحابِ قلم کے ذریعہ سے پہنچا ہے جنہوں نے بیان وادب کی صلاحیتوں کو بحیثیت ایک فن اور ایک مہذب ذریعہ معاش کے طور پر اختیار کیا تھا جو دنیوی لذت وآرام کے حریص اور آخرت سے غافل تھے۔

رہے اہل صلاح وتقوی اور مخلصین اولیائے عظام کی اکثریت تو وہ تزکیہ وعبادت اور لوگوں کی اصلاح وتربیت میں ہمہ تن مصروف تھے، انہوں نے اپنی ادبی مہارت وکمال اور علمی نگارشات اور فکری کاوشوں کے لیے ذرائع ابلاغ کا سہارا نہیں لیا اور نہ انہوں نے اس کی ضرورت محسوس کی، اسی لیے ان کی مخلصانہ جد وجہد، ان کی مساعی جمیلہ اور ان کے ادبی وفکری شہپارے (جنہوں نے صدیوں امت کو اسلامی بنیادوں پر قائم رکھا اور جن کا امت کی حفاظت وصیانت میں اہم رول رہا ہے) تاریخ وادب کے ذخیرہ میں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں، سیاسی، ادبی اور فکری موضوعات ونگارشات کے حامل ذخیرہ کے مقابلہ میں گرچہ اس کی مقدار کم ہی کیوں نہ ہو، لیکن اس قلت کے باوجود وہ نہایت قدر واہمیت کے حامل ہیں کیونکہ وہی اسلامی تاریخ کی وہ مضبوط ومستحکم بنیاد ہے جس پر اسلام کا عالیشان قصر تعمیر ہوا اور اسی کی وجہ سے امت مسلمہ ہر قسم کی عقائدی وفکری انحراف اور زیغ وضلال سے محفوظ ہو کر راہِ مستقیم پر گامزن رہی، دینی مزاج وطبیعت کے حامل، تقوی وللّٰہیت اور اخلاص کی روح سے سرشار فرزندانِ توحید مستقبل میں ان شاء اللہ اس مدفون ومہجور علمی وادبی ذخیرہ کی تحقیق واکتشاف اور اس کو منظر پر عام لانے کا عمل جاری رکھیں گے۔

ہمارا دینی واسلامی فریضہ ہے کہ ہم تاریخ وسیر کی کتابوں اور علمی وفکری موضوعات کے سمندر میں مدفون اس قلیل الوجود ادبی ذخیرہ کی بازیافت کی مہم چھیڑ دیں اور تلاش وتحقیق کر کے نئی نسل کے سامنے پیش کریں، اس غور وفکر اور تحقیق وتفتیش میں ہمیں یقیناً اس کی اہمیت کا احساس ہوگا اور ان کتابوں کی اہمیت کا ادراک ہوگا جس میں بلند تر اور عظیم معانی ومطالب کی جمع وتدوین پر اس قدر توجہ صرف کی گئی ہوگی اور جن میں دینی مزاج ومذاق اور صالح فکر کے حامل ادباء ومصلحین کے احوال وکوائف کے احاطہ پر توجہ مرکوز رہی ہوگی، اس قسم کی کتابیں اسلامی لائبریری میں موجود ہیں اور آج بھی وہ تشنگانِ علم ومعرفت کے لیے ایک چشمۂ فیاض اور منبعِ شعور وآگہی کا مقام رکھتی ہیں، اس قسم میں

وہ کتابیں بھی شامل ہیں جو تزکیہ قلب واصلاح باطن اور زہد وتقوی کے مقصد سے تالیف کی گئی ہیں اور پھر ان ہی کے ذریعہ تصوف کا موضوع ظہور میں آیا اور اس فن کے نامور وباکمال افراد نے اس موضوع کو ارتقا کی بلندیوں تک پہنچادیا۔

بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اس قسم کا رجحان جس میں تصوف وزہد کی آمیزش ہوتی ہے، اس میں درحقیقت عزلت وانقطاع اور اللہ کی عطا کردہ نعمتوں سے لطف اندوزی سے ممانعت موجود ہے؛ بلکہ ان کے گمان کے مطابق تصوف اور رہبانیت ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں جس کا تذکرہ اللہ رب العزت نے مسیحیت کے سیاق میں کیا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:۔

ورهبانية ابتدعوها ما كتبناها عليهم۔ (الحديد:۲۷)

ان کا خیال ہے کہ اصحابِ تصوف کے احوال وکوائف اسی رہبانیت کا مظہر ہیں جس کے بارے میں قرآن کہتا ہے "فما رعوها حق رعايتها" لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب میں جن صلحاء واہل دل کا تذکرہ ہے، وہ رہبانیت سے کوسوں دور تھے اور رواں دواں زندگی کے دوش بدوش اور خلقِ خدا کی ضروریات اور تقاضوں سے خوب واقف تھے؛ بلکہ انہوں نے اپنی موثر شخصیت، صالح اعمال واخلاق اور حسنِ سلوک کے ذریعہ انسانی زندگی کو صحیح رخ دیا، ان میں سے بعض نے تو امراء وسلاطین کے رویہ اور عوام کے ساتھ ان کے طرزِ عمل اور سیاست پر گہرا اثر ڈالا، ان کا طرزِ عمل مائل بہ رہبانیت صوفیا کے طرزِ عمل سے جداگانہ ہے، کیونکہ اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اسی لیے تاریخ میں ان کے اچھے اثرات مرتب ہوئے۔

اہلِ خشیت وتقوی صالحین نے تقربِ خداوندی کی خاطر جس قسم کا زہد اختیار کیا تھا، اس کا ماضی کی مسیحی رہبانیت سے دور دور کا رشتہ نہیں ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اپنی کتاب "ربانية لا رهبانية" میں اس موضوع پر شرح وبسط کے ساتھ

روشنی ڈالی ہے، حضرت مولاناؒ نے تاریخ دعوت وعزیمت کے نام سے ایک ضخیم ومبسوط کتاب تالیف کی ہے جو کئی جلدوں میں مشتمل ہے، مصنف نے نہایت خوبی کے ساتھ اہل دعوت وعزیمت کی علمی وعملی کوششوں، ان کی اسلام کی بروقت حفاظت ونصرت، شریعتِ اسلامیہ کا تحفظ، متاعِ دنیوی سے کنارہ کشی، آخرت کی ابدی سعادتوں پر یقین اوراس کو ترجیح، حقیقی اسلامی اقدار واخلاق کی اتباع، دنیا کی فانی اور بے وقعت لذتوں کی تحقیر کا تذکرہ بہت دلسوز انداز میں کیا ہے۔

نہایت خوشی ومسرت کی بات ہے کہ برادر محترم مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نے تاریخ وتراجم اور سیرت کی کتابوں سے موثر ایمانی وعرفانی ذخیرۂ نصوص کے استخراج پر توجہ فرمائی اوران اصحاب نصوص کے تراجم کے تذکرہ کا اہتمام فرمایا جن میں سرفہرست امام حسن بصری، بشرِ حافی، حارث محاسبی، ابوحامد غزالی، شیخ عبدالقادر جیلانی، عبدالرحمٰن ابنِ جوزی شیخ نظام الدین اولیاء ہیں، ان عظیم المرتبت علماء کے کلام ومواعظ اوران کے ارشادات وتوجیہات میں ادب اسلامی کے وہ روشن وتابندہ شہپارے ہیں جن میں رواں دواں زندگی کی حرارت اورسوز وساز شامل ہے اور ادبی طاقت وقوت اور جمال سے لبریز، حقیقی عربی زبان کے زندہ وجاوید اور خوبصورت نمونے ہیں، ان مواعظ وخطبات میں اصلاح وتربیت، تزکیہ نفوس وتہذیبِ باطن، خوف آخرت، اجر وثواب کی امید، اللہ کے حضور جوابدہی کا احساس، دلوں کی پوشیدہ کیفیات کی تعلیل وتوجیہ، امراضِ نفسانی کے علاج، امور آخرت سے غافل کرنے والے شیطانی وساوس وتدابیر کا محاسبہ، فانی نعمتوں کی محبت اوراس سے نجات کا طریقہ سب کچھ ہے، ان میں توجیہات بھی ہیں، تعلیمات بھی، محاسن کی ترغیب بھی ہے اور مفاسد پر تنقید ونکیر بھی، ان عظیم مخلص وباصفا علماء کی تربیت نے مریدین ومتعلقین کی زندگی میں گہرا اثر ڈالا اور پراثر مواعظ وخطبات نے انسانی عقل وفکر پر صالح نقوش مرتسم کیے، پھر کیا تھا حالات میں تبدیلیاں رونما ہوئیں اور صالح انقلابات وجود میں آئے۔

چونکہ موجودہ وقت میں لوگوں کی توجہ کا مرکز سیاسی وثقافتی اور علمی موضوعات ہیں اوران کی توجہ ان ائمہ دین اور اصحابِ حال وقال علماء کی طرف نہ کے برابر ہے، لوگ عموما ایسی چیزوں کا مطالعہ پسند کرتے ہیں جن میں تفریح ودل لگی اور مادی اغراض ومقاصد کی تکمیل کا سامان ہو، اس سطحی فکر کے غلبہ کی وجہ سے ان کی توجہ تزکیہ قلب وروح اور اصلاح باطن کی موضوعات کی طرف نہیں ہے، برادر عزیز نے یہ کتاب تالیف کی ہے اور اس میں حقیقی عربی زبان، ادبِ عالی کے عمدہ وخوبصورت روحانی اقتباسات کا ایک حسین چمن زار آراستہ کیا ہے، ان ادبی مہ پاروں میں زندگی کی حرارت اور طاقت واثر آفرینی کا ایک سیلِ رواں پوری آب وتاب سے جاری وساری ہے، یہی وہ زندہ وسرمدی ادب ہے جو بقائے دوام کا مستحق ہے، مولف کتاب نے اس میں تاریخ وسیر، تذکرہ وسوانح اور فکر اسلامی کی کتابوں میں غواصی کر کے یہ قیمتی لعل وگہر عاشقانِ عرفان وآگہی کے سامنے پیش کر دیے ہیں، یہ کتاب ان نوجوانوں کی بھی ضرورت کی تکمیل ہے جو مغربی میڈیا کے اباحیت پسند اور تفریحی ادب سے مبہوت ومسحور ہیں اور جس کا ان کے دل ودماغ، رجحانات واحساسات، طرزِ حیات اور تصورات پر بہت گہرا اثر پڑا ہے۔

یہ کتاب ادب اسلامی کے سرمایہ میں ایک وقیع اضافہ ہے، حق تو یہ تھا کہ عالمی رابطہ ادب اسلامی اس کی نشر واشاعت کی ذمہ داری قبول کرتا، لیکن یہ کتاب ہمارے رابطہ ہی سے تعلق رکھنے والے ایک ادارہ کے زیر اہتمام شائع ہو رہی ہے۔ اس لیے اس ادارہ کے ذمے داران شکریہ کے مستحق ہیں۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس کتاب کو قبول عام عطا کرے اور عمل کی توفیق بخشے۔ انجام کا تو وہی مالک ہے۔

۳/۴/۱۴۲۶ھ — محمد رابع حسنی ندوی

۱۲/۵/۲۰۰۵ء — ناظم ندوۃ العلماء، لکھنو

دیباچہ کتاب

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين محمد، وعلى آله وصحبه أجمعين، وبعد!

ایک حکیم کا قول ہے کہ

ادب کے اعتبار سے لوگوں کی تین قسمیں ہیں، اہلِ دنیا کے ادب کا انحصار زیادہ تر فصاحت وبلاغت، علوم اور کلام منظوم کے حفظ پر ہے اور اہلِ دین کے نزدیک ادب کا مقصود ریاضتِ نفس، اعضاء وجوارح کی تادیب، حدودِ الٰہی کی حفاظت اور ترکِ شہوات ہے، البتہ اہلِ تصوف کے نزدیک اس کا مقصود دل کی پاکیزگی، اسرارِ الٰہی کی رعایت، عبد ومعبود کے مابین قائم پیمانِ وفا کی پاسداری، اوقات کی حفاظت، بشری خواہشات وتقاضوں کی طرف قلتِ التفات، طلب میں حسنِ ادب اور حضوری اوقات کا خیال اور مقاماتِ قرب کا استحضار ہے۔

(رسالۃ المسترشدین، از حارث محاسبی، تحقیق: شیخ عبدالفتاح ابوغدہ)

دل کی قسمیں

علامہ ابن قیم جوزیؒ کے نزدیک قلب کی تین قسمیں ہیں، وہ فرماتے ہیں۔

''قلب کی تین حالتیں ہیں۔

(۱) قلبِ صحیح (زندہ دل)

(۲) قلب میت (مردہ دل)

(۳) قلب مریض (بیمار دل)

قلبِ صحیح وہ قلبِ سلیم ہے کہ قیامت کے دن اسی بندہ کو نجات حاصل ہوگی جو خدا کے حضور اس کو لے کر حاضر ہوگا، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے ﴿یوم لاینفع مال ولا بنون إلا من أتی اللّٰہ بقلب سلیم﴾ (اس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد، مگر ہاں جو اللہ کے پاس قلبِ سلیم لے کر آئے گا)۔ اس لیے قلبِ سلیم وہ قلب ہے جو اللہ کے حق میں ہر قسم کے شرک سے پاک اور محفوظ ہو اور اس کی تمام تر تگ و دو خالص اللہ کی لیے ہو، ارادت، محبت، توکل، انابت، سرافگندگی، خشیت اور امید کا مرکز و محور صرف اور صرف اللہ کی ذات ہو۔

قلبِ میت قلبِ صحیح کی ضد ہے، قلب میت وہ ہے جو زندگی سے محروم ہو، جسے اپنے رب کی معرفت حاصل نہ ہو، اس کی عبادت رب کے حکم، اس کی محبت اور مرضی کے مطابق نہ ہو، بلکہ وہ اپنی خواہشات ولذتوں کا اسیر ہو، اگرچہ اس میں اللہ کی ناراضگی اور غضب کیوں نہ ہو، اس کا مقصود محض خواہشاتِ نفس کی تکمیل ہے، خدا کی خوشنودی اور ناراضگی سے اسے سروکار نہیں ہوتا۔

اور قلبِ مریض وہ قلب ہے جس میں زندگی کی رمق تو ہو، لیکن اس میں بے شمار امراض واسقام ہوں، اس اعتبار سے ایسے دل میں دو قسم کے مادے ہوتے ہیں، کبھی یہ غالب تو وہ مغلوب اور کبھی اس کے برعکس، اگر ان دونوں عنصر پر اس کو غلبہ حاصل ہو تو وہ قلب ایمان ومحبت، اخلاص وتوکل کا مرکز بن جاتا ہے اور یہی اس کے حق میں آبِ حیات ہے۔

ایسے قلب میں خواہشات کی محبت، اس کو ہر شئے پر ترجیح، اس کے حصول کا شوق اور تڑپ بھی ہوتی ہے، اسی طرح حسد، کبر ونخوت، تکبر

وعناد، دنیا میں حصول اقتدار کے ذریعہ عزت وسربلندی کی محبت کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے اور یہی قلب کے لیے موت وہلاکت کا باعث ہے۔

اس اعتبار سے قلب کی پہلی قسم زندگی، انابت وتواضع، نرمی اور ہوشمندی کی آئینہ دار ہوتی ہے اور دوسری قسم ایک خشک و بے جان شئے کی مانند ہے اور تیسری قسم کو مریض کہہ سکتے ہیں کیونکہ ایسا قلب یا تو سلامتی سے قریب تر ہوگا یا پھر موت وہلاکت کے''۔ (طب القلوب، از علامہ ابن قیم الجوزی، ص:۳۴-۳۹)

دل سے جو بات نکلتی ہے وہ دل پر اثر انداز ہوتی ہے اور وہی حقیقی ادب ہے۔ دل کا اثر صرف انسان کے اعمال واخلاق اور سلوک ہی پر نہیں پڑتا، بلکہ علمائے ادب کہتے ہیں کہ اس کا اثر انسان کے کلام پر بھی پڑتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اہل دل کا کلام اس کلام سے جدا ہوتا ہے جو دل سے نہیں نکلتا، جاحظ نے ''البیان والتبیین'' میں عامر بن عبدالقیس کا قول نقل کیا ہے کہ:

''جو بات دل سے نکلتی ہے وہ سیدھے دل میں گھر کر جاتی ہے اور جو بات صرف زبان سے نکلتی ہے وہ کانوں سے آگے نہیں بڑھتی'' ہر کہ از دل خیزد بر دل ریزد۔

حسن بصریؒ نے ایک بے اثر واعظ کے کلام کو سن کر کہا تھا کہ

اے واعظ خشک! یا تو تیرے دل میں کوئی خرابی ہے یا پھر میرے دل میں''۔

(البیان والتبیین، از: علامہ ابوعثمان بن بحر الجاحظ)

تاریخ میں ایسے صلحاء اور اہلِ دل علماء کے کلام کا وافر ذخیرہ موجود ہے جو پابندِ شریعت تھے، ان میں خدا کا خوف، محاسبۂ نفس، احتساب زندگی، زہد وورع کی صفات بدرجۂ اتم موجود تھیں، تذکرہ وتراجم کی کتابوں میں ان اہل دل علماء کے مواعظ وخطبات کی تاثیر کے واقعات کثرت سے منقول ہیں کہ ان کے موثر مواعظ نے دل کی قساوتوں کا کتنا موثر علاج کیا اور کس قدر خوبی کے ساتھ ان کو صیقل کیا اور منزہ ومجلی بنایا، یہ الگ بات ہے کہ اہلِ ادب نے عموماً اس جانب توجہ نہیں دی، ان اہل

دل علماء اور واعظین میں حضرت ابوسعید حسن بصریؒ کا نام بہت نمایاں ہے، حجاج بن یوسف ثقفی کے ساتھ ان کے بہت سے واقعات کافی مشہور ہیں، ان کے مواعظ کی تاثیر کا عالم یہ تھا کہ عظیم اسلامی شاعر فرزدق جب بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اپنی آوارگی اور اباحیت پسندی سے توبہ کرتا، ایک مرتبہ تو اس نے خود کو ایک ستون سے باندھ لیا اور یہ عہد کیا کہ جب تک قرآن حفظ نہ کرلوں گا یہ بیڑیاں نہ کھولوں گا، اپنی توبہ اور حکایتِ حال کے بیان میں اس کے کئی قصائد بھی ہیں، تراجم وسوانح کی کتابوں میں حضرت حسن بصریؒ کے پر اثر مواعظ وخطبات اور جابر وقاہر سلاطین وامراء کے دلوں میں ان کی تاثیر کے واقعات کثرت سے مذکور ہیں۔

تراجم کی کتابوں میں جن صالحین کے مؤثر خطبات ومواعظ اور حالاتِ زندگی کا تذکرہ ملتا ہے ان میں چند اہم اور نمایاں نام یہ ہیں۔

فضیل ابن عیاضؒ (متوفی ۱۸۷ھ) ابو محفوظ معروف ابن فیروز کرخیؒ (م ۲۰۰ھ) ابوالفیض ذوالنون مصریؒ (متوفی ۲۴۵ھ) حارث محاسبیؒ (متوفی ۲۵۳ھ) ابوالحسن سری ابن مغلس ابن السقطیؒ (متوفی ۲۵۳ھ) ابومحمد سہل ابن عبداللہ تستریؒ (متوفی ۲۸۳ھ) ابو القاسم جنید بن محمد بن جنید بغدادیؒ (متوفی ۲۹۷ھ) احمد ابن محمد ابن سہل ابن عطاءؒ (متوفی ۳۰۹ھ) ابوالقاسم عبدالکریم ابن ہوازن صاحب ''الرسالۃ'' (متوفی ۴۶۵ھ) حجۃ الاسلام ابوحامد محمد غزالیؒ صاحب ''احیاء علوم الدین'' (متوفی ۵۰۵ھ) شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (متوفی ۵۶۱ھ) ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ (متوفی ۵۹۷ھ) وغیرہ۔

ان اہل دل علماء اور صلحاء کے کلام میں عجیب وغریب تاثیر ہے جس کا اثر صدیاں گذرنے کے باوجود آج بھی دلوں میں محسوس ہوتا ہے، ان مواعظ کا امتیاز یہ ہے کہ ان میں نفس انسانی کی مختلف کیفیات وواردات، احساسات ووجدانات کا تذکرہ اور ان کا کامیاب علاج موجود ہے، اسی وجہ سے ان مواعظ کے ذریعہ انسانی قلب ووجدان اور شعور پر غیر معمولی اثر پڑتا ہے اور زندگی کا رخ بدل جاتا ہے۔

سرزمین ہند بھی ایسے نفوس قدسیہ سے محروم نہیں رہی، یہاں بھی اصحاب صدق وصفا کی ایک تعداد بعد کی صدیوں میں پیدا ہوئی، مثلاً شیخ فرید الدین مسعود ایودھنیؒ (متوفی ۶۶۴ھ) شیخ بہاء الدین زکریا ابن محمد ملتانیؒ (متوفی ۶۶۶ھ) شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ (متوفی ۷۵۷ھ) شیخ نظام الدین بدایونیؒ (ولادت ۶۵۶ھ وفات ۷۵۷ھ) امام ربانی شیخ احمد ابن عبدالاحد سرہندیؒ مجدد الف ثانی (متوفی ۱۰۳۴ھ)، امام ربانی کے شیخ شیخ باقی باللہؒ (متوفی ۱۰۱۵ھ) جو کابل سے ہندوستان وارد ہوئے تھے، ان کا کلام نہایت موثر ہوتا، مورخین نے لکھا ہے کہ جو بھی ان کی مجلس میں حاضر ہوتا اس کی دل کی دنیا بدل جاتی، امام سرہندیؒ کے رسائل میں بھی عجب تاثیر ہے، ان میں آج بھی وہ قوت واثر ہے جس سے نہاں خانۂ دل میں سوز وساز اور رقت ونرمی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، دلوں کی کشش کی عجیب تاثیر ہے، فنی اعتبار سے ان رسائل کی بہت اہمیت ہے، دیگر ادبی رسائل جو فنِ ادب کی کتابوں میں منقول ہیں، ان میں اتنی قوت وتاثیر نہیں جو شیخ سرہندیؒ کے رسائل میں موجود ہے، اس لیے کہ ان رسائل نے اس عہد کی زندگی میں اپنی ساحرانہ تاثیر سے عجیب انقلاب برپا کر دیا تھا اور آج بھی ان رسائل سے دلوں کی سرد انگیٹھی میں حرارت اور گرمی پیدا ہوتی ہے، اسی طرح شیخ کے نامور شاگردوں اور مریدین کا بھی ایک طویل سلسلہ ہے جن کے کلام میں اثر آفرینی کی صلاحیت پائی جاتی ہے، مثلاً شیخ آدم بنوریؒ (متوفی ۱۰۵۳ھ)، شیخ محمد معصومؒ (ولادت ۱۰۰۷ھ وفات ۱۰۷۹ھ) اور ان کے اہلِ دل مریدین و متوسلین میں شیخ الاسلام احمد ابن عبدالرحیم معروف بہ شیخ ولی اللہ دہلویؒ (۱۱۱۴ھ-۱۱۷۶ھ) اور پھر شاہ صاحب کے مریدین میں شیخ مرزا مظہر جانِ جاناںؒ (ولادت ۱۱۱۱ھ یا ۱۱۱۳ھ وفات ۱۱۹۵ھ) شیخ عبدالعزیز دہلویؒ (۱۱۵۹ھ-۱۲۳۹ھ) کے خطوط، مواعظ اور بیانات میں بڑی دل آویزی اور مقناطیس کی جاذبیت آج بھی پائی جاتی ہے، شیخ عبدالعزیز دہلوی نے ادبی اسلوب خصوصاً اردو زبان کی تہذیب وتنقیح اور ترقی میں بڑا رول ادا کیا ہے۔

امام حسن بصریؒ کے کلام کی اثر آفرینی، حلاوت و چاشنی اور ساحرانہ تاثیر پر علمائے ادب کا اتفاق ہے، امام ادب ابوعمرو بن العلاء حضرت حسن بصریؒ کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ

''میں نے حسن بصری اور حجاج ابن یوسف سے بڑھ کر فصیح اللسان نہیں دیکھا اور حسن بصری حجاج سے زیادہ فصیح ہیں''۔

امام ابوحامد غزالیؒ ''احیاء علوم الدین'' میں رقمطراز ہیں کہ

''حسن بصری کا کلام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے کلام سے بہت مشابہ تھا اور ان کا طریقہ زندگی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے قریب تر تھا، اس پر سب کا اتفاق ہے، حسن بصریؒ ایک طاقتور اور پرکشش ومحبوب شخصیت کے حامل تھے، لوگ ان کی جادو بیانی کے سامنے مبہوت وششدر رہ جاتے اور بیساختہ ان کی عظمت کے قائل ہوتے، ثابت ابن قرہ ابن زہرون حرانیؒ (۲۲۱ھ - ۲۸۸ھ) کہتے ہیں کہ حسن بصری ایک بحرِ زخار اور دمکتا ہوا آفتاب تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تعلق سے اربابِ سلطنت کے دربار میں ان کی حق گوئی اور بیباکی کے واقعات بہت مشہور ہیں کہ ان کی زبان حق بیاں یہاں بھی اظہار حق سے باز نہ آئی''۔

حسن بصری اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں:۔

''ہائے افسوس! لوگوں کو امیدوں اور خیالی منصوبوں نے غارت کیا، زبانی باتیں ہیں، عمل کا نام ونشان نہیں، علم ہے مگر (اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے) صبر نہیں، ایمان ہے مگر یقین سے خالی، آدمی بہت نظر آتے ہیں مگر دماغ نایاب، آنے جانے والوں کا شور ہے مگر ایک بندہ خدا ایسا نظر نہیں آتا جس سے دل لگے، لوگ داخل ہوئے اور پھر نکل گئے، انھوں نے سب کچھ جان لیا پھر مکر گئے، انہوں نے پہلے حرام کیا پھر اسی کو حلال کرلیا، تمہارا دین کیا ہے؟ زبان کا ایک چٹخارہ! اگر پوچھا

جاتا ہے کیا تم روزِ حساب پر یقین رکھتے ہو؟ تو جواب ملتا ہے ہاں ہاں! قسم ہے روز جزا کے مالک کی، غلط کہا، مومن کی شان تو یہ ہے کہ قوی فی الدین ہو، صاحبِ ایمان ویقین ہو، اس کے علم کے لیے حلم اور اس کے حلم کے لیے علم باعث زینت ہو"۔

صلحاء اور اہل دل کے کلام میں جو غیر معمولی حلاوت، قوت، دل آویزی، تاثیر اور جاذبیت ہے وہ ان کی روح کی لطافت اور قلب کی پاکیزگی، اخلاص وللّٰہیت، حب الٰہی اور عشق نبوی اور اندرونی کیفیت وسرمستی اور سوز دروں کا نتیجہ ہے، اور اس کے لیے وہ کسی خارجی مدد، مقام اور وقت کے محتاج نہیں ہوتے، ان کی خوشی وسرمستی کا سرچشمہ اور ان کی دولت کا خزانہ ان کے دل میں ہوتا ہے، خواجہ میر درد نے جو خود صاحبِ دل اور صاحبِ درد تھے اس پورے گروہ کی ترجمانی اس شعر میں کی ہے۔

جایئے کس واسطے اے درد میخانے کے بیچ
کچھ عجب مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

اندرونی کیفیت اور سوز دروں دلوں کو مسخر کر لیتا ہے، سنگ دلوں کو موم بنا دیتا ہے، مولانا جلال الدین رومیؒ کہتے ہیں:۔

از محبت تلخہا شیرین شود
وز محبت مسہا زریں شود
از محبت دردہا صافی شود
وز محبت دردہا شافی شود
از محبت سجن گلشن می شود
بے محبت روضہ گلخن می شود
از محبت سنگ روغن می شود
وز محبت موم آہن می شود

از محبت سقم صحت می شود
وز محبت قہر رحمت می شود
از محبت مردہ زندہ می شود
وز محبت شاہ بندہ می شود

ترجمہ: محبت سے تلخی میں مٹھاس وشیرینی پیدا ہوجاتی ہے، محبت مٹی کو سونا بنا دیتی ہے، محبت درد والم کو شفا کا پیام اور راحتِ دوام بنا دیتی ہے، محبت کی وجہ سے قید خانہ بھی گلشن بن جاتا ہے اور محبت کے بغیر ایک گلشن بھی جہنم کدہ معلوم ہوتا ہے، محبت پتھر کو پانی اور آہن کو موم بنا دیتی ہے، محبت سے بیماری صحت میں تبدیل ہوجاتی ہے اور اسی سے قہر عین رحمت بن جاتا ہے، محبت میں وہ قوت ہے جو مردہ کو زندہ کردے اور شاہ کو غلام بنادے۔

فرماتے ہیں کہ

جسم خاک از عشق بر افلاک شد
کوہ در رقص آمد وچالاک شد
عشق جان طور آمد عاشقاں
طور مست وخر موسیٰ صعقا

ترجمہ: عشق ومحبت کی وجہ سے جسم خاکی آسمان کے بلندیوں میں پرواز کرنے لگتا ہے، کوہ ودمن میں رقص وسرود کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے، وہ زمین کی پستیوں کو پیچھے چھوڑ آسمان کی رفعتوں سے ہم کلام ہوجاتا ہے، ایک ہی جست میں وہ تحت الثری سے ثریا میں پہونچ جاتا ہے۔

کلام اہل دل کی تاثیر کا اصل منبع درحقیقت ان کا صفائے باطن، ریاضت ومجاہدہ، تزکیہ قلب، حرص وہوس کی مخالفت، معاصی اور غفلت سے دلوں کی حفاظت اور ماسوی اللہ سے استغناء ہے۔

کلام کا مصدر ومنبع اگر ایسے مصلح ومہذب انسان کی زبان ہو جو دل کی پاکیزگی، فکر کی

بلندی، مکروہات ورذائل سے اجتناب، جذبۂ صادق، جذب وانفعال، سوز وگداز کی صفات سے آراستہ ہو اور صرف صاحب قال ہی نہیں؛ بلکہ صاحب حال ہو، تو اس کا کلام براہ راست دل پر اثر انداز ہوتا ہے، تاریخ وسیر کی کتابوں میں ایسے اہل دل سالحین کے کلام کی اثر اندازی کے بہت سے واقعات مذکور ہیں، امام احمد ابن عرفان شہیدؒ (۱۲۰۱ھ ۱۲۴۶ھ) کے حالات میں آتا ہے کہ ان کی مجلس میں بڑے بڑے چور، ڈاکو، قاتل اور فاسق وفاجر حاضر ہوتے اور اپنے گناہوں سے تائب ہوتے، کہا جاتا ہے کہ جب وہ شہرِ کلکتہ وارد ہوئے تو شراب خانوں اور سنیما گھروں میں تالے پڑ گئے۔

ان کے مخلص مریدین کے کلام میں بھی وہی تاثیر تھی، ان اہل دل واعظین کے تذکرہ میں بہت سی کتابیں ہیں، ان صلحاء وعارفین کو وفات پائے زمانہ ہوگیا، پر آج بھی ان کے مواعظ وارشادات میں وہی تازہ تاثیر ہے۔

ان حضرات میں جو قوت بیان، فصاحت وبلاغت کے رمز آشنا تھے، انہوں نے خود بھی اپنی تصنیفی یادگار چھوڑی ہیں، اصلاح وتربیت کے باب میں ان کے رسائل بہت اہمیت اور جلالتِ قدر کے حامل ہیں، دینی حلقوں میں ان کی بہت عزت اور بڑا مقام ہے کیونکہ یہ اصلاح وتربیت، دعوت خیر اور اصلاح وارشاد کا بہت بڑا ذریعہ ہیں، بعض کتابیں تو حجم کے اعتبار سے بہت ضخیم اور کئی کئی جلدوں میں ہیں، مثلاً عوارف المعارف، احیاء علوم الدین از امام غزالیؒ اور بعض رسائل کی شکل میں ہیں جیسے ''رسالہ قشیریہ'' اور ''رسالۃ المسترشدین'' از حارث محاسبیؒ۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ شرح رسالۃ المسترشدین کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

> شیخ حارث محاسبی نے اس رسالہ میں بہت قیمتی نصائح، عمدہ ارشادات، موعظتِ تامہ، واضح تنبیہات، مخلصانہ اقوال وتوجیہات کو علم وحکمت اور معانی ومفاہیم سے لبریز جملوں اور دلنشیں اسلوب میں بیان کیا ہے، جن کو بہ آسانی پڑھا اور سمجھا جاسکتا ہے، لیکن قاری کو بھرپور فائدہ تب ہوگا، جب نہایت غور

وتدبر کیساتھ ایک ایک جملہ بار بار اتنا پڑھے اوراس میں تدبر کرے کہ وہ یاد ہوجائے اورزبانی دوہراسکے۔

علامہ عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ صالحین کے کلام کی تاثیر پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

صلاحِ دل کے لیے حدیث وفقہ کے اشتغال کو میں اسی وقت مفید سمجھتا ہوں جبکہ اس کے ساتھ مواعظ ورقائق اور سیرتِ صالحین پر بھی نظر اور تدبر ہو، کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جن کو کلام منقول کا مقصود حاصل ہے، اورانہوں نے افعال کی حکمی صورت سے نکل کراذواق وکیفیات کی دنیا تک رسائی حاصل کرلی ہے۔

فرماتے ہیں کہ:

ان مشاہیر میں سے ہرایک پر میں نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے جن میں ان کے حالات اورآداب واخلاق کا تذکرہ ہے، مثلاً حضرت حسن بصریؒ، سفیان ثوریؒ، ابراہیم ابن ادہمؒ، بشر حافیؒ، احمد ابن حنبلؒ اور معروف کرخیؒ وغیرہ کے حالات میں کتابیں لکھی ہیں۔(صیدالخاطر)

ان کے علاوہ دیگر علماء نے بھی طبقات وتراجم اورسوانح صالحین کے موضوع پر باقاعدہ مبسوط ومفصل کتابیں لکھی ہیں جودائرۃ المعارف کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اس مؤثر وجاذبِ قلب ونگاہ صنف کلام کوافسوس کہ ادب میں وہ مقام نہ دیا گیا جس کا وہ مستحق تھااوروہ اپنی تاثیروسحرآفرینی، حسن وجمال کے باوجودنقدوادب کا موضوع نہ بن سکا، عالمی رابطہ ادب اسلامی نے لکھنؤ میں ایک سیمینار منعقد کیا تھا، یہ مقالہ دراصل اسی سیمینار میں پیش کرنے کے لیے لکھا گیا تھااور پھرندوۃ العلماء سے شائع ہونے والے پندرہ روزہ رسالہ ''الرائد'' میں قسط واراس کی اشاعت ہوئی، اسکے بعد فاضل عزیز برادرم حسن طارق عسکری کا مشورہ ہوا کہ اسے علاحدہ مستقل کتابی شکل میں شائع کیا جائے، اس

مناسبت سے کتاب کے تراجم واقوال اور مواعظ میں نئے قیمتی اضافے کیے گئے ہیں، اگر چہ اس باب میں بہت سی مفصل ومبسوط اور دائرۃ المعارف کی حیثیت رکھنے والی کتابیں ہیں اوران کے مقابلہ میں اس کی حیثیت وہی ہے جو قطرہ کو سمندر سے ہوتی ہے، لیکن چونکہ ہر شخص ان کتابوں سے استفادہ پر قادر نہیں ہوتا، اس لیے یہ کتاب پیش خدمت ہے، اللہ تعالی سے دعا ہے اس کا نفع عام کرے اوراس عمل کو قبولیت سے سرفراز فرمائے۔

اخیر میں برادر معظم ومکرم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء لکھنو) اور محبّ گرامی ڈاکٹر مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی صاحب (مہتم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وچیف اڈیٹر مجلّہ ''البعث الإسلامی'') کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے کتاب کا بیش قیمت مقدمہ تحریر فرما کر کتاب کی زینت میں اضافہ فرمایا، اس موضوع پر اس سے قبل مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی صاحب نے ایک کتاب ''ساعۃ مع العارفین'' تالیف فرمائی ہے، جو پسند کی گئی، فجزاہ اللہ خیرا۔

عزیزی محمد وثیق ندوی کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے کتاب کی ترتیب وتبویب، نقل وتحقیق اور مراجعت کے جملہ امور بحسن وخوبی انجام دیے، نیز کتاب کے بعض اعلام پر تعلیقات اور مختصر تعارف تحریر کیا اور مستند حوالے ذکر کیے، اللہ تعالی سے ان کے حق میں توفیق وراستی کی دعا کرتا ہوں۔

اللہ تعالی کے حضور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالی سب کو برکت واجر اور توفیق دوام عطا فرمائے، علم وعمل صالح اور سلف صالحین کی اقتداء کی توفیق ارزانی عطا کرے۔

محمد واضح رشید حسنی ندوی
دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
۲۹ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ

من مشكاة النبوة

"ألا وإن في الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله ، وإذا فسدت فسد الجسد كله ، ألا وهي القلب"

[رواه البخاري]

(۱) امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

۲۱ھ-۱۱۰ھ

حضرت حسن بن ابی الحسن یسار بصریؒ ۲۱ھ میں پیدا ہوئے، کنیت ابوسعید تھی، والد محترم یسار صحابی رسول، کاتب وحی حضرت زید بن ثابت انصاریؓ کے غلام تھے، یسار اصلاً ''میسان'' کے قیدیوں میں سے تھے، مدینہ میں سکونت اختیار کی اور پھر غلامی سے آزاد ہوئے، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں شادی کی، حضرت حسن بصریؒ کی والدہ ''خیرہ'' ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کی باندی تھیں، حضرت حسن بصریؒ کو بے شمار صحابہ سے شرف تلمذ حاصل ہے، قرآن کریم حضرت حطان بن عبداللہ رقاشی سے سیکھا اور بے شمار تابعین سے احادیث کی روایت کی، صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عمرؓ اور بھی دیگر صحابہ کی زیارت کی، حضرت عمرؓ نے ان کے حق میں دعا کی تھی "اللھم فقھه في الدين وحببه إلى الناس" اے اللہ انہیں دین کا تفقہ عطا فرما اور مقبولیت عامہ عطا کر۔ (۲)

محمد بن سعد (۳) کہتے ہیں:۔

حضرت حسنؒ علم وعمل کے جامع اور بلند مقام کے حامل تھے، وہ یک وقت فقیہ، عابد شب زندہ دار، خوشخصال، فصیح اللسان، ثقہ اور روایت حدیث میں حجت اور نہایت وسیع علم کے مالک تھے، البتہ ان کے مراسیل حجت نہیں ہیں۔ (۴)

یونس بن عبید (۵) کہتے ہیں:۔

حضرت حسن بصریؒ سے زیادہ قول وعمل میں یکسانیت میں نے کہیں نہیں دیکھی۔

عوف کہتے ہیں:۔

راہ جنت کا واقف کار حضرت حسن بصریؒ کے مقابلہ میں مجھے کوئی دوسرا نظر نہ آیا۔

ابراہیم بن عیسی یشکری کا بیان ہے:۔

حضرت حسن بصریؒ سے زیادہ فکر آخرت میں منہمک رہنے والا اور غمگین رہنے والا میں نے نہیں دیکھا، میں نے جب بھی ان سے ملاقات کی، انہیں کسی فکر میں منہمک پایا۔

خالد بن صفوان کہتے ہیں:۔

میری ملاقات مسلمہ بن عبد الملک سے ہوئی، انہوں نے پوچھا کہ خالد! حسن بصری کے کیا حال چال ہیں؟ میں نے کہا: اللہ تمہیں خوش رکھے!! حسن کے بارے میں میں تمہیں ایک پتہ کی بات بتاتا ہوں اور میں تو ان کا پڑوسی ہوں، ان کی مجلسوں کا حاضر باش انسان ہوں اور دوسروں کے مقابلہ میں ان کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں، حضرت حسن کی ظاہر و باطن اور قول و فعل کی یکسانیت میں مثال نہیں، اگر وہ کسی چیز کا فیصلہ کرلیں تو اس کو پورا کرتے ہیں اور اگر کوئی کام شروع کریں تو اسے انجام تک پہنچاتے ہیں، لوگوں کو کسی کام کا حکم دینے سے پہلے وہ خود اس پر عمل کرتے ہیں اور کسی چیز سے روکنے سے پہلے خود اس سے رکتے ہیں، وہ لوگوں سے مستغنی ہیں لیکن پوری دنیا ان کی محتاج ہے، مسلمہ بن عبد الملک نے یہ سن کر کہا کہ وہ قوم کیسے گمراہ ہوسکتی ہے جس میں ایسے لوگ ہوں۔(۶)

علامہ ابن جوزی نے ''صفۃ الصفوۃ'' میں حکیم بن جعفر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ۔

مسمع نے مجھ سے کہا کہ اگر تمہیں حضرت حسن بصریؒ کی زیارت کی سعادت نصیب ہوتی تو تم مشاہدہ کرتے کہ حضرت حسن بصری کے دل میں تمام خلق خدا کے غم اور فکریں جمع ہوگئی تھیں۔

محمد بن سعد کہتے ہیں کہ یزید بن حوشب نے بیان کیا کہ۔

حسن بصری اور حضرت عمر بن عبدالعزیز سے زیادہ خدا کی خشیت رکھنے والا میں نے نہیں دیکھا، ایسا لگتا تھا جیسے دوزخ انہی دونوں کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

حجاج الأسود (۷) نے کہا کہ۔

ایک شخص نے تمنا کی کہ کاش مجھے حسن بصری کا سا زہد، ابن سیرین کا تقوی واحتیاط، عامر بن عبد قیس کا ذوق عبادت، سعید بن مسیب کا تفقہ اور مطرف بن شخیر کا سا ذکر کا ذوق وشوق کا کچھ حصہ حاصل ہوتا، کہتے ہیں کہ لوگوں نے اس سلسلہ میں غور کیا، تو ان تمام اوصاف کے حامل حضرت حسن بصری کی شخصیت نظر آئی۔

حماد بن سلمہ (۸) متوفی ۱۶۷ھ کہتے ہیں کہ ''مجھے علی بن زید نے بتلایا کہ:۔

میں نے متاخرین میں سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر اور قاسم بن عبید اللہ کی زیارت کی سعادت ح حاصل ہوئی لیکن حضرت حسن کا مماثل کوئی نظر نہ آیا۔

ابوقتادہ کا بیان ہے کہ۔

عمر بن خطابؓ کی رائے اور ان کے مسلک سے قریب تر حضرت حسن سے زیادہ کوئی اور مجھے معلوم نہیں۔

حماد بن زید (۹۸-۱۷۹ھ) (۹) کہتے ہیں کہ:

ایوب نے مجھے بتایا کہ حضرت حسن جب گفتگو کرتے تو ایسا لگتا جیسے موتی رول رہے ہوں، ان کے بعد بھی بہت سے مقررین اور واعظین ہوئے ہیں، ان کے منہ سے الفاظ ایسے نکلتے ہیں جیسے قے ہو، وہ نہایت وسیع علم کے حامل، تفسیر وحدیث کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ غایت درجہ شیریں بیاں، فصیح اللسان اور سامعین میں اثر انداز ہونے والی شخصیت کے مالک تھے، ابوعمرو بن العلا کا بیان ہے کہ میں نے حسن بصری اور حجاج بن یوسف سے بڑھ کر فصیح نہیں دیکھا، اور حسن حجاج سے زیادہ فصیح تھے۔

ابوحیان توحیدی نے ثابت بن قرہ (۲۲۱-۲۸۸ھ) (۱۰) کے حوالہ سے حضرت حسن بصریؒ کی جامعیت کو اس طرح بیان کیا ہے:۔

وہ اپنے علم وتقوی، زہد وورع، استغناء وعالی ہمتی، لطافت، تفقہ اور علم کے اعتبار سے ایک درخشاں ستارہ تھے، ان کی مجلس میں قسم قسم کے لوگ جمع رہتے تھے اور ہر ایک فیض پاتا تھا، ایک شخص حدیث حاصل کر رہا ہے، دوسرا تفسیر میں استفادہ کر رہا ہے، تیسرا فقہ کا درس لے رہا ہے، کوئی فتوی پوچھ رہا ہے، کوئی مقدمات فیصل کرنے اور قضا کے قواعد سیکھ رہا ہے، کوئی وعظ سن رہا ہے، اور وہ ایک بحر زخار ہیں جو موجیں لے رہا ہے، اور ایک روشن چراغ ہیں جو مجلس کو پرنور کر رہا ہے، پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں ان کے کارنامے اور حکام وامراء کے روبرو پوری قوت اور صراحت کے ساتھ اظہار حق کے واقعات بھلانے کی چیز نہیں۔

وہ مزید کہتے ہیں کہ:۔

حضرت حسن بصریؒ بہت غیرت مند، ایمانی حمیت سے لبریز اور صاحب حال شخصیت تھے، ان کا شمار اعلی درجہ کے اہل اخلاص میں ہوتا ہے، زبان وبیان کی قوت کے ساتھ ساتھ قوت ایمانی میں اپنی مثال آپ تھے، جو کہتے اس پر ایمان رکھتے اور اپنے ایمان پر حد درجہ اعتماد کرتے، ان کے الفاظ دل کی گہرائیوں سے نکلتے تھے تو سیدھے دل میں اترتے تھے، صحابہ یا آخرت کا تذکرہ ہوتا تو لوگوں کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں، دل میں جوش اور درد پیدا ہوتا، کیونکہ انہیں ذوق ایمانی حاصل تھا، اور ان کی گفتگو، ان کے جذبات واحساسات کی ترجمان تھی، ان کی گفتگو میں مقناطیس کی کشش تھی، اہل دل اور اہل اخلاص کی گفتگو میں ایسی ہی تاثیر ہوا کرتی ہے۔

حق گوئی و بے باکی

حضرت حسن بصریؒ ان چند افراد میں ایک ہیں جنہوں نے حجاج بن یوسف ثقفی کے مظالم کے خلاف آواز بلند کی اور اس کے ظلم و بربریت کی کھلے لفظوں میں مذمت کی، اور اس کے روبرو حق کا اعلان کیا۔ ایک موقع پر حجاج بن یوسف نے ''واسط'' میں ایک گھر بنایا تھا، جب گھر تعمیر ہو گیا تو ایک عام اعلان کیا گیا کہ لوگ اس کے گھر آ کر اس کی خیر و برکت کی دعا کریں، حضرت حسن بصریؒ نے لوگوں کی اس جم غفیر کے موقع کو ضائع نہیں کیا، وہ خود بھی تشریف لائے تا کہ اس موقع پر دنیا کی بے ثباتی، زہد کی قدر و قیمت اور ذکر الٰہی کی اہمیت علی الاعلان واضح کر سکیں، حضرت حسن بصریؒ جس وقت حجاج کے مکان پر پہنچے تو لوگوں کا ایک جم غفیر انہیں حجاج کے عالیشان محل اور اس کے حسن و جمال سے مسحور نظر آیا، فوراً ہی انہوں نے ایک تقریر کی، تقریر کے چند جملے یہ تھے:۔

> ہم نے اس سے زیادہ بڑی عمارتیں دیکھی ہیں، ہمیں معلوم ہے کہ فرعون نے اس سے زیادہ بہتر اور عالیشان عمارتیں بنائیں؛ لیکن اللہ تبارک وتعالی نے خود اسے بھی تباہ کیا اور اس کی عمارتیں بھی، کاش حجاج کو معلوم ہوتا کہ اہل آسمان اس سے خفا و نالاں ہیں اور اہل زمین نے اسے کبر و نخوت میں مبتلا کر دیا ہے۔

اس جرأت و ہمت کے ساتھ ان کی یہ ناقدانہ تقریر جاری رہی حتی کہ حاضرین مجلس میں ایک شخص کو حجاج کے ظلم و بربریت کے پیش نظر حضرت حسن کے تعلق سے خوف و اندیشہ پیدا ہونے لگا تو اس نے کہا: ابو سعید بس کرو..... بس کرو.....، حضرت حسن بصریؒ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اہل علم نے اللہ سے معاہدہ کیا ہے کہ وہ حق لوگوں کے سامنے واضح کریں گے اور اظہار حق میں کوتاہی نہیں کریں گے۔

دوسرے دن حجاج انتہائی غیظ و غضب کے عالم میں مجلس میں حاضر ہوا اور اس کی زبان

سے یہ الفاظ نکلے: اللہ تمہیں غارت کرے!! تمہارا نام ونشان مٹادے!! بصرہ کا ایک غلام زادہ برسر مجلس ہمیں جو چاہتا ہے کہتا ہے، اور تم میں کوئی ایسا نہیں جو اسے روک سکے، یا اس پر نکیر کر سکے، بزدلو! میں اس کے خون سے تمہیں نہاؤں گا اور پھر اس نے تلوار اور چمڑہ کی چٹائی منگائی اور جلاد کو مجلس میں آنے کا حکم دیا، بعض سپاہیوں کو حکم دیا کہ حضرت حسن بصری کو گرفتار کرلائیں، تھوڑی ہی دیر بعد حضرت حسن بصری پابہ جولاں لائے جاتے ہیں، خوف ودہشت سے لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف اٹھتی ہیں، تلوار، جلاد اور سامان سولی دیکھ کر حضرت حسن کے ہوٹھوں کو جنبش ہوتی ہے، مؤمنانہ رعب وجلال اور مؤمنانہ شان وشکوہ اور داعیانہ سنجیدگی اور وقار کے ساتھ حجاج کی طرف نظر اٹھاتے ہیں، اور چشم زدن میں ان کی پُراثر اور بارعب شخصیت حجاج پر اثر دکھاتی ہے، حجاج کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں: کہ ابو سعید یہاں تشریف لائے..... یہاں تشریف لائے.....، پھر کیا تھا، لوگوں کی بھیڑ چھٹتی گئی اور حجاج انتہائی مرعوبیت اور رعب ودہشت کے عالم میں ان کا استقبال کرتے ہوئے، نظر آیا اور اپنی کرسی پر انہیں جا بٹھایا، حضرت حسن جب اپنی جگہ بیٹھ گئے تو حجاج ان سے بعض دینی امور کے تعلق سے سوال کرنے لگا اور حضرت حسن پوری جرأت وہمت، سحر بیانی اور وسیع علم سے اس کے ہر مسئلہ کا جواب دینے لگے، حجاج نے کہا: اے ابوسعید! تم علماء کے سرتاج ہو، پھر اس نے خوشبو منگوائی اور بطور تعظیم ان کی داڑھی پر ملی اور انہیں الوداع کہا۔

حضرت حسن بصریؒ جب حجاج کے پاس سے اٹھ کر باہر آئے تو اس کا پہرہ دار بھی ان کے ساتھ ساتھ باہر آیا اور کہا کہ ابوسعید! حجاج نے تمہیں کسی اور مقصد سے بلایا تھا، جس وقت تم آئے میں نے تمہیں دیکھا اور آپ نے بھی وہ تلوار اور اسباب سولی دیکھے ہوں گے، آپ کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی تھی، آپ نے کیا کہا؟ حضرت حسن نے جواب دیا کہ میں نے دعا کی تھی، اے میرے منعم ومحسن اور ملجا وماوی! حجاج کے انتقام کو میرے لیے مثل خلیل ٹھنڈک اور باعث سلامتی بنادے۔(۱۱)

مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اپنی کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' میں رقم طراز ہیں:۔

ان کے مواعظ اپنی دل آویزی اور دل نشینی کے علاوہ اس دور کی فصیح وبلیغ زبان اور اعلیٰ ادب کا نمونہ ہیں۔(۱۲)

ایک موثر وعظ

ایک موقع پر اہل زمانہ پر تبصرہ، صحابۂ کرام کا تذکرہ اور اسلامی اخلاق کا نقشہ کھینچتے ہوئے حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔

ہائے افسوس! لوگوں کو امیدوں اور خیالی منصوبوں نے غارت کیا، زبانی باتیں ہیں عمل کا نام نشان نہیں، علم ہے؛ مگر (اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے) صبر نہیں، ایمان ہے مگر یقین سے خالی، آدمی بہت نظر آتے ہیں؛ مگر دماغ نایاب، آنے جانے والوں کا شور ہے؛ مگر ایک بندۂ خدا ایسا نظر نہیں آتا جس سے دل لگے، لوگ داخل ہوئے اور پھر نکل گئے، انہوں نے سب کچھ جان لیا پھر مکر گئے، انہوں نے پہلے حرام کیا، پھر اسی کو حلال کر لیا، تمہارا دین کیا ہے؟ زبان کا ایک چٹخارہ! اگر پوچھا جاتا ہے کیا تم روزِ حساب پر یقین رکھتے ہو؟ تو جواب ملتا ہے کہ ہاں ہاں! قسم ہے روز جزا کے مالک کی، غلط کہا، مومن کی شان تو یہ ہے کہ وہ قوی فی الدین ہو، صاحب ایمان ویقین ہو، اس کے علم کے لیے حلم اور اس کے حلم کے لیے علم باعثِ زینت ہو، عقلمند ہو، لیکن نرم خو، اس کی خوشپوشی اور ضبط اس کے فقر وافلاس کی پردہ داری کرے، دولت ہو تو اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے، خرچ کرنے میں شفیق، خستہ حالوں کے حق میں رحیم وکریم، حقوق کی ادائی میں کشادہ دست وفراخ دل، انصاف میں سرگرم وثابت قدم، کسی سے نفرت ہو تو اس کے حق میں زیادتی نہ ہونے پائے، نہ عیب

چینی کرتا ہو، نہ طنز واشارہ، نہ طعن وتشنیع، نہ لایعنی سے اس کو کچھ کام ہو، نہ لہو ولعب سے دلچسپی، چغل خوری نہیں کرتا، جواس کا حق نہیں اس کے پیچھے نہیں پڑتا، جواس پر واجب آتا ہے اس کا انکار نہیں کرتا، معذرت میں حد سے نہیں بڑھتا، دوسرے کی مصیبت میں خوش نہیں ہوتا، دوسرے کی معصیت سے اس کو مسرت نہیں ہوتی، مومن کو نماز میں خشوع اور نمازوں کا ذوق ہوتا ہے، اس کا کلام شفا کا پیام، اس کا صبر وتقوی، اس کا سکوت سراسر غور وفکر، اس کی نظر سراپا درس وعبرت ہے، علماء کی صحبت اختیار کرتا ہے علم کی خاطر، خاموش رہتا ہے تو اس لیے کہ گناہوں اور گرفت سے محفوظ رہے، بولتا ہے تو اس لیے کہ کچھ (ثواب) کمائے اور فائدہ حاصل کرے، نیکی کر کے اس کو خوشی ہوتی ہے، غلطی ہو جاتی ہے تو استغفار کرتا ہے، شکایت کرتا ہے اور اس کے دل میں کسی کی طرف سے رنج آتا ہے تو معافی تلافی کر لیتا ہے، ظلم کیا جاتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے، کوئی اس کے حق میں ناانصافی کرے تو وہ انصاف کو نہیں چھوڑتا، اللہ تعالی کے سوا کسی کی پناہ نہیں لیتا، اور اس کے سوا کسی سے مدد نہیں چاہتا، مجمع میں باوقار، تنہائی میں شکر گذار، رزق پر قانع، آرام وعیش کے زمانہ میں شاکر، مصیبت اور آزمائش کی گھڑیوں میں صابر، غافلوں میں ذاکر، ذاکروں میں ہو تو استغفار میں شاغل، یہ تھی شان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، اپنے درجوں اور مرتبہ کے مطابق، جب تک دنیا میں رہے، اسی شان سے رہے، اور جب دنیا سے گئے تو اسی آن بان سے گئے، مسلمانو! تمہارے سلف صالحین کا یہ نمونہ تھا، جب تم نے اللہ کے ساتھ اپنا معاملہ بدل دیا تو اللہ نے بھی تمہارے ساتھ اپنا معاملہ بدل دیا، (اللہ تعالی کسی قوم کی (اچھی) حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک کہ لوگ خود اپنی (صلاحیت) کی حالت کو نہیں بدل دیتے، اور جب اللہ تعالی

کسی قوم پر مصیبت ڈالنا تجویز کرتا ہے تو پھر اس کے ہٹنے کی کوئی صورت ہی نہیں، اور کوئی خدا کے سوا ان کا مددگار نہیں رہتا۔ ( )

عمران القصیر کہتے ہیں کہ:۔

میں نے حسن بصری سے ایک مسئلہ پوچھا اور میں نے کہا کہ فقہاء ایسا کہتے ہیں تو حضرت حسن نے فرمایا: کامل فقیہ واقعی تم نے دیکھا ہے؟ فقیہ وہ ہے جو دنیا سے بے رغبت، دین کی صحیح بصیرت اور عبادت خداوندی کی مداومت کرنے والا ہو۔(۱)

حزم بن ابی حزم (۱۳) کا قول ہے کہ:۔

میں نے حسن بصری کو کہتے ہوئے سنا کہ دو بہت ہی بدترین دوست ہیں، ایک دینار اور دوسرا درہم، زندگی بھر وہ تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

حوالہ جات:

(۱)۔ سیر اعلام النبلاء: ۵۶۳/۴، وفیات الأعیان لابن خلکان: ۶۹/۲، شذرات الذھب: ۱۳۶/۱، النجوم الزاھرۃ: ۲۶۷/۱، تذکرۃ الحفاظ: ۶۶/۱، طبقات الحفاظ للسیوطی: ص: ۲۸، طبقات ابن سعد: ۱۵۶/۷، أخبار القضاۃ: ۳/۲، الحسن البصری لابن الجوزی، الحلیۃ: ۱۳۱/۲، البدایۃ والنھایۃ: ۲۶۶/۹، تاریخ الإسلام للذھبی: ۹۸/۴، تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ اول۔

(۲)۔(أخبار القضاۃ: ۵/۲

(۳)۔ ابن سعد کے حالات زندگی کے ملاحظہ کریں: تاریخ بغداد: ۳۲۱/۵، تھذیب التھذیب: ۱۸۳/۹، الفھرست: النجوم الزاھرۃ، تذکرۃ الحفاظ: ۴۲۵، شذرات الذھب: ۶۹/۲، الاعلام للزرکلی: ۱۳۶/۶، وفیات الاعیان لابن خلکان: ۳۵۱/۴۔

(۴)۔طبقات اب سعد، ص: ۱۵۷/۷-۱۵۸

(۵)۔ یونس بن عبید کے حالات زندگی کے لیے دیکھیں: سیر اعلام النبلاء:۶/۲۸۸، طبقات ابن سعد:۷/۲۶۰، حلیۃ الاولیاء:۳/۱۵، الکامل فی التاریخ:۵/۵۷۶۔

(۶)۔ حلیۃ الأولیاء:۲/۱۴۷، بحوالہ: سیر أعلام النبلاء:۴/۵۷۶

(۷)۔ بصری ہیں، صدوق ہیں، کبار صالحین میں شمار ہوتے ہیں، ابن معین نے انہیں قابل اعتماد واعتبار بتایا ہے اور ان کی توثیق کی ہے ۱۴۰ھ میں انتقال ہوا، تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: طبقات ابن سعد:۷/۲۶۹، میزان الاعتدال:۱/۴۶۰، لسان المیزان:۲/۱۷۵، سیر اعلام النبلاء:۷/۹۷۔

(۸)۔ ان کے حالات زندگی کے لیے دیکھیں: سیر اعلام النبلاء:۷/۴۴۴، معجم الادباء:۱۰/۲۵۴، حلیۃ الاولیاء:۶/۲۴۹، طبقات ابن سعد:۷/۲۸۲، شذرات الذھب :۱/۲۶۲، میزان الاعتدال:۱/۵۹۰۔

(۹)۔ یہ ابن ادھم علامہ دوراں، حافظ حدیث، محدث وقت، ابو اسماعیل ازدی ہیں، تفصیل حالات کے لیے ملاحظہ کریں: سیر اعلام النبلاء: ۷/۴۵۶، طبقات ابن سعد:۷/۲۸۷، البدایۃ والنھایۃ:۱۰/۱۷۴، طبقات القراء لابن الجوزی:۱/۲۵۸، التاریخ الکبیر:۳/۲۵، حلیۃ الاولیاء:۶/۲۵۷، عبر الذھبی:۱/۲۷۴، مشاھیر علماء الامصار:۱۵۷۔

(۱۰)۔ اپنے معاصرین میں فضائل وکمالات میں ممتاز تھے، مختلف علمی موضوعات پر ان کی متعدد تصنیفات ہیں، تفصیلی حالات کے لیے دیکھیں: وفیات الاعیان : ۱/۳۱۳، فہرست:۲۷۲، ابن ابی اصیبعہ :۱/۲۰۴، اخبار الحکماء:۱۱۵، البدایۃ والنھایۃ :۱۱/۸۵، عیون الانباء فی طبقات الاطباء:۳۹۵، تحقیق ڈاکٹر نزار رضا۔

(۱۱)۔ صور من حیاۃ الصحابۃ، ڈاکٹر عبد الرحمٰن رأفت پاشا،۲/۱۷-۲۲۔

(۱۲)۔ تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ اول۔

(۱۳)۔ یہ کبار ائمۂ حدیث میں شمار ہوتے ہیں، اسماء الرجال کے موضوع پر چھ جلدوں میں ایک مبسوط کتاب تصنیف کی ہے، تفصیلی حالات کے لیے دیکھیں: سیر اعلام النبلاء:۱۶/۱۰۴، تاریخ علماء الاندلس:۱/۴۳، معجم الادباء:۳/۵۰، نفح الطیب:۳/۱۷۰، جذوۃ المقتبس:۱۲۵۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ (۱)

(۱۰۷ھ-۱۸۷ھ)

تاریخ عربی ادب سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ عہد بنی امیہ کو دیگر زمانوں کے مقابلہ میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس عہد میں نقائض اور غزل ونسیب کے شعراء کو مقبولیت ملی؛ کیونکہ یہ دور وہ تھا جس میں قبائلی عصبیت، نسلی تفاخر، باہمی منافرت، دوسروں کی ہتک عزت اور اپنے قبیلہ کی برتری ثابت کرنا شعراء کا محبوب ترین مشغلہ تھا، البتہ عباسیوں کا دور اول آزادیٔ فکر وخیال اور حریت رائے کا زمانہ ہے، اس زمانہ میں بشار بن برد، ابونواس، ابوالعتاہیہ اور حماد عجرد کو علم وادب کے حلقہ میں بڑی پذیرائی حاصل ہوئی، خود عباسی خلفاء کے دربار میں شعراء وشاعری کی ہمت افزائی اور نوازشات کے واقعات سے تاریخ کے صفحات روشن ہیں، خلیفہ ہارون رشید کی ادب پروری، علماء وادباء کی قدردانی اور خاص طور پر ابونواس وابوالعتاہیہ کے ساتھ رواداری، انکی تفریحی، خلاف شرع اور اسلامی اقدار کے منافی شاعری کے باوجود عفو درگذر، ادب پروری اور علم دوستی کا ثبوت ہے، ابونواس کو عباسی عہد میں یہ مقام حاصل تھا کہ بنو ہاشم کی بڑی بڑی شخصیات، سیاسی قائدین، منتخب ادباء وانشاء پرداز اس کے پاس آتے، اسے سلام کرتے اور وہ مسند پر ٹیک لگائے بیٹھا رہتا، انکے سلام کا جواب دیتا اور نہ نشست تبدیل کرتا اور نہ کسی کے احترام میں اپنی جگہ سے اٹھتا، مہدی اور ہادی کے زمانہ میں منحرفانہ رجحانات اور الحاد وزندقہ کو فروغ پانے کے مواقع حاصل ہوے، بلاشبہ اس زمانہ کے یہ پہلو اسلامی معاشرہ کی غلط تصویر پیش کرتے ہیں۔

افسوس ہے کہ تاریخ ادب کی کتابوں میں عباسی عہد کے ان اصحاب صلاح وتقوی

اور اہل قلب ونظر صوفیاء کے کلام کے نمونے نہیں ملتے جو اپنی فصاحت و بلاغت جاذبیت وتاثیر، اسلوب بیان کی دلکشی ورعنائی، سلامتِ ادا اور قوتِ تاثیر سے دلوں میں ایک خاص اثر ڈالتے تھے، سخت سے سخت دل موم ہو جایا کرتے، ایک ایک حرف تیر ونشتر کا کام کرتا، حیاتِ انسانی کا رخ بدل جاتا، زندگی کے رواں دواں قافلہ کو مناسب رہنمائی ملتی، البتہ تذکرہ وتراجم کی کتابوں میں ان زندہ دل عارفین وزاہدین کے کلام کا وافر ذخیرہ موجود ہے، ان نفوس قدسیہ کے بے شمار ایسے مؤثر واقعات محفوظ ہیں جن کی اثر آفرینی سے خلقِ خدا فیضیاب ہوتی ہے، ہارون رشید اور فضیل بن عیاض کا واقعہ اس کی سب سے بڑی دلیل ہے، ڈاکٹر احمد امین اپنی کتاب ضحیٰ الاسلام میں لکھتے ہیں:۔

> اس زمانہ میں شک وارتیاب اور الحاد وزندقہ کے پہلو بہ پہلو تزکیۂ نفس، صلاح واصلاح، رشد وہدایت اور ایمان وایقان کی آبیاری کی کوششیں بھی جاری تھیں، ایک بہت بڑی جماعت اعلیٰ اخلاق وکردار، جذبۂ صادق، اخلاص وعمل، پاکیزگیٔ باطن جیسی صفات سے آراستہ تھی، مثلاً عبداللہ بن مبارک، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، داؤد طائی، فضیل بن عیاض اور ان جیسی دیگر شخصیات جو ورع، احتیاط، زہد واجتناب، تقوی وطہارت، ایمانی سوز وگداز، دینی غیرت وحمیت اور صلاح ظاہر وباطن کا پیکر تھے، دنیاوی جاہ وحشمت سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا، عباسی خلفاء جو عہدہ ومنصب انہیں پیش کرتے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے (۲)۔

ڈاکٹر شوقی ضیف اپنی کتاب ''تاریخ الادب العربی'' میں لکھتے ہیں:۔

> عصر عباسی میں بغداد کی مسجدیں عابدین شب زندہ دار، صوفیاء واتقیاء، اصحاب ظاہر وباطن علماء وصلحاء سے معمور تھیں، ان میں تذکیر حشر ونشر اور ذکر الٰہی کے حلقے قائم تھے، بعض اہل دل واعظین تو عصر خلافت میں برسرِ عام خلفاے

بنوعباس کونصیحت کرتے ،عدل وانصاف قائم کرنے کی تلقین کرتے ،مثلاً خلیفۂ عباسی منصور کے زمانہ میں حضرت عمرو بن عبید (۳)، مہدی کے زمانہ میں حضرت صالح بن عبدالجلیل اور ہارون رشید کے زمانہ میں ابن سماک (۴) بلا خوف وخطر امراء وسلاطینِ وقت کی بے اعتدالیوں پر نکیر فرماتے ، یہ مردِ درویش جو آرام وراحت کے مقابلہ میں زاہدانہ ومتقشفانہ زندگی کے خوگر تھے، ان کی زندگی ایمان صادق ،عقیدۂ راسخ ،روحانی سوز وگداز،اور پاکیزہ نفسی سے عبارت تھی ،ان کا کلام حلاوت ولطافت ،سلاست واثر آفرینی کا اعلیٰ مظہر تھا۔

سفیان ثوری:

حضرت سفیان ثوری کا نام ابوعبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق بن حبیب الثوری ہے،آپ عدنان کی نسل میں ہیں،فن حدیث اور دیگر علوم میں آپ کو امامت کا درجہ حاصل ہے،آپ کی دینداری ،ورع وتقوی ،زہد وثقاہت پر سب کو اتفاق ہے، اپنے زمانہ کے مجتہد ائمہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

تاریخ ولادت کے سلسلہ میں روایات میں باہم تعارض ہے،بعض روایات کے مطابق آپ کی ولادت ۹۵ھ اور بعض روایات کے مطابق ۹۶ھ اور بعض میں ۹۷ھ ہے، ۱۶۱ھ میں بصرہ میں آپ کی وفات ہوئی۔

یونس بن عبید فرماتے ہیں کہ:۔

کوفہ میں سفیان سے زیادہ صاحب علم وفضل وکمال میں نے نہیں دیکھا ،لوگوں نے بڑے استعجاب سے کہا کہ آپ نے تو سعید بن زبیر اور فلاں فلاں کو دیکھا ہوگا،انہوں نے پھر بھی کہا کہ سفیان سے بڑھ کر صاحب فضل وکمال نہیں دیکھا۔

بشر بن حارث کہتے ہیں کہ:۔

سفیان ثوری کی نگاہوں کے سامنے علم ومعرفت کا گویا ایک سمندر تھا، جس دلیل سے چاہتے استدلال کرتے اور جسے چاہتے چھوڑ دیتے۔

عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں کہ:۔

مالک بن انس سے زیادہ ذہین، عبداللہ بن مبارک سے زیادہ امت محمدیہ کا خیر خواہ، سفیان ثوری سے زیادہ فن حدیث کا ماہر اور شعبہ سے زیادہ متقشف میں نے نہیں دیکھا۔

سفیان بن عیینہ (۱۰۷-۱۹۸ھ) (۵) کہتے ہیں کہ:۔

سفیان ثوری سے بڑھ کر حلال وحرام کا علم رکھنے والا میں نے نہیں دیکھا۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ:۔

روے زمین پر سفیان ثوری سے بڑا عالم میں نے نہیں دیکھا۔(۶)۔

عبداللہ بن مبارک

اسم گرامی ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مبارک بن واضح مروزی ہے، وہ بیک وقت علم وزہد کا پیکر تھے، سفیان ثوری اور مالک بن انس سے فقہ کا علم حاصل کیا، امام مالکؒ سے مؤطا روایت کی، تقوی واحتیاط اور عزلت وخلوت پسندی آپ کی طبیعت بن گئی تھی۔

عبداللہ بن مبارک ۱۱۸ھ میں شہر ''مرو'' میں پیدا ہوے، اور ۱۸۱ھ میں ان کی وفات ہوئی، ابن خلکان کا بیان ہے کہ:۔

وہ ہارون رشید کے پاس ''رقہ'' تشریف لائے تو لوگ بڑی سرعت وبرق رفتاری کے ساتھ ان کے استقبال کو نکل آئے، ازدحام کی وجہ سے کندھے سے کندھا چھل رہا تھا، جوتوں سے اڑنے والے غبار سے آسمان چھپ گیا تھا، محل کے ایک برج سے امیر المومنین ہارون رشید کی بیوی نے یہ منظر دیکھا، تو تعجب

آمیز لہجہ میں پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا خراسان کے بہت بڑے عالم ''رقہ'' تشریف لائے ہیں، جن کا اسم گرامی عبداللہ بن مبارک ہے، تو ہارون رشید کی بیوی نے کہا بخدا بادشاہت اسے کہتے ہیں، ہارون رشید کی اس بادشاہت کو نہیں کہتے جو فوجوں اور سپاہیوں کی بیساکھیوں پر کھڑی ہے (۷)۔

فضیل بن عیاض

نام ابوعلی فضیل بن عیاض بن مسعود بن بشر تمیمی طالقانی ہے، اصلاً ''یربوع'' کے رہنے والے ہیں، ''ابیورد'' یا ''سمرقند'' میں پیدا ہوئے، ابیورد میں نشو ونما پائی، کوفہ تشریف لے گئے اور وہاں علم حدیث کی سماعت کی، پھر مکہ مکرمہ منتقل ہو گئے اور وہیں سکونت اختیار کی، محرم الحرام ۱۸۷ھ میں انتقال فرمایا۔

فضیل بن عیاض ابتدا میں ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کیا کرتے تھے، ''سرخس'' اور ''ابیورد'' کے راستے ان کی وجہ سے مخدوش ہو گئے تھے، ایک دن کی بات ہے کہ وہ چوری کے ارادہ سے ایک دیوار پر چڑھے، تو کسی کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا ﴿ألم يأن للذين آمنوا أن تخشع قلوبهم لذكر الله وما نزل من الحق﴾ کیا اب بھی ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر کے لیے اور جو سچی بات اتری ہے اسکے لیے پگھل جائیں، تو انہوں نے کہا: ہاں یارب یقیناً وہ وقت آ گیا ہے، چنانچہ وہ وہاں سے واپس ہوئے اور راستہ میں ایک ایسے ویرانے میں رات ہوگئی جہاں کچھ مسافر ٹھہرے ہوئے تھے، باہم مشورہ ہو رہا تھا، بعض لوگوں کی رائے یہ تھی کہ کوچ کرنا چاہئے اور بعض یہ کہہ رہے تھے کہ رات یہیں گذار کر صبح سفر کرنا چاہئے، کیونکہ فضیل نامی ڈاکو راستہ میں ہم پر حملہ کر دے گا، فضیل بن عیاض نے یہ باتیں سنیں تو ان کا دل بڑا نادم ہوا، انہوں نے صدقِ دل سے اللہ کے حضور توبہ کی اور انہیں اطمینان دلایا اور پھر اللہ کے نیک بندوں اور مخلصین صوفیا میں شمار ہوئے (۸)۔

طلب علم کے لیے رخت سفر باندھا اور کوفہ پہنچ کر اس وقت کے نامور علماء مثلاً منصور، اعمش، لیث، عطاء، حمید الطّویل، بیان بن بشر، حسین بن عبد الرحمٰن، صفوان ابن سلیم، عبد العزیز ابن رفیع، ابو اسحاق شیبانی، یحیی بن سعید انصاری، ہشام ابن حسان، ابن ابی لیلی، مجاہد، اشعث ابن سوار، جعفر الصادق اور ان کے علاوہ دیگر کوفہ اور حجاز کے علماء سے علم حاصل کیا۔

ان کے نامور شاگردوں میں عبد اللہ ابن المبارک، یحیی القطان، عبد الرحمٰن بن مہدی، ابن عیینہ، اصمعی، قتیبہ، بشر حافی، سری بن مغلس سقطی اور بہت سے شاگرد ہیں، سفیان ثوری جو فن حدیث کے نامور مشائخ میں سے ہیں انہوں نے فضیل بن عیاض سے علم حدیث حاصل کیا۔

اسحاق بن ابراہیم طبری کہتے ہیں:۔

فضیل حدیث بیان کرنے میں نہایت صدوق اور ثقہ ہیں، حدیث بیان کرتے ہوئے عجیب سی ہیبت ان پر طاری ہوتی اور حدیث کا بیان کرنا ان پر بڑا گراں گزرتا، انہوں نے بارہا مجھ سے فرمایا کہ مجھ سے حدیث سننے کے بجائے اگر دینار مانگ لیتے تو یہ میرے لیے زیادہ آسان ہوتا۔

سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ:۔

فضیل ثقہ، نیک طینت، اپنے وقت کے بڑے عالم، عابد اور پرہیز گار انسان ہیں، کثرت سے احادیث روایت کی ہیں۔

ابن مبارک کہتے ہیں کہ:۔

روئے زمین پر فضیل بن عیاض سے بڑا فاضل اب باقی نہیں رہا۔

وہ مزید کہتے ہیں کہ:۔

فضیل بن عیاض نے صدق دل سے اللہ کے حضور توبہ کی تو اللہ نے ان کی زبان پر حکمت و معرفت کے سرچشمے جاری کر دیے، چنانچہ فضیل ان لوگوں میں سے

ہیں جن کا علم ان کے لیے نافع ثابت ہوا۔

ابراہیم بن اشعث کہتے ہیں:۔

فضیل بن عیاض سے زیادہ اللہ کی عظمت وہیبت اور اس کی خشیت رکھنے والا میں نے نہیں دیکھا، جب بھی ان کے سامنے خدا کا نام لیا جاتا، یا وہ اللہ کا ذکر کرتے، یا قرآن کریم کی کوئی آیت سنتے تو ان کے چہرے پر خوف وخشیت، غم واندوہ کے آثار نمایاں ہوجاتے، آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں جاری ہوجاتا، اتنا روتے کہ حاضرین مجلس کو ترس آنے لگتا، ہمیشہ غم واندوہ اور فکر میں ڈوبے رہتے، وہ اپنے علم وعمل، جود وسخا، فیاضی وجانثاری، محبت ونفرت اور اپنے تمام عادات واطوار سے صرف رضائے الٰہی کے طالب تھے، جب ہمارے ساتھ کسی جنازے میں ہوتے تو وعظ ونصیحت کرتے، آخرت کو یاد دلاتے اور روتے، ایسا لگتا جیسے کہ وہ دنیا سے رخصت ہوکر آخرت کو سدھارنے والے ہیں، پورے راستے ان کا یہی حال رہتا، قبرستان پہنچ کر قبروں کے درمیان اس طرح بیٹھ جاتے جیسے اس دنیا سے رخصت ہوچکے ہوں، چہرے پر حزن وملال کے آثار اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سمندر جاری رہتا، جنازہ کی تدفین سے واپس آتے تو ایسا معلوم ہوتا جیسے آخرت سے واپس آئے ہوں۔

ان کی گزر بسر کا دار مدار حضرت عبداللہ ابن المبارک اور ان جیسے دیگر اہل خیر کے تعاون پر تھا، شاہانِ وقت کے تحائف کسی طور قبول نہ کرتے، کسی کا قول ہے کہ ہم فضیل بن عیاض کے پاس بیٹھے تھے تو ہم نے ان سے پوچھا آپ کی عمر کتنی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا:

بلغت الثمانين أوجزتها

فماذا أؤمل إذا ما انتظر

علتني السنون فأبلينني
فدق العظام وكل البصر

ترجمہ: ۸۰ سال بلکہ اسّی کے اوپر ہوگیا ہوں، اب کس چیز کی آرزو کروں، عمر مجھ پر غالب آگئی اور میرے لئے آزمائش کا سبب بن گئی، بدن کی ہڈیاں کمزور ہوگئیں اور بینائی بھی کم ہوگئی ہے۔

میں نے کہا کہ سفیان ابن عیینہ کے ہم عمر ہیں لیکن ان سے چند سال پہلے ان کا انتقال ہوگیا۔(۹)

صاحب ''البدایۃ والنہایۃ'' نے ان کا تذکرہ کچھ اس طرح کیا ہے:۔

فضیل بن عیاض عابدین شب زندہ داروں میں تھے، اللہ کے ولی اپنے وقت کے عالم اور زاہد تھے، بڑی عمر میں کوفہ آئے اور وہاں اعمش، منصور ابن معتمر، حسین ابن عبدالرحمٰن اور دیگر حضرات سے علم حدیث حاصل کیا، پھر مکہ تشریف لے گئے۔

قرآن بہت عمدہ پڑھتے تھے، کثرت سے روزے رکھتے اور نماز پڑھتے، جلیل القدر صوفیاء میں تھے، فنِ حدیث کے ثقہ ائمہ میں ان کا شمار ہوتا ہے، ہارون رشید کے ساتھ ان کا واقعہ بہت معروف ومشہور ہے۔

ہارون رشید نے ایک مرتبہ فضیل بن عیاض سے کہا کہ تم نے زہد کیوں اختیار کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ تو خود مجھ سے بڑے زاہد ہیں، کیونکہ میرا زہد تو اس دنیا سے ہے جس کی قیمت مکھی کے پر کے برابر نہیں اور آپ نے آخرت سے زہد فرمایا ہے جو انمول ہے، میں نے دنیائے فانی سے زہد اختیار کیا اور آپ نے دائمی آخرت سے زہد فرمایا، ہیرے اور موتی سے اعراض کرنے والا یقیناً اس انسان سے بڑا زاہد ہے جس نے جانور کی مینگنی سے اعراض کیا ہو۔

فضیل ابن ربیع نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ:۔

امیر المؤمنین ہارون رشید نے ایک مرتبہ حج کا ارادہ کیا تو مجھ سے کہا کہ میرے دل میں ایک سوال ہے، کوئی ایسا صاحب علم بتاؤ جس سے استفسار کر سکوں؟ میں نے کہا سفیان ابن عیینہ سے امیر المؤمنین استفسار فرمائیں، ہارون رشید نے کہا، مجھے ان کے پاس لے چلو، چنانچہ ہم سفیان ابن عیینہ کے ارادہ سے چلے ان کے دروازہ پر پہنچ کر دستک دی، اندر سے آواز آئی کون؟ میں نے کہا دروازہ کھولیے امیر المؤمنین ملاقات کے لیے تشریف لائے ہیں، انہوں بڑی سرعت سے دروازہ کھولا اور کہا امیر المؤمنین! آپ نے کیوں زحمت فرمائی، قاصد بھیج دیا ہوتا، میں حاضر ہو جاتا، ہارون رشید نے اپنا سوال پیش کیا اور کہا: میں اس لیے آیا تھا، سفیان ابن عیینہ نے کافی دیر ان سے گفتگو کی، پھر ہارون رشید نے ان سے پوچھا کہ آپ مقروض ہیں؟ انہوں نے کہا جی ہاں! تو ہارون رشید نے قرض کی ادائیگی کا حکم دے دیا۔

جب ہم سفیان ابن عیینہ سے رخصت ہو کر باہر آئے تو ہارون رشید نے کہا کہ تمہارے ان بزرگ سے میرا کوئی مسئلہ حل نہ ہو سکا، میں نے کہا تو امیر المؤمنین حضرت عبد الرزاق کے پاس تشریف لے چلیں، ہارون رشید نے کہا چلو! چنانچہ ہم ان کے یہاں گئے اور دروازہ کو دستک دی، عبد الرزاق باہر تشریف لائے اور امیر المؤمنین سے کچھ دیر باتیں کیں، پھر ہارون رشید نے کہا کیا آپ مقروض ہیں؟ تو انہوں نے کہا جی ہاں میں مقروض ہوں، ہارون رشید نے حکم دیا کہ ابو العباس ان کا قرض ادا کر دو۔

ان سے ملاقات کر کے جب ہم رخصت ہوئے تو پھر امیر المؤمنین نے کہا کہ تمہارے ان بزرگ سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا، کوئی دوسرا دیکھو جس سے مسئلہ حل ہو جائے، میں نے کہا فضیل بن عیاض ہیں اور پھر میں انہیں ان کے پاس لے گیا، وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ نماز پڑھ رہے ہیں اور ایک آیت بار بار دہرا رہے ہیں، امیر المؤمنین نے فرمایا دروازہ پر دستک دو، میں نے تعمیل حکم میں

دروازہ کھٹکھٹایا، حضرت فضیل بن عیاض کی آواز آئی کون ہے؟ میں نے کہا دروازہ کھولیے، امیر المؤمنین تشریف رکھتے ہیں، تو فضیل نے کہا: مجھے امیر المؤمنین سے کیا تعلق؟ تو میں نے کہا، امیر المؤمنین کی اطاعت کیا تم پر لازم نہیں؟ حضرت فضیل نیچے تشریف لائے، دروازہ کھولا اور پھر بالائی منزل کے کمرہ میں چلے گئے، چراغ غل کر دیا اور ایک کنارہ ہو گئے، ہم بھی ان کے پیچھے پیچھے کمرہ میں داخل ہوئے اور ہاتھ کے سہارے انہیں تلاش کرنے لگے، مجھ سے پہلے امیر المؤمنین کا ہاتھ ان تک پہنچ گیا، جیسے ہی امیر المؤمنین کا ہاتھ ان سے مس ہوا تو فضیل نے کہا واللہ کیا نرم و گداز ہتھیلی ہے، اگر کل عذاب الٰہی سے نجات پا سکتی، ہارون رشید نے سوال کیا اور کہا کہ خدا کے واسطے میرا مسئلہ حل فرمایے، اللہ آپ پر رحم فرمائے، تو حضرت فضیل نے ان سے فرمایا کہ عمر بن عبد العزیزؒ جب والی خلافت ہوئے تو انہوں نے سالم بن عبد اللہ، محمد بن کعب، رجاء بن حیوہ کو بلا کر کہا کہ مجھے اس آزمائش میں مبتلا کیا گیا ہے، چنانچہ تم لوگ میری دستگیری کرو، مجھے مشورے دو، انہوں نے خلافت کی ذمہ داری کو آزمائش سے تعبیر کیا، جبکہ تم اور تمہارے وزراء اسے نعمت سمجھتے ہیں۔

ان تینوں حضرات اکابر نے باری باری انہیں مشورے دئے، حضرت سالم نے فرمایا ''اگر نجات چاہتے ہو تو زندگی روزہ داروں کی طرح گزار دو، تا کہ موت تمہارے لیے افطار بن جائے'' اور محمد بن کعب نے فرمایا ''اگر عذاب الٰہی سے بچنا چاہتے ہو تو عمر رسیدہ مسلمان کو اپنا باپ اور درمیانی عمر والوں کو بھائی اور چھوٹوں کو اپنا بیٹا سمجھو، بڑوں کی تعظیم و توقیر کرو، بھائیوں کا اکرام کرو اور اپنے بیٹے کے ساتھ شفقت سے پیش آؤ۔

حضرت رجاء بن حیوہ نے فرمایا کہ اگر عذاب خداوندی سے بچنا چاہتے ہو تو

دوسروں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو اور وہی ناپسند کرو، جو اپنے لیے ناپسند کرتے ہو، اگر ایسا ہے تو پھر پرواہ نہیں کہ موت کب آتی ہے۔

میں تم سے یہ باتیں کہہ رہا ہوں مجھے اس دن کا بڑا خوف ہے جب پیروں میں لرزہ طاری ہوگا، امیر المؤمنین اللہ رحم کرے، کیا آپ کو ایسا مشورہ دینے والا کوئی ہے؟ ہارون رشید زار و قطار رونے لگا، حتی کہ بے ہوش ہوگیا، میں نے بڑے ملتجیانہ لہجے میں درخواست کی کہ امیر المؤمنین کی حالت پر رحم فرمایئے تو حضرت فضیل نے جواب دیا کہ اے ام ربیع کے فرزند، تم اور تمہارے رفقاء امیر المؤمنین کو ہلاک کردینا چاہتے ہیں اور میں ان کے ساتھ رحم کا معاملہ کروں؟ تھوڑی دیر کے بعد ہارون رشید کو افاقہ ہوا تو کہا کہ مزید نصیحت فرمائے، اللہ آپ پر اپنی رحمت کی بارش نازل فرمائے، حضرت فضیل نے فرمایا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے ایک والی نے بعض امور میں ان کی خدمت میں کچھ شکایت کی، تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے لکھا کہ میرے بھائی! میں تمہیں یاددہانی کرانا چاہتا ہوں کہ دوزخی دوزخ میں تا ابد بیداری کی حالت میں رہیں گے، دیکھو اللہ کی یاد سے تم اپنے آپ کو غافل مت ہونے دینا، کیونکہ اس سے تمہاری امید ٹوٹ جائے گی، اس والی نے جب یہ خط پڑھا تو فوراً رخت سفر باندھا اور ایک لمبا سفر طے کرکے ان کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے سبب دریافت کیا تو اس نے کہا کہ آپ کے مکتوب نے مجھے دہلا دیا، اب میں تا زندگی ولایت قبول نہ کروں گا۔

ہارون رشید نے جب یہ واقعہ سنا تو اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی، فضیل بن عیاض نے اپنا وعظ جاری رکھا اور کہا کہ امیر المؤمنین: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کے پاس تشریف لائے اور کہا کہ مجھے والی بنا دیجئے، تو معلوم ہے رسول اللہ نے کیا فرمایا، فرمایا کہ امارت قیامت

کے دن حسرت وافسوس کا موجب ہوگی، عم محترم آپ جہاں تک امارت سے بچ سکتے ہوں بچنے کی تدبیر کیجئے، ہارون رشید کی نگاہوں سے پھر آنسو جاری ہوگئے، اس نے مزید نصیحت کی درخواست کی، حضرت فضیل نے ارشاد فرمایا، اے خوبرو انسان! کل قیامت کے دن اللہ تعالی تم ہی سے اپنی مخلوق کے بارے میں سوال کرے گا، تو جس طرح بھی ہوسکے اپنے اس خوبصورت چہرے کو اللہ کی آگ سے بچانے کی کوشش کرو، دیکھو، اس بات کی کوشش کرو کہ کبھی اپنی رعایا کے تعلق سے تمہارے دل میں کھوٹ نہ پیدا ہونے پائے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے جو اپنی رعایا کے ساتھ خیانت کا مرتکب ہوگا وہ جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا، ہارون رشید کے پھر آنسو جاری ہوگئے، جب افاقہ ہوا تو پوچھا آپ مقروض ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں اللہ رب العزت کا قرض ہے، جس نے ابھی مجھ سے اس قرض کے تعلق سے محاسبہ نہیں کیا، ہائے بربادی جب وہ مجھ سے مطالبہ کرے گا، ہائے تباہی جب سوال ہوگا، وائے ناکامی جب میرے پاس کوئی جواب نہ ہوگا، ہارون رشید نے کہ میرا مقصود یہ نہ تھا، میں تو بندگان خدا کے قرض کے بارے میں پوچھ رہا تھا، حضرت فضیل نے جواب دیا کہ میرے رب نے مجھے اس کا حکم نہیں دیا، اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کے وعدوں کی تصدیق کروں، اور اس کے حکموں کی تعمیل کروں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ ''میں نے جن وانس کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔(۱۰)۔

ہارون رشید نے کہا کہ یہ ایک ہزار دینار قبول فرمالیجئے، بیوی بچوں پر خرچ کریں، اس سے مزید عبادت وریاضت کی قوت آپ کو حاصل ہوگی، تو انہوں نے جواب دیا کہ سبحان اللہ! میں آپ کو نجات کا راستہ بتا رہا ہوں، اور آپ میرے ساتھ یہ سلوک فرمارہے ہیں، اللہ آپ کی حفاظت فرمائے، آپ کو توفیق

عطا فرمائے، پھر خاموش ہوگئے اور کوئی بات نہ کی، جب باہر آئے تو ہارون رشید نے کہا کہ ابوعباس ایسا شخص بتانا چاہئے تھا، واللہ یہ تو مسلمانوں کا سردار ہے، ان کے بعد حضرت فضیل کے پاس ایک خاتون آئیں اور کہا کہ ہماری خستہ حالی کا علم تو آپ کو بخوبی ہے، کاش یہ رقم قبول کرلی ہوتی، تو انہوں نے کہا کہ میری اور تمہاری مثال ان لوگوں کی ہے جن کے پاس ایک بار برداری کا اونٹ تھا، اس اونٹ کی کمائی سے ان کی گذر بسر ہوتی، لیکن جب اونٹ بوڑھا ہوگیا اور کسی کام کا نہ رہا تو اسے ذبح کرڈالا، اور اس کا گوشت کھا گئے، ہارون رشید نے جب یہ باتیں سنیں تو کہا کہ چلو اندر چلیں، شاید قبول فرمالیں، حضرت فضیل کو جب اس کا علم ہوا تو باہر تشریف لائے اور بالائی منزل کے کمرہ کے دروازہ پر فرش پر بیٹھ گئے، ہارون رشید ان کے پاس آکر بغل میں بیٹھ گیا، ان سے باتیں کرنے کی کوشش کی، لیکن انہوں نے کسی بات کا جواب نہ دیا، اسی دوران ایک سیاہ فام باندی آئی اور اس نے کہا کہ جناب والا آپ تشریف لے جائیں، آپ نے تو رات بھر شیخ کو پریشان کیا، پھر ہم لوگ واپس آگئے (۱۱)۔

ملفوظات

۱۔ حضرت فضیل بن عیاض آیت کریمہ "لیبلوکم أیکم أحسن عملا" کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی سب سے عمدہ اور خالص عمل والے کی پرکھ کرے گا، یعنی عمل کو خالصۃ لوجہ اللہ ہونا چاہئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق ہونا چاہئے۔

۲۔ "بندہ کو اللہ کی معرفت جس قدر حاصل ہوتی ہے اسی قدر اللہ کا خوف اسے حاصل ہوتا ہے اور جس قدر آخرت کی طلب ہوتی ہے اسی قدر دنیا سے بے رغبتی بڑھتی ہے"۔

۳۔ "لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والا دو میں سے کسی ایک چیز میں ضرور مبتلا ہوگا،

اس سے نہیں بچ سکتا، یا تو دوسروں کی طرح باطل اور غیر شرعی چیزوں میں مصروف ہوگا، یا منکر دیکھ کر اس سے روک نہیں پائے گا، اپنے ہم نشیں سے گناہ کی باتیں سنے گا''۔

۴۔''اللہ اپنے اس بندہ پر رحم فرمائے، جس نے اپنے آپ کو مٹا دیا اور اپنے عمل پر منحصر ہونے سے پہلے اس نے اپنی کوتاہیوں پر آنسو بہائے ہوں''۔

۵۔''سچی مروت یہ ہے کہ انسان اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے، مال جائز طریقہ سے حاصل کرے اور اسے جائز مصارف میں خرچ کرے، حسن اخلاق کا حامل ہو، مسلمانوں کا اکرام کرنے والا ہو، اور بلا ضرورت اپنے گھر سے نہ نکلتا ہو۔

۶۔''راہ حق کے سالکین کی قلت کی وجہ سے تمہیں اس راستہ میں وحشت نہ محسوس ہونی چاہئے اور لوگوں کی کثرت سے تمہیں فریب میں نہ مبتلا ہونا چاہئے''۔

۷۔''حصول دنیا کی فکر سے آخرت کی فکر ختم ہو جاتی ہے اور دنیاوی فرحت وراحت سے عبادت کی لذت زائل ہو جاتی ہے''۔

۸۔''اللہ تعالی جب کسی سے محبت کرتے ہیں تو اس کے غموں میں اضافہ فرما دیتے ہیں اور اللہ کو جب کسی سے نفرت ہوتی ہے تو اس کے لیے دنیاوی لذت کے تمام سامان مہیا کر دیتے ہیں''۔

۹۔''پوری کی پوری دنیا مجھ پر اس رعایت کے ساتھ پیش کی گئی کہ اس سلسلہ میں میرا محاسبہ نہیں ہوگا لیکن مجھے اس سے ٹھیک ویسی ہی نفرت ہوئی جیسے تم میں سے کوئی کسی مردار کے پاس سے گذرے اور اپنے کپڑوں کے بچانے کی فکر کرے''۔

۱۰۔''لوگوں کی خاطر کسی عمل سے رک جانا ہی درحقیقت ریاکاری ہے، اور ان کی وجہ سے کوئی کام کرنا شرک ہے''۔

۱۱۔''اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ میری یہی ایک دعا قبول ہوگی، تو میں وہ دعا خلیفہ کے لیے کروں گا، کیونکہ اسی کی اصلاح پر امت کی اصلاح کا مدار ہے''۔

۱۲۔''انسان اپنے دوستوں کے ساتھ نرمی و ہمدردی کا معاملہ کرے، حسن اخلاق سے پیش آئے یہ اس کی رات رات بھر کی عبادت اور دن میں روزہ رکھنے سے بہتر ہے''۔

۱۳۔ابوعلی رازی کہتے ہیں کہ''میں ۳۰ سال تک فضیل بن عیاض کی صحبت میں رہا، اس مدت میں میں نے کبھی انہیں ہنستے ہوئے نہیں دیکھا، اور نہ ان کے ہونٹوں پر کبھی مسکراہٹ نظر آئی، البتہ جس دن ان کے فرزند علی کا انتقال ہوا تو میں نے چہرے پر خوشی کے آثار دیکھے، میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ اللہ کو میرا بیٹا پسند آیا، اس نے قبول کرلیا، تو میں نے بھی اللہ کی خوشی پر خوشی کا اظہار کیا، فضیل بن عیاض کے یہ فرزند اپنے وقت کے کبار اولیاء میں تھے''۔

۱۴۔عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ''فضیل کی وفات سے دنیا سے حزن وملال رخصت ہوگیا''۔

۱۵۔حضرت فضیل نے ایک مرتبہ ابوتراب سے فرمایا''دنیا میں آنا تو بڑا آسان ہے لیکن یہاں سے جانا بہت دشوار ہے''۔

۱۶۔''دو عادتوں سے دل میں قساوت پیدا ہوتی ہے:(۱) زیادہ کھانے سے (۲) زیادہ سونے سے''۔

۱۷۔''سب سے بڑا جھوٹا وہ ہے جو توبہ کرنے کے بعد پھر گناہ کا مرتکب ہو اور سب سے بڑا بیوقوف وہ ہے جسے اپنی نیکیوں پر ناز ہو اور اللہ کی معرفت رکھنے والا وہ ہے جسے سب سے زیادہ اللہ کا خوف ہو''۔

۱۸۔''ایمان کامل تبھی ہوتا ہے جب انسان اپنے دین کو اپنی خواہشات پر ترجیح دینے لگے اور انسان کی ہلاکت یہ ہے کہ وہ اپنے دین کو خواہشاتِ نفس کے تابع بنالے''۔

۱۹۔''خلوتوں میں اللہ کے ساتھ صدق وانصاف کا معاملہ کرو، کیونکہ مقام بلند کا حامل درحقیقت وہ انسان ہوتا ہے، جسے اللہ نامور فرمائے، اللہ تعالی جب کسی بندہ سے محبت کرتے ہیں تو لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت راسخ فرمادیتے ہیں''۔

۲۰۔ ''جو شخص اللہ سے ڈرتا ہو اسے کوئی چیز فریب نہیں دے سکتی اور جو شخص غیر اللہ سے ڈرتا ہو دنیا کی کوئی شئے اسے فائدہ نہیں پہنچا سکتی، عبداللہ بن مالک نے ان سے پوچھا کہ ابوعلی یہ بتاؤ کہ ہماری اس موجودہ آزمائش سے نکلنے کی تدبیر کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ اللہ کے ایک فرمانبردار بندہ کو دوسرے کی معصیت سے کچھ نقصان پہنچتا ہے؟ میں نے کہا نہیں؟ تو انہوں نے پوچھا کہ بتاؤ اللہ کے نافرمان بندہ کو کسی کی طاعت وفرمانبرداری سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا تو انہوں نے کہا: اگر تم راہ نجات کے طالب ہو تو یاد رکھو یہی طریق نجات ہے''۔

۲۱۔ ''بندہ جب تک صحتمند ہو اس حالت میں اللہ سے امیدیں وابستہ رکھنے کے مقابلہ میں اللہ کا خوف وخشیت زیادہ سودمند ہے''۔

۲۲۔ ''اے ابن آدم! دنیا کو وہ گھر بناؤ جو تمہیں تمہاری ذمہ داریوں کا احساس دلائے، اور دنیا کا قیام عارضی سمجھ! جہاں رکنا مناسب نہیں، ٹھیک اس انسان کی طرح جو اپنے دشمن سے بھاگ رہا ہو، اور خوفناک راستہ سے ہو کر اپنے گھر پہنچنے کے لیے کوشاں ہو، ایسا انسان کسی کو دوست بنا کر اسے راحت وآرام کے اسباب نہیں کیا کرتا، اور نہ ہی اپنا ارادۂ سفر تبدیل کرتا ہے، تاکہ اس کے حقیقی گھر میں جو اسباب راحت ہیں وہ محفوظ رہیں، اگر تم یہ کر سکتے ہو تو تمہیں اس کی کوشش کرنی چاہئے، اور اگر اس پر قادر نہیں تو کم از کم اس کی آرزو رکھنی چاہئے، دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اس راستہ کے رہزن بن جاؤ، قرآن کریم میں ہے "وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ وَإِن يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ" [الأنعام:٢٦] کیونکہ نگاہوں کی بصیرت کو اگر قلب کی بصیرت حاصل نہ تو غلط ہی نظر آتا ہے، صحیح نظر نہیں آتا، اس کی بے نگاہی کی علامت یہ ہے کہ اگر تم اس کی بصارت سے اپنے آپ کو یا کسی اور کو پہنچاننے کی کوشش کروگے، تو ہلاک ہونے سے نہیں بچ سکتے، اور نہ ہی تمہاری آرزو وامید میں اضافہ ہوگا، درحقیقت یہی بے بصیرتی ہے اگرچہ نگاہوں کی بینائی سلامت ہو، عقلمند تو وہ ہے جو عقل کو پرے رکھ کر محض عقل کے لیے

تدبیریں اختیار کرتا ہے، اور جو کتاب الٰہی میں غور وفکر سے کام لیتا ہے اس کی امیدیں اسے مقاصد کے لیے اور آمادۂ سفر کرتی ہیں، اور خوف وخشیت کا اس پر اثر ہوتا ہے، یہی انسان درحقیقت صاحب بصیرت ہے، اگر چہ اسے نگاہوں کی بصارت حاصل نہ ہو"۔

۲۳۔"دنیا جائے قیام نہیں، حضرت آدم کو دنیا میں بطور انعام نہیں بطور سزا بھیجا گیا ہے، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ دنیا ان سے کس طرح چھین لی گئی، انہیں کبھی بھوک کا سامنا کرنا پڑا، اور کبھی برہنگی کا، اور کبھی مختلف قسم کی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا، ٹھیک اس مشفق والدہ کی طرح جو اپنے بچہ کو کبھی حنظل اور کبھی "صبر" نامی کڑوے پھل پلاتی ہے اس سے اس کا مقصود اور ارادہ بہتری کا ہوتا ہے"۔

۲۴۔"حامل قرآن درحقیقت حق اور اسلام کا علمبردار ہے، اس لیے دوسروں کی طرح خطا ولغزش، لہو ولعب، اور غفلت پسندی اس کے شایان شان نہیں، حامل قرآن کو یہ بالکل زیب نہیں دیتا کہ وہ خلق خدا کا دست نگر بنے، اور شاہان وقت یا ان کے ماتحتوں کے سامنے دست سوال دراز کرے، اس کا مقام تو یہ ہے کہ پوری انسانیت اس کے سامنے سوالی بن کر کھڑی ہو، اور وہ سب سے مستغنی ہو"۔

۲۵۔"جب رات کی تاریکیاں دنیائے انسانیت کو اپنے آغوش میں لیتی ہیں تو اللہ تعالی کا منادی یہ اعلان کرتا ہے کہ ہے کوئی مجھ سے بڑا سخی وفیاض، ساری مخلوق میری نافرمان ہے، اس کے باوجود میں ان کی نگہداشت کرتا ہوں، رات کو اپنے بستروں میں جب وہ محو راحت ہوتے ہیں تو میں ان کی حفاظت کرتا ہوں، اور اپنی پناہ میں انہیں رکھتا ہوں، ایسا لگتا ہے جیسے وہ نافرمان اور مجرم نہ ہوں؛ بلکہ میرے محبوب اور محسن ہوں، کون ہے جو نافرمانوں کے ساتھ وہ مشفقانہ برتاؤ کرے جو میں کرتا ہوں، عاصیوں کو انعام سے نوازتا ہوں، ہے کوئی ایسا جس نے مجھے آواز دی ہو اور میں نے اس کی نہ سنی ہو، یا مجھ سے مانگا ہو اور میں نے نہ دیا ہو، یا میرے دروازہ پر اپنی سواری روکی ہو اور میں نے اسے دھتکار دیا ہو، میں اور صرف میں ہی محسن ہوں، صفت احسان میرے

وجود سے قائم ہے، صرف میں فیاض ہوں اور میری ہی بدولت فیاضی قائم ہے، میری سخاوت وفیاضی دیکھو! نافرمانوں کی نافرمانیوں کے باوجود معاف کر دیتا ہوں، اور گناہوں سے توبہ کرنے والوں کی توبہ ایسے قبول کرتا ہوں، جیسے کوئی گناہ ہی نہ کیا ہو، یہ انسان مجھے چھوڑ کر آخر کس کے دروازہ جا رہا ہے اور یہ نافرمان بندے آخر مجھ سے کیوں بھاگ رہے ہیں؟

۲۶۔ ''رشک ایمان کی علامت ہے، اور حسد نفاق کی علامت ہے، مومن رشک کرتا ہے حسد نہیں کرتا، نفاق میں رشک نہیں ہوتا، حسد ہوتا ہے، مومن کی شان یہ ہے کہ وہ دوسروں کی پردہ پوشی کرتا ہے، وعظ ونصیحت کرتا ہے، اور فاجر شخص دوسروں کی عزت وکردار پر کیچڑ اچھالتا ہے، تہمتیں لگاتا ہے، اور برائیاں بیان کرتا ہے''۔

۲۷۔ ''جب غیبت وچغلخوری کا چلن عام ہو جاتا ہے، تو اخوت اسلامی فنا ہو جاتی ہے، اس زمانہ میں تم لوگوں کی مثال اس شئے کی طرح ہے جس پر سونے چاندی کی پالش کر دی گئی ہو، جس کا ظاہر تو بڑا دیدہ زیب نظر آتا ہے، لیکن باطن نہایت بدصورت''۔

۲۸۔ ''مومن کو ہر وقت وہر آن اپنے گناہوں سے توبہ کی فکر ہوتی ہے، صبح وشام ہر وقت مغموم نظر آتا ہے''۔

۲۹۔ ''دوست کے مقابلہ میں دشمن سے تمہیں زیادہ نیکیاں حاصل ہوتی ہیں، لوگوں نے پوچھا وہ کیسے؟ تو فرمایا کسی دوست کے سامنے جب تمہارا تذکرہ ہوتا ہے تو تمہارے حق میں دعائیں کرتا ہے اور جب دشمن کے سامنے تمہارا تذکرہ ہوتا ہے تو وہ تمہاری غیبت کرتا ہے، اس طرح بے چارہ اپنی نیکیاں دوسرے کے حصہ میں لکھ دیتا ہے، لہٰذا یاد رکھو، جب بھی تمہارے سامنے کسی دشمن کا تذکرہ ہو تو اس کے حق میں دعائے خیر کیا کرو، اس کی ہلاکت کی بددعائیں مت کرنا، اللہ تعالیٰ تمہاری دعاؤں کے صلہ میں تمہیں اجر عظیم عطا فرمائیں گے، کیونکہ جو شخص دشمن کے لیے بددعائیں کرتا ہے شیطان اس کی مراد پوری کرتا ہے، کیونکہ شیطان تو انسان کی تباہی وبربادی ہی چاہتا ہے''۔

۳۰۔ ''مومن باتیں کم اور عمل زیادہ کرتا ہے، اور منافق کام کم اور باتیں زیادہ بناتا ہے، مومن کا ہر کلام حکمت کا آئینہ دار اور خاموشی غور وفکر اور اس کی نظر سراپا درس وعبرت ہوتی ہے، اس کا ہر عمل نیکی وصلاح پر مبنی ہوتا ہے، اگر تم نے بھی اپنا شیوہ بنالیا تو تم ہر وقت عبادت کرنے والے شمار ہوگے''۔

۳۱۔ ''اللہ تعالی رزق کی طرح محبت بھی تقسیم کرتے ہیں، محبت ورزق سب اللہ کی جانب سے ہے، دیکھو خبردار کبھی حسد میں مبتلا مت ہونا کیونکہ یہ ایسی بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں، جو اللہ کی صدق دل سے عبادت کرتا ہے اللہ تعالی اسے علم وحکمت سے نوازتے ہیں''۔

حوالہ جات:

(۱) وفيات الأعيان: ٤٧/٤، سير أعلام النبلاء: ٤٢١/٨، تذكرة الحفاظ: ٢٣٥، صفة الصفوة: ١٣٤/٢، حلية الأولياء: ٨٤/٨، النجوم الزاهرة: ١٢١/٢، طبقات الصوفية للسلمي: ١٤/٦، شذرات الذهب: ٣٦١/١، تاريخ ابن عساكر: ١٢٩/١٤، ميزان الاعتدال: ٣٦١/٣۔

(۲) ضحى الإسلام: ١٥٩/١۔

(۳) تفصیلی حالات ملاحظہ کریں:: وفيات الأعيان: ٤٦٠/٣، سير أعلام النبلاء: ١٠٤/٦، البداية والنهاية: ٧٣/١٠، تاريخ بغداد: ١٦٢/١٢، مروج الذهب: ٣١٣/٣۔

(٤) زاہد ومتقی، نمونہ سلف امام الواعظین ابو العباس محمد بن العجلي القاضي الكوفي، ابن السماک کے نام سے مشہور ہیں۔ تفصیلی حالات ملاحظہ کریں: سير أعلام النبلاء: ٣٢٨/٨، وفيات الأعيان: ٣٠١/٤، صفة الصفوة: ١٠٥/٣، تاريخ بغداد: ٣٦٥/٥، الطبقات الكبرى للشعراني: ٥٢، الكواكب الدرية للمناوي: ١٦٨، شذرات الذهب: ٣٠٣/١، عبر الذهبي: ٢٨٧/١۔

(٥) تفصیلی حالات ملاحظہ کریں: تاريخ بغداد: ١٧٤/٩، حلية الأولياء: ٢٧٠/٧، صفة الصفوة: ١٣٠/٢، وفيات الأعيان: ٣٩١/٢، طبقات ابن سعد: ٤٩٧/٥، تاريخ الطبري: ١٠/١، سير أعلام النبلاء: ٤٥٤/٨۔

(٦)وفيات الأعيان لابن خلكان: ج/٢، حیات وخدمات کے لیے دیکھیں: حلية الأولياء: ٣٥٦/٦، تاريخ بغداد: ١٥١/٩، تذكرة الحفاظ: ٢٠٣، الفهرست: ٢٢٥، طبقات الشيرازي: ٢٣۔

(٧)وفيات الأعيان: ٣٢/٣، تاريخ بغداد: ١٥٢/١٠، حلية الأولياء: ١٦٢/٨، عبر الذهبي: ٢٨٠/١، تذكرة الحفاظ: ٢٧٤۔

(٨)وفيات الأعيان لابن خلكان: ٤٧/٤۔

(٩)سير أعلاء النبلاء للذهبي: ٤٤٢/٨۔

(١٠)سير أعلام النبلاء: ٤٢٨/٨-٤٣١۔

بشر الحافی رحمۃ اللہ علیہ (۱)

ان کا پورا نام ابونصر بشر بن حارث بن عبدالرحمٰن بن عطاء بن ہلال بن ہامان بن عبد اللہ ہے، بشر حافی کے نام سے مشہور ہوئے، کبار صلحاء، بڑے درجہ کے اتقیاء اور اصحاب تقوی میں شمار ہوتے ہیں۔ ''مرو'' ان کا آبائی وطن ہے، بعد میں بغداد میں سکونت پذیر ہوئے، حافی ان کا لقب ہے، اس لقب کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ ایک موچی کے پاس گئے تاکہ اس سے ایک جوتے کا تسمہ جو ٹوٹ گیا تھا خرید لیں، تو موچی نے کہا تم لوگوں کے لیے بوجھ بن گئے ہو، یہ سننا تھا کہ انہوں نے اپنا ایک جوتا جو ہاتھ میں لیے ہوئے تھا اور دوسرا جو پیر میں تھا دونوں پھینک دیے اور قسم کھائی کہ آج کے بعد کبھی جوتا نہ پہنوں گا۔

کہتے ہیں کہ ایک دن وہ معافی بن عمران (۲) کے گھر پہنچے، دروازہ پر دستک دی، اندر سے ان کی بیٹی نے پوچھا کون؟ انہوں نے جواب دیا ''بشر حافی''، تو ان کی بیٹی نے کہا: دو پیسے کا اگر جوتا خرید لیا ہوتا تو خود کو حافی کہنے کی ضرورت نہ پیش آتی۔

ان کے تائب ہونے کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے، ایک مرتبہ انہوں نے راستہ میں ایک کاغذ جس پر اللہ کا نام لکھا ہوا تھا، اٹھایا اور ایک نہر میں جا کر اسے دھویا، اس وقت ان کے پاس صرف ایک درہم تھا، جس کی قیمت پانچ دوانق تھی، چار دوانق کی انہوں نے خوشبو خریدی اور ایک دانق کا عرق گلاب اور مشک و عرق گلاب سے اس کاغذ کے ٹکڑے کو معطر کیا، پھر ایک دیوار کے سوراخ میں اسے رکھ دیا، رات ہوئی تو خواب میں دیکھا جیسے کوئی کہہ رہا ہو کہ حافی تم نے میرے نام کو معطر کیا ہے، میں دنیا و آخرت میں تمہارے نام کو معطر کروں گا، جب نیند سے بیدار ہوئے تو اپنے گناہوں سے توبہ کی۔ (۳)

علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں:۔

بشر حافی نے طلب علم کے لیے مکہ، کوفہ اور بصرہ کا سفر کیا، حضرت وکیع، عیسی بن یونس، شریک بن عبداللہ، ابومعاویہ، ابوبکر بن عیاض، حفص بن غیاث، اسماعیل بن علیہ، حماد بن زید، مالک بن انس، قاضی ابو یوسف، ابن مبارک، ہشیم، معافی بن عبدالرحمٰن، فضیل بن عیاض اور ابونعیم سے علم حاصل کیا، البتہ مسند درس پر جلوہ افروز نہ ہوئے، اس لیے ان کی روایات کی تعداد کم ہے۔(۴)

ان سے روایت کرنے والوں میں احمد دورقی، محمد بن یوسف جوہری، محمد بن مثنی سمسار، سری سقطی، عمر بن موسی جلاء اور ابراہیم بن ہانی نیساپوری زیادہ معروف ہیں۔(۵)

علامہ ابن خلکان ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

بشر حافی کی تین بہنیں تھیں، ایک کا نام مضغہ، دوسری کا محہ اور تیسری کا زبدہ تھا، تینوں زاہدہ، عبادت گذار اور اپنے وقت کی اعلی درجہ کی متقیہ تھیں، ان میں سب سے بڑی مضغہ تھیں جن کا ان کے بھائی بشر سے پہلے انتقال ہوگیا تھا، بشر حافی کو ان کے انتقال سے بڑا صدمہ پہنچا، ان کی جدائی میں خون کے آنسو بہائے، ان سے اس غم واندوہ اور گریہ وزاری کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ بندہ جب اللہ کی خدمت وعبدیت میں کمی کرتا ہے تو اللہ تعالی اسے اس کی سب سے زیادہ محبوب شئ سے محروم کردیتا ہے، میری یہ بہن مضغہ دنیا میں میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھیں۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ: ''میرے والد احمد بن حنبل کے پاس ایک عورت آئی اور سوال کیا کہ ابوعبداللہ! میں کبھی چراغ کی روشنی میں اور کبھی چراغ نہ ہونے کی وجہ سے چاند کی روشنی میں کپڑا بنتی ہوں، تو کیا میرے لیے ضروری ہے کہ میں چراغ کی روشنی میں بنے گئے کپڑے اور چاند کی روشنی میں بنے گئے

کپڑوں کے مابین امتیاز کروں، تو میرے والد نے جواب دیا کہ اگر کرسکتی ہو تو ضرور کرو، تو انہوں نے دوسرا سوال کیا کہ ابوعبداللہ! کیا مریض کی آہوں کو شکوہ وشکایت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے؟ تو والد صاحب نے فرمایا، مجھے امید ہے کہ وہ شکوہ وشکایت نہیں؛ بلکہ اللہ کے حضور فریاد ہے، پھر وہ واپس چلی گئیں۔

عبداللہ کہتے ہیں کہ میرے والد احمد بن حنبل نے مجھ سے کہا کہ بیٹے! آج سے پہلے کبھی کسی انسان کو ایسے سوالات کرتے ہوئے سنا ہے، جیسے یہ عورت کررہی تھی، ذرا اس کے پیچھے جاؤ، عبداللہ کہتے ہیں کہ میں اس عورت کے پیچھے چلا یہاں تک کہ وہ عورت بشر حافی کے گھر میں داخل ہوگئی تو میں سمجھ گیا کہ یہ عورت بشر حافی کی بہن ہیں، واپس آکر والد صاحب کو بتایا کہ وہ بشر حافی کی بہن ہیں، تو میرے والد نے کہا کہ وہ بشر ہی کی بہن ہوسکتی تھیں، کسی اور گھر کی نہیں ہوسکتیں۔

عبداللہ مزید فرماتے ہیں کہ بشر حافی کی بہن محہ والد صاحب کے پاس آئیں اور پوچھا کہ ابوعبداللہ میرے پاس دو دانق رقم ہے اس سے میں روئی خرید لیتی ہوں اور پھر اسے بُن کر نصف درہم میں فروخت کردیتی ہوں، پورے ہفتہ ایک دانق خرچ کرتی ہوں، ایک رات یہ ہوا کہ میرے قریب سے شمع بردار ایک جماعت نکلی، میں نے اس روشنی کو غنیمت سمجھا اور اس کی روشنی میں دو طاق میں نے تیار کی ہیں، مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالی مجھ سے اس کے بارے میں ضرور سوال کرے گا، تو اے عبداللہ خدا واسطے مجھے اس مصیبت سے خلاصی عطا فرمایئے، تو والد صاحب نے جواب دیا کہ تم دونوں دانق صدقہ کردو، پھر تمہارے پاس کوئی سرمایہ نہ رہے گا اور اللہ تعالی اس کے عوض تمہیں بہتر جزا عطا فرمائے گا، میں نے کہا اے ابا جان! رأس المال صدقہ کرنے کا حکم دیتے تو بہتر ہوتا، تو والد صاحب نے فرمایا کہ بیٹے اس کے سوال میں تاویل کی گنجائش

نہ تھی، یہ عورت کون ہے؟ میں نے کہا بشر حافی کی بہن ہیں، تو والد صاحب نے فرمایا کہ اس لیے میں نے یہ جواب دیا ہے''۔(۶)

ابراہیم حربی (۱۹۸-۲۸۵)(۷) کہتے ہیں:۔

بغداد میں بشر حافی جیسا ذہین وعقلمند اور زبان کی حفاظت کرنے والا انسان نہ پیدا ہوا، لوگوں نے پچاس سال تک اس کے نقش قدم کی پیروی کی، لیکن اس پوری مدت میں کبھی ایک لفظ کسی مسلمان کی غیبت میں نہ سنا، میں نے ان سے زیادہ بہتر انسان نہیں دیکھا۔

وہ مزید کہتے ہیں:۔

اگر بشر حافی کی دانائی اہل بغداد پر تقسیم کردی جائے تو سب عقلمند ہو جائیں۔

احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے انتقال کی خبر دی گئی تو انہوں نے کہا:۔

واللہ مرنے والا فرد فرید تھا، یکتائے دہر تھا۔

ایک شخص بشر حافی کے پاس آیا، ان کی پیشانی کا بوسہ لیا اور ان سے گفتگو کرتے ہوئے ''جناب والا، میرے آقا، ابونصر'' جیسے تعظیمی کلمات استعمال کیے، جب وہ شخص واپس ہوگیا تو بشر حافی نے اپنے رفقاء سے کہا کہ ایک شخص نے محض بھلائی اور خیر کی وجہ سے دوسرے سے اپنی محبت کا اظہار کیا، اس سے محبت کی، عاشق تو یقیناً نجات حاصل کرلے گا، محبوب کا پتہ نہیں کہ اس کا حال کیا ہوگا؟۔

محرم ۲۲۷ھ میں بشر حافی کا انتقال ہوا۔

بشر حافی کے حکیمانہ اقوال

(۱) مومن کا زاد راہ اخفاء حال اور لوگوں کی نظروں سے بچنا ہے۔

(۲) اللہ نے مجھے دنیا میں شہرت عطا کردی، کاش قیامت کے دن رسوائی کا منھ

نہ دیکھنا پڑے، مجھ جیسے لوگ کتنے بدتر ہیں، لوگ میرے تعلق سے کیا کیا خیالات رکھتے ہیں، حالانکہ میں ان کے گمان کے برعکس ہوں، مجھے تو ان کی توقعات سے کہیں بڑھ کر ہونا چاہئے تھا، میں مرنا نہیں چاہتا، حالانکہ موت کو وہی ناپسند کرتا ہے جس کے دل میں شک اور کھٹک ہو، اے کاش کہ میں شک اور وساوس کی وجہ سے موت کو ناپسند نہ کرتا۔

(۳) کسی شخص نے بشر حافی سے پوچھا کہ آپ بڑے مغموم ومتفکر رہتے ہیں تو انہوں نے کہا: مجھے غم وفکر کیوں لاحق نہ ہو، میں ہی تو مطلوب ہوں۔

(۴) بشر حافی کہتے ہیں: بھوک سے دل میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے اور گہرا علم حاصل ہوتا ہے، مبارکباد کے مستحق ہیں وہ جنہوں نے غیبی وعدوں کی امید میں موجودہ لذتوں کو خیرآباد کہہ دیا ہو۔

(۵) وہ فرماتے ہیں: ''موت کی یاد سے دل کی آرزوں کو صیقل کیا کرو''۔

(۶) دنیادار عالم کی سزا یہ ہے کہ اس کی بصیرت چھین لی جاتی ہے۔

(۷) جو دنیا کا طلب گار ہو اسے رسوائی کے لیے تیار رہنا چاہئے۔

(۸) حدیث کی زکوۃ ادا کیا کرو، دوسو احادیث میں سے پانچ احادیث پر عمل کرو، یہی اس کی زکوۃ ہے۔

(۹) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ وہی انجام دے سکتا ہے جو اذیتوں پر صبر کرنا جانتا ہو۔

(۱۰) اگر لوگوں کو اللہ کی عظمت وکبریائی کا خیال ہوتا تو کبھی نافرمانی نہ کرتے۔

(۱۱) مومن کی سربلندی کا راز، لوگوں سے بے نیازی ہے، اور شرف وعزت کا راز شب زندہ داری ہے۔

(۱۲) اپنے ذریعہ معاش کی نگرانی رکھو، اور اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ۔

(۱۳) علم اور طلب علم کے سلسلہ میں انہوں نے فرمایا کہ اگر علم حاصل

کر کے عمل نہیں کرنا تو علم حاصل نہ کرنا بہتر ہے کیونکہ علم نام ہے عمل کا، اگر علم کی بدولت تم اللہ کے مطیع وفرمانبردار ہوتو عالم کہلانے کے مستحق ہو، ورنہ درحقیقت عالم نہیں جاہل ہو۔

(۱۴) صبر ہی خاموشی ہے اور خاموشی ہی صبر ہے، کوئی بھی بات کرنے والا کسی خاموش رہنے والے سے زیادہ متقی نہیں ہوسکتا، سوائے اس عالم کے جو بات کرنے کی جگہوں میں بات کرے اور خاموشی کے مواقع پر خاموش رہے۔

(۱۵) لوگوں کی ملامت کے خوف سے کبھی کچھ مت خرچ کرنا۔

(۱۶) اپنی اچھائیاں ویسے ہی چھپاؤ جیسے برائیاں چھپاتے ہو۔

(۱۷) جب بات کرنے کو جی چاہے تو خاموشی اختیار کرو اور خاموشی کو دل چاہے تو بات کرو۔

(۱۸) جو معرفت خداوندی سے محروم ہو اسے عبادت میں لذت وسرور حاصل نہیں ہوتا اور اعمال کے ثواب کا اندازہ نہ ہوتو عبادتیں اس پر بوجھ بن جاتی ہیں، جسے دنیا میں حقیقی زہد حاصل ہوگیا، دنیا کے بوجھ اور ذمہ داریاں ہلکی ہوجاتی ہیں، جسے دنیا میں خوش رہنا آگیا اس نے بلند مراتب حاصل کرلیے۔

ان کی جانب چند اشعار بھی منسوب کیے جاتے ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

ولیس من یروق لي دینه

یغرني ما صاح تبریقه

من حقق الإیمان في قلبه

یوشک أن یظهر تحقیقه

ترجمہ:

کوئی شخص ایسا نہیں جس کا دین مجھے بہتر لگے، اس کی ظاہری چمک دمک سے

فریب کھا جاتا ہو، یقیناً جو انسان اپنے قلب میں ایمان کو راسخ کر لے عنقریب اس کے حقائق وتجلیات جلوہ گر ہو جائیں گی۔

کہتے ہیں:

أقسم بالله لرضخ النوى
وشرب ماء القلب الكالحة
أعز للإنسان من حرصه
ومن سؤال الأوجه الكالحة
فاستغن باليأس تكن ذا غنى
مغتبطاً بالصفقة الرابحة
اليأس عز والتقى سؤدد
ورغبة النفس لها فاضحة
من كانت الدنيا به برة
فإنها يوماً له ذابحة

اور کبھی فرماتے ہیں:

خلت الديار فسدت غير مسود
ومن الشقاء تفردي بالسؤدد

کبھی کہتے ہیں:

قطع الليالي مع الأيام في حلق
والنوم تحتت رواق الهم والقلق
أحرى وأعذر لي من أن يقال غداً
إني التمست الغنى من كف مختلق

قالوا: رضيت بذا قلت: القنوع غنى
ليس الغنى كثرة الأموال والورق
رضيت بالله في عسري وفي يسري
فلست أسلك إلا واضح الطرق

بشر حافی کے خطوط کے نمونے:

علی بن خشرم (۸) فرماتے ہیں کہ ابونصر بشر بن حارث نے مجھے لکھا!
حمد وسلام کے بعد! خدا سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اور تمہیں اپنی نعمتوں سے مالا مال کرے اور ان نعمتوں اور احسانات کا شکر ادا کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے، خدا کرے کہ اسلام کے ساتھ زندگی نصیب ہو اور جب موت آئے تو خاتمہ اسلام پر ہو، حق تعالیٰ شانہ ہر نقصان کا بدل اور ہر تکلیف کا صلہ عطا فرمائے، اے علی! میں تمہیں تقوی کی وصیت کرتا ہوں، یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تابعداری کرتے رہنا، اس کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رہنا، سلف صالحین کے طریقہ پر چلنا، انہوں نے ہی راہ اسلام واستقامت ہمارے لیے ہموار کی ہے، لہٰذا ان کی زندگی کو اپنے لیے نصب العین بنالینا، ان کی زندگی کو معیار بنا کر اپنی زندگی کا جائزہ کثرت سے لیتے رہنا، یہ تمہارے لیے خلوتوں کی انیس ورفیق ثابت ہوگی اور جلوتوں اور یار باشیوں سے تمہیں بے نیاز کردے گی، ان کے حالات زندگی ایسے ہوں کہ جیسے تم ان کا مشاہدہ کر رہے ہو، کیونکہ اصحاب رسول کی صحبت ورفاقت مردوں کی صحبت ورفاقت سے بہتر ہے، کیونکہ کچھ لوگ تمہاری لغزشوں اور خامیوں کی تاک میں رہتے ہیں، اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتے تو تمہیں اپنا جلیس ومصاحب بنالیتے ہیں، اس طرح جب کوئی عیب یا برائی تم میں دیکھ لیتے

ہیں تو طرح طرح کی الزام تراشیاں کرتے ہیں، یاد رکھو! (اللہ تمہیں خیر وفلاح سے نوازے) تمہاری عمر کا اکثر حصہ گذر چکا، نیک لوگ دنیا سے رخصت ہو گئے، عنقریب تم بھی ان سے جا ملو گے، یاد رکھو! تم مطلوب ہو لہٰذا اپنے طالب کو پریشان وعاجز مت کرو، تم اس کے اسیر ومحکوم ہو، پوری مخلوق اس کی عظمت وکبریائی کے سامنے ہیچ ہے، ہر ایک اس کا محتاج ہے، چنانچہ محبین اور عقیدت مندوں کی کثرت سے فریب مت کھانا، اللہ سے ایسے ہی گڑگڑا کر اور عاجزی سے مانگو جس طرح ایک کم حیثیت والا زبردست اور حیثیت والے شخص کے سامنے اور فقیر مالدار کے سامنے گرگڑاتا ہے، یا اس قیدی کی طرح جسے کہیں اماں نہ ملے، ٹھکانہ نہ ملے اور اپنے جرم سے خائف ہو اور جو کر رہا ہو اس سے غیر مطمئن، لیکن مایوس نہیں ہوتا، دعائیں کرتا رہتا ہے، فتنوں اور آزمائش سے مامون نہیں ہوتا، اس حالت میں اگر اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھے گا تو امید ہے کہ تم پر رحم فرمائے، فضل وکرم کا معاملہ فرمائے، تمہاری مدد فرمائے اور تمہیں اپنے عفو وکرم کے سایہ میں لے لے، لہٰذا مصائب وآفات میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرو، اسی سے مدد مانگو، اگر تم نے ایسا کیا تو اس کا قرب حاصل ہوگا، اسے اپنے والدین سے زیادہ شفیق ورحم دل پاؤ گے اور اپنی جان سے بھی زیادہ قریب، توفیق اللہ ہی دیتا ہے، اسی سے مانگتا ہوں، وہی بہترین نوازنے والا ہے ہمکو بھی اور تمکو بھی۔

اے علی! یہ بات ذہن نشین کرلو کہ جس انسان کی شہرت وناموری کے ذریعہ آزمائش ہوتی ہے، وہ بہت سخت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت وآزمائش کا علاج ہمارے لیے یہ تجویز کیا ہے کہ ہم اور آپ اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی کو تسلیم کریں، اس کی بارگاہ عظمت وجلال میں خشوع وخضوع اور ابتہال وتضرع کے ساتھ جبہ سائی کریں اور اللہ تعالیٰ اس کے فتنہ اور برے انجام سے ہماری اور آپ کی حفاظت فرمائے؛ کیونکہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقربین بارگاہ اولیاء اور جسے توفیق ارزانی کرے، ان سے اس کا وعدہ فرمایا ہے، لہٰذا تمہاری استطاعت کے اعتبار سے جو امر زیادہ آسان اور سہل ہے، اسے اختیار کرو یعنی پروردگار حقیقی کو راضی کرو اور کبھی لوگوں کی تعریف یا ان کی تنقیص سے دل کو متاثر مت ہونے دینا اور نہ ان کی مدح سرائی یا تنقید پر اعتماد کرنا، کیونکہ جس کسی نے بھی اس پر اعتماد کیا، اس کی ہلاکت یقینی ہے، دلوں کو نور ایمان سے فروزاں رکھنا ہر زمانہ کے اصحاب صدق وصفا کا شیوہ رہا ہے، یاد رکھیے آج آپ یہاں مُردوں کے مقام اور زندوں کے مدفن پر ہو جو آخرت سے غافل ہو گئے اور جن کے اعمال وآثار مٹ چکے ہیں، یہ تمھارے زمانہ کے لوگ ہیں، لہٰذا جس جگہ نور الٰہی کی روشنی نہ ہو اور جہاں کتاب خدا کی بالادستی نہ ہو ان جگہوں سے بچو اور جو تمھارے ساتھ نہ ہو، ان کی پرواہ مت کرو اور ان کے ساتھ نہ ہونے پر افسوس مت کرو، یاد رکھیئے ان کی قربت کے مقابلہ میں ان کا بعد تمھارے حق میں زیادہ بہتر ہے، اللہ تمھارے حق میں کافی وکارساز ہے، لہٰذا اسے اپنا مونس وہمدم سمجھو، اور ان لوگوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات برحق کو نعم البدل سمجھو، اپنے زمانہ کے لوگوں سے خبردار رہو، خوش گمانی یا بدگمانی میں مبتلا رہنے والوں کے ساتھ زندگی کے کوئی معنی نہیں، اپنی فکر رکھنے والے کسی بھی عقلمند انسان کے نزدیک اپنے معاصر کی ترقی واقبال کے مقابلہ میں کوئی ترقی واقبال اور شہرت مبغوض نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ اگر ایسے شخص کا تمہیں تقرب حاصل ہو تو فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے اور اگر دوری اختیار کرو گے تو بھی آزمائشوں کا خطرہ ہے، یاد رکھیئے کہ زندگی کے بالمقابل گمنامی وعزلت نشینی بہرحال بہتر وباعث عافیت ہے، اگر کوئی شخص برائی سے نجات چاہتا ہے تو اسے فتنہ وآزمائش سے مامون ہونا چاہئے کیونکہ اس سے نجات نہیں ہے، اگر آپ نے ان کو اپنے اوپر کچھ بھی غلبہ عطا کیا تو وہ تمہیں گناہ گار بنا کر چھوڑیں گے اور اگر ان سے دوری بنائی تو تمہیں شریک ٹھہرالیں گے، میرا عقیدہ یہ ہے کہ آج کے

زمانہ میں فضل وکمال خلوتوں میں ہے، کیونکہ سلامتی وتحفظ وہیں فراہم ہے، اور خود گناہوں سے سلامتی خود بڑا کمال ہے، لہٰذا گناہوں سے کانوں اور نگاہوں کو محفوظ کر لیجئے، بدگمانی سے احتراز کرئے، کیونکہ یہ اللہ رب العزت کا حکم ہے "إن بعض الظن إثم" والسلام۔

فرماتے ہیں:

اگر کسی موقع ومقام پر دنیا کی کوئی ضرورت وابستہ ہو تو وہاں تقرب کی نیت سے حدیث مت بیان کرو اور دنیا کے سیاق میں علم کا تذکرہ مت کرو، میں نے متعدد ایسے مشائخ کو دیکھا ہے جنہوں نے دنیا کی خاطر علم حاصل کیا اور انجام کار رسوائی ان کا مقدر بنی اور کئی ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنے علم کا صحیح استعمال کیا، اس پر عمل کیا، اس کے تقاضوں کو پورا کیا، اس کی قدر کی، تو وہ رسوائی وحرمان نصیبی سے محفوظ رہے اور اللہ تعالی نے ان کے علم کو ان کے حق میں مفید بنایا، تم نے اگر کوئی علم ومعلومات صحیح جگہ سے حاصل کی ہوں اور پھر تمہیں معلوم ہو کہ کوئی شخص اس کے برخلاف بات کر رہا ہے تو اس سے قطعاً مباحثہ مت کرو، کیونکہ اس سے تمہیں فائدہ حاصل نہ ہوگا، اپنے علم کے مطابق اپنے فائدہ کی خاطر عمل کرتے رہو، میں نے ایسے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے جن کے پاس علم تو زیادہ نہیں تھا؛ لیکن انہوں اپنے علم کے مطابق عمل کیا تو یہ ان کے لیے مفید بنا اور ایسے بھی لوگ ہیں جن کے پاس علم کی وافر مقدار تھی؛ لیکن عمل نہ تھا تو ان کو کوئی فائدہ نہ حاصل ہو سکا۔(۹)

حوالہ جات:

۱۔صفة الصفوة: ۱۸۳/۲، حلية الأولياء: ۳۳٦/۸، وفيات الأعيان: ۲۷٤/۱، سير أعلام النبلاء: ٤٦۹/۱۰، طبقات الصوفية: ۳۹، تاريخ

بغداد:٦٧/٧، طبقات الأولياء: ١٠٩، شذرات الذهب: ٦٠/٢، النجوم الزاهرة:٢٤٩/٢، تهذيب التهذيب: ٤٤٤/١، البداية والنهاية: ٢٩٧/١٠، مرآة الجنان:٩٢/٩، شرح الرسالة القشيرية: ٩٨/١، طبقات الشعراني: ٨٤/١۔

۲۔۱۲۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۵ھ میں وفات ہوئی اور ایک قول کے مطابق ۱۸۴ھ میں اور ایک دوسرے قول کے مطابق ۱۸۶ھ میں وفات ہوئی، تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: تاریخ بغداد:۲۲۶/۱۳، طبقات ابن سعد:۴۸۷/۷، سیر اعلام النبلاء: ۸۰/۹، تذکرۃ الحفاظ:۲۸۷/۱، النجوم الزاھرۃ:۱۱۷/۲، شذرات الذھب:۳۰۸/۱۔

۳۔وفیات الأعیان لابن خلکان، ۲۷۵/۱، دار صادر، بیروت، ۱۹۷۸ء۔

۴۔ صفۃ الصفوۃ۔

۵۔سیر أعلام النبلاء۔

٦۔وفیات الاعیان:۲۷۷/۱۔

۷۔ شیخ الاسلام ابو اسحاق ابراہیم بن اسحاق بن ابراہیم بن بشیر بغدادی حربی، صاحب تصانیف ہیں، تفصیلی حالات زندگی کے ملاحظہ کریں:۔ تاریخ بغداد:۳۸/٦، طبقات الحنابلۃ:۸٦/۱، معجم الادباء:۱۱۲، البدایۃ والنھایۃ:۷۹/۱۱، طبقات السبکی:۲۵٦/۲، سیر اعلام النبلاء:۳۵٦/۱۳۔

(۸) امام حافظ ابن عبد الرحمٰن بن عطاء بن ہلال، ۱٦۰ھ میں پیدا ہوئے، یہ بشر الحافی کے بھانجے ہیں، حالات زندگی کے لیے ملاحظہ کریں: سیر اعلام النبلاء:۵۵۳/۱۱، تہذیب التھذیب:۳۱٦/۷۔

(۹)۔حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء۔

(۱)

حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ

۱۶۵-۲۴۳ھ

اسم گرامی ابوعبداللہ حارث بن اسد محاسبی ہے، ولادت بصرہ میں ہوئی، بغداد میں سکونت پذیر رہے اور وہیں سانحہ وفات پیش آیا، آپ کا شمار اصحاب زہد وتقوی میں ہوتا ہے، محاسبی کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کثرت سے اپنے نفس کا محاسبہ فرمایا کرتے تھے۔

روایت حدیث میں آپ کے استاد یزید بن ہارون (۲) اور ان کے طبقہ کے محدثین ہیں، امام شافعیؒ (۳) سے بھی شرف تلمذ حاصل ہے اور آپ کے شاگردوں میں ابوالعباس بن مسروق، احمد بن حسن بن عبدالجبار صوفی اور شیخ الاولیاء حضرت جنید بغدادی اور ایک جم غفیر ہے۔ حضرت جنید اور آپ کے بہت سے لطائف ودلچسپ واقعات تاریخ وتذکرہ کی کتابوں میں موجود ہیں، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

> حارث محاسبی (اللہ ان پر رحم فرمائے) بڑے عابد، زاہد، صوفی، فقیہ، اصولی، متکلم، نگاہوں کو اشکبار کرنے والے واعظ اور محدث وراوی تھے، اللہ نے زبان وبیان کی ایسی مہارت اور قوت تعبیر عطا فرمائی تھی کہ وہ کسی بھی موضوع پر گفتگو فرماتے، خواہ وہ موضوع ترغیب کا ہوتا یا ترہیب کا، ایسا محسوس ہوتا جیسے تم خود اپنی نگاہوں سے دیکھ رہے ہو، اور براہ راست تمہارا دل اسے محسوس کر رہا ہو، گفتگو کے اختتام سے پہلے مخاطب ان کی مدلل گفتگو سے مطمئن ہوجاتا اور دل میں یقین راسخ ہوجاتا، ان کا کلام سراپا خیر ونصیحت ہوتا۔

وعظ وارشاد کے موضوع پر ان کی بہت سی کتابیں ہیں، مثلاً "الرعایۃ لحقوق

اللّٰہ " اور "التوھم"۔ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب "إحیاء العلوم "میں ان دونوں سے کافی استفادہ کیا ہے۔ شیخ تاج الدین سبکیؒ نے "طبقات الشافعیه الکبری "میں ان کی کتابوں کی تعداد دوسو/۲۰۰ ذکر کی ہے، ان میں اکثر زہد، تزکیہ، سلوک، احسان، اصول دین، معتزلہ وروافض کے رد میں ہیں، تزکیہ واحسان اور تصوف وسلوک کے موضوع پر تو مصادر کی حیثیت رکھتی ہیں، ہر ایک نے حتی کہ امام غزالی علیہ الرحمہ نے بھی تصوف کے موضوع پر ان سے استفادہ کیا ہے۔

امام مناویؒ نے "الکواکب الدریة فی تراجم السادة الصوفیة" میں حارث محاسبی کے تذکرہ میں تمیمی کا قول نقل کیا ہے کہ:۔

وہ فقہ، تصوف، حدیث اور فن کلام میں مسلمانوں کے امام ہیں۔

امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔

وہ علم کے معاملہ میں حبر الامۃ کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کو نفسانی عیوب اور اعمال کو اکارت کردینے والے اسباب بیان کرنے اور اسرار عبادت کے باب میں تمام علماء وباحثین پر تفوق وبرتری حاصل ہے، ان کا کلام اس کا مستحق ہے کہ اسے من وعن بیان کیا جائے۔

ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری متوفی ۴۶۵ھ نے "الرسالة القشیریة" میں حارث محاسبی کا تذکرہ کرتے ہوئے ابوعبداللہ بن حنیف کا قول نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:۔

ہمارے مشائخ میں سے پانچ لوگوں کو اپنا مقتدیٰ بنالو اور بقیہ مشائخ کے احوال وکوائف کو ان پر چھوڑ دو، حارث بن اسد محاسبی، جنید بن محمد، ابومحمد بن رویم بن احمد بغدادی (۴) متوفی ۳۰۳ھ، ابوالعباس احمد بن محمد بن سہل بن عطاء (۵) متوفی ۳۳۹ھ، عمرو بن عثمان مکی (۶)، کیونکہ یہ حضرات علم وحقائق دونوں کے جامع تھے۔

حکیمانہ اقوال:

''ہر شی کا جوہر ہوتا ہے، انسان کا جوہر اس کی عقل ہے اور عقل کا جوہر توفیق ہے، دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں عقل کا جوہر صبر و برداشت ہے''۔

''حسن اخلاق کے معنی یہ ہیں کہ اذیت برداشت کرے، غصہ بالکل نہ آئے، چہرہ پر مسکراہٹ ہو اور گفتگو عمدہ ہو''۔

''ہر زاہد کو اس کی معرفت کی بقدر ہی زہد حاصل ہوتا ہے اور معرفت اس کی عقل کی بقدر اور عقل اس کی ایمانی قوت کی بقدر''۔

''عبودیت و بندگی کی تعریف یہ ہے کہ تم دنیا میں خود کو کسی چیز کا مالک نہ سمجھو اور تمہیں یاد رہے کہ تم کسی نفع و ضرر کے مالک نہیں''۔

''جو اللہ تعالی کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ درحقیقت خود اس نعمت کے زوال کا سبب بنتا ہے''۔

''ظالم شخص کی لوگ کتنی ہی تعریف کریں اسے ندامت و شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے اور مظلوم کی لوگ خواہ کتنی ہی مذمت کریں وہ محفوظ رہتا ہے، قناعت شعار بھوکا رہ کر بھی مالدار ہے، اور حریص دولتمند ہو کر بھی محتاج رہتا ہے''۔

رسالۃ المسترشدین سے چند نمونے

''کتاب اللہ کا حق یہ ہے کہ اس کے احکامات پر عمل ہو، اللہ کے گرفت کا خوف، اس کے وعدوں پر اعتماد اور قرآن کے متشابہات پر یقین کامل ہو، اس میں بیان کردہ قصص وامثال سے سبق حاصل کیا جائے، اگر آپ نے قرآن کے ان حقوق کا خیال رکھا تو امید ہے کہ جہالت و نادانی کی شب تاریک چھٹ جائیگی اور علم و معرفت کا آفتاب طلوع ہوگا، شک

وتردد کی اذیت کے بجائے روحانی اطمینان وسکون کی دولت نصیب ہوگی، اللہ رب العزت کا ارشادگرامی ہے: "الله ولي الذين آمنوا يخرجهم من الظلمات إلى النور"۔

صبر کے تعریف اوراس کی اہمیت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''ایمان میں صبر کو وہی حیثیت حاصل ہے جوایک انسانی جسم میں سر کو حاصل ہوتی ہے، اگر اسے کاٹ دیا جائے تو پورا جسم بیکار ہوجاتا ہے، اپنی عزت وآبرو اور کردار کے تعلق سے اگر کوئی غصہ دلانے والی بات سنو، تو غصہ مت ہونا، بلکہ عفوودرگذر سے کام لینا، کیونکہ درحقیقت یہی عزیمت ہے''۔

فرماتے ہیں کہ ''ترک تدبیر کے سلسلہ میں عقل کا استعمال کرو اور تقدیر کے مسئلہ میں صرف اور صرف اللہ تعالی سے مدد چاہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''اے ابن آدم! مالداری کی حالت میں فخر ومباہات مت کرنا اور حد اعتدال سے آگے مت بڑھنا اور فقر وافلاس کی صورت میں رحمت خداوندی کا دامن ہاتھ سے مت جانے دینا، حوادث دہر سے مغموم ورنجور مت ہوجانا اور خوشحالی تمہارے لیے کبر ونخوت کا باعث نہ بنے ؛ کیونکہ سونا ہی درحقیقت آگ میں تپایا جاتا ہے اور نیک وصالح انسان ہی آزمائشوں کا شکار ہوتا ہے''۔

''ظالموں کے ساتھ عفوودرگذر اور حرماں نصیبوں اور بیکسوں کے ساتھ فیاضی کا معاملہ کرو، محض اللہ کی رضا جوئی اور محض اللہ کے خوشی کے لیے اپنے دوستوں اور رفقاء کے ساتھ ایثار کا معاملہ کرو، اپنا مال احباب پر خوشدلی کے ساتھ خرچ کرو، اپنے دینی بھائی کے حقوق کا پاس ولحاظ کرو، کوئی بڑی سی بڑی نیکی تمہاری نگاہوں میں بڑی نہ ہونی چاہئے اور چھوٹی سی چھوٹی برائی کو معمولی مت سمجھنا''۔

''علم کو وسیلۂ زینت بنانے سے اتنا ہی گریز ہو جیسے اپنے کارناموں پر فخر سے اجتناب کرتے ہو، کوئی ایسی باطنی خوبی جس پر ظاہری علم کا شائبہ ہو اس سے اجتناب کرنا''۔

''عمر کو تین مراحل میں تقسیم کردو، پہلا مرحلہ تحصیل علم کے لیے خاص ہو اور دوسرا

مرحلہ اس سے حاصل کردہ علم پر عمل کے لیے خاص ہو اور تیسرا مرحلہ نفس کے تقاضوں اور حقوق انسانی کی ادائیگی کے لیے خاص ہو۔ اسلاف کی زندگیوں سے سبق حاصل کرو اور ان دو گروہوں کے جو اللہ کے سامنے پیش ہونگے، حالات تمہارے ذہن میں مستحضر رہیں، ایک گروہ وہ ہے جس کو اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی اور جنت میں داخلہ کے حقدار ہونگے اور دوسرا گروہ اللہ کو ناراض کرنے کی وجہ سے دوزخ کا سزاوار ہوگا۔ تمہیں ہر وقت یاد رہے کہ اللہ تم سے کتنا قریب ہے، وہ فرشتے جو ہر وقت تمہارے ساتھ ہیں اور تمہارے اعمال کی نگہداشت ان کے سپرد ہے ان کا اکرام کرو"۔

"دبستان علم وادب سے علم حاصل کرو اور خلوت وعزلت نشینی سے انسیت حاصل کرو، نفس کی پیچ در پیچ تنگنائیوں میں حیا کا دامن ہاتھ سے مت جانے دو، فکر وخیال کی وادیوں میں عبرت ونصیحت کا حصول تمہارا مقصود ہونا چاہئے، خوف وخشیت کے مرغزاروں میں حکمت ومعرفت کا اکتساب کرو"۔

"یہ ذہن نشین رہے کہ تمہاری نافرمانیوں کے باوجود اللہ کے احسان کا معاملہ تمہارے ساتھ کیا ہے، تمہاری بے حیائی کے باوجود وہ کس قدر تمہاری ستر پوشی کرتا ہے، تم اس کے کتنے محتاج اور وہ تم سے کتنا بے نیاز ہے"۔

"ہے کوئی جسے اس کی معرفت حاصل ہو، ہے کوئی جسے اپنے گناہوں کا خوف ہو، ہے کوئی جسے اس کے قرب سے خوشی وشادمانی ہوتی ہو، اے فریب خوردہ انسان وہی ذات مقدس ہے، غفور ورحیم ہے، تمہاری بے اعتدالیوں اور انسانیت کی قبائیں چاک کردینے کے باوجود کیا یہ سمجھتے ہو کہ اللہ ان سب باتوں سے واقف نہیں!"۔

"یاد رکھو! جس طرح دن کی روشنی سے اندھے کا کچھ بھلا نہیں ہوتا، اسی طرح علم ومعرفت کے قمقموں سے صرف اہل تقوی ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں، غیر اہل تقوی نہیں، دواؤں کا اثر مردوں پر نہیں ہوتا، اسی طرح علم وادب کے اثرات مدعیان ادب میں ظاہر

نہیں ہوا کرتے، جس طرح سخت چٹانوں میں موسلا دھار بارش سے سبزہ نہیں اگتا، ٹھیک اسی طرح دنیا پرستوں کے دل میں حکمت کا شجر نہیں لگایا جا سکتا''۔

''جو خواہشات نفس کا اسیر ہو اسے بے حیا کہتے ہیں، جو علمی دلائل کی مخالفت کرے اس کے جہل میں اضافہ ہو جاتا ہے، جو خود اپنا علاج نہ کر سکتا ہو وہ دوسروں کا کیا علاج کرے گا''۔

''یاد رکھو! دنیا میں جسمانی راحت و آرام اور قلبی اطمینان کی زندگی زاہدین کو حاصل ہوتی ہے اور دنیادار طبقہ کو سب سے زیادہ پریشانیوں اور مشقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، زاہدانہ اخلاق و عادات کی تحصیل کا سب سے بہتر طریقہ دنیا کی امیدوں سے قطع تعلقی ہے''۔

امیدیں جب بڑھیں حد سے طلسمی خواب ہیں زاہد
نہ بھاگا جائے ہے ان سے، نہ چھوڑا جائے ہے ان کو

دل اور اہل دل:

حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے انسانی جسم میں دل کی اہمیت اور دل کی مختلف کیفیات کا تذکرہ کیا ہے، سب سے پہلے انہوں نے ایک حدیث پیش کی، اس کے بعد انہوں نے لکھا ہے، قلب کے تعلق سے بہت سی روایات ہیں، ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "إن من المؤمنين من يلين له قلبي" (مومن کامل وہ ہے جو نرم دل ہو اور اس میں میری خشیت ہو) [مسند احمد]۔

''حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: دل مختلف کیفیات سے دوچار ہوتا ہے، کبھی شوق و جذبہ اور خواہش پیدا ہوتی ہے اور کبھی فتور اور بے رغبتی، چنانچہ جب دل میں کسی کام کا جوش و جذبہ پیدا ہو تو اسے غنیمت سمجھو اور جب فتور و سستی ہو تو اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دو''۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: دل آئینہ کے مماثل ہے، آئینہ اگر بہت دیر تک ہاتھ میں رہے تو اسے زنگ لگ جاتا ہے اور دل ایک جانور کی طرح ہے اگر اس سے غفلت برتی جائے تو وہ کمزور ہو جاتا ہے"۔

"بعض حکماء کہتے ہیں کہ دل کی مثال اس گھر کی سی ہے جس میں چھ دروازے ہیں اور پھر تم سے کہا جائے کہ ان میں سے کسی سے کوئی بھی اندر نہ آنے پائے، دل درحقیقت ایک گھر ہے، اور اس کے دروازے زبان، آنکھ، کان، ناک، دونوں ہاتھ اور دونوں پیر ہیں، ان میں سے کوئی دروازہ اگر بے خیالی میں کھل گیا، تو سمجھ لو کہ وہ گھر منہدم ہو گیا، چنانچہ ان کی کچھ ذمہ داریاں ہیں، زبان کی ذمہ داری یہ ہے کہ خوشی وغم اور غصہ ہر حالت میں اس سے سچائی کا صدور ہو، خلوت وجلوت میں دوسروں کی ایذا رسانیوں سے محفوظ ہو، لوگوں کے سامنے خیر کو شر، اور شر کو خیر بنا کر نہ پیش کرتی ہو"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص اپنی زبان اور شرم گاہ کی حفاظت کی ضمانت لے لے، میں اس کے لیے جنت کی ضمانت لیتا ہوں"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا "لوگ جہنم میں اوندھے منہ صرف اپنی غلط زبانی کے سبب گریں گے"۔(۶)

"نگاہ کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ محرمات سے بچے، بے پردگی وعریانیت اور بے حیائی سے بچے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے، خوف خداوندی کے سبب جو اس سے محفوظ رہا اللہ تعالی اس کے ایمان میں وہ حلاوت عطا فرمائیں گے جس کا اثر دل میں محسوس ہوگا"۔

"انسان کی سماعت کو اس کی زبان اور نگاہ کے تابع ہونا چاہیے، ہر وہ چیز جس میں گفتگو مناسب نہ ہو، یا دیکھنا مناسب نہ ہو، اس سے کانوں کو لذت فراہم کرنا بھی جائز نہیں"۔

"اور انسان کی ناک کو اس کے کان اور نگاہوں کا تابع ہونا چاہیے، کیونکہ جس

چیز سے فائدہ اٹھانا اور دیکھنا جائز نہیں اس کا سونگھنا بھی جائز نہیں، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے یہاں ایک مرتبہ مشک آئی تو انہوں نے اپنی ناک پر کنٹرول کیا، جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا، خوشبو سے فائدہ تو ناک ہی کے ذریعہ اٹھایا جاتا ہے"۔

"ہاتھ اور پیر کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ناجائز چیزوں کی طرف نہ بڑھیں اور حق کے سلسلہ میں کوتاہ نہ ثابت ہوں"۔(۷)

حوالہ جات:

(۱)۔رسالة المسترشدين للمحاسبي، تحقيق: عبد الفتاح أبو غده، صفة الصفوة:۲/۲۰۷، حلية الأولياء:۱۰/۷۳، طبقات الشافعية الكبرى للسبكي: ۲/۲۷۵، تهذيب التهذيب: ۲/۱۳٤، تاريخ بغداد: ۸/۲۱۱، ميزان الاعتدال: ۱/٤۳۰، وفيات الأعيان: ۲/۵۷، الأعلام للزركلي، طبقات الشعراني: ۱/٦٤، النجوم الزاهرة:۲/۱۰۳، شذرات الذهب:۱/۱۰۳، الكواكب الدرية: ۱/۲۱۸، الرسالة القشيرية، ص:۳۵۸، مرآة الجنان:۲/۳٦۸۔

(۲)۔یہ یزید بن ھارون بن زاذی السلمی ہیں، علوم وفنون کے امام وماہر تھے، عمل میں حجت اور ثقہ تھے، حافظ حدیث تھے اور ضبط واتقان میں ممتاز تھے۔ تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ کریں: تاریخ بغداد:۱۴/۳۳۷، سیر أعلام النبلاء:۹/۳۵۸، التاریخ الکبیر:۸/۳٦۸۔

(۳) یہ امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس ہیں، ان کے حالات زندگی پر ایک کتب خانہ موجود ہے، چند اہم مراجع یہ ہیں: البدایۃ والنھایہ:۱۰/۲۵۱، طبقات السبکی: الجزء الاول، وفیات الاعیان:۴/۱٦۳، سیر اعلام النبلاء:۱۰/۵، معجم الادباء:۱۷/۲۸۱، تاریخ بغداد: ۲/۵٦، حلیۃ الاولیاء:۹/٦۳، طبقات الحنابلۃ:۱/۲۸۰، طبقات الفقھاء للشیرازی:۴۸، تاریخ ابن عساکر:۴/۳۹۵، مناقب الشافعی للرازی، صفۃ الصفوۃ:۲/۱۴۰۔

(۴) یہ امام وفقیہ، قاری، عابد وزاہد، شیخ الصوفیاء اور فقہاء ظاہریہ میں ہیں، ان کا زمانہ مامون کا زمانہ ہے، تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ کریں: حلیۃ الاولیاء: ۲۹۶/۱۰، تاریخ بغداد: ۴۳۰/۸، الرسالۃ القشیریۃ، النجوم الزاھرۃ: ۱۸۹/۳، سیر اعلام النبلاء: ۲۳۴/۱۴۔

(۵)۔ بڑے عابد وزاہد اور اللہ والے تھے اور ہر دن ایک ختم قرآن کا معمول تھا، ملاحظہ کریں: حلیۃ الأولیاء؛ ۳۰۲/۱۰، صفۃ الصفوۃ: ۴۴۴/۲، البدایۃ والنھایۃ: ۱۴۴/۱۱، شذرات الذھب: ۲۵۷/۲، سیر اعلام النبلاء: ۲۵۵/۱۴۔

(۶)۔ یہ امام ربانی شیخ الصوفیاء ابو عبد اللہ عمرو بن عثمان بن کرب بن غصص مکی ہیں، ملاحظہ کریں: سیر اعلام النبلاء: ۵۵/۱۴، حلیۃ الاولیاء: ۲۹۱/۱۰، تاریخ بغداد: ۲۲۳/۱۲، صفۃ الصفوۃ: ۴۴۰/۲، ذکر اخبار اصفہان: ۳۳/۲۔

(۷)۔ رسالۃ المسترشدین، تحقیق: شیخ عبد الفتاح ابو غدہ، آٹھواں ایڈیشن، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب، شام، ۱۹۹۰ء۔

(۱)

جنید بن محمد بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

۲۱۵ھ - ۲۹۷ھ

تیسری صدی کے حالات

مورخین عربی ادب عام طور سے عصر عباسی کو اور خصوصا تیسری صدی ہجری کی تاریخ کو کچھ اس انداز سے لکھتے ہیں جس سے پڑھنے والوں کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ عصر عباسی در حقیقت آزادیٔ فکر و خیال اور اخلاقی اقدار و روایات سے بغاوت کا دور ہے اور یہ وہ زمانہ ہے جس میں فلسفہ کو فروغ پانے کا خوب موقع ملا، غیر عربی عنصر کو اسلامی قلمرو میں پذیرائی ملی، غلام اور باندیوں کی کثرت ہوئی، غیر ملکی تہذیب و ثقافت مثلاً فارسی اور یونانی تہذیب کو مقبولیت حاصل ہوئی، لہو و لعب اور مجالس سماع کی کثرت ہوئی، ڈاکٹر شوقی ضیف لکھتے:۔

> ''اکثر خلفاء کے عہد میں قصر خلافت شراب نوشی، سمع اور عیش و طرب کی محفل بن گیا تھا، دربار خلافت کی تقلید میں قوم کے ارباب وجاہت امراء و وزراء اور حکومت کے اہم ترین افراد نے بھی اپنے گھروں کو عیاشی کا اڈہ بنالیا تھا، صورت حال کچھ اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ بعض اصحاب قضا نبیذ محلل کے طور پر ان بری عادات میں ملوث ہو گئے تھے۔
>
> علماء ادب و لغت نے بھی ان کی دیکھا دیکھی یہی روش اختیار کر لی تھی، مثلاً ابن درید جو شراب و کباب کا حد درجہ شیدائی تھا، شعراء بھی اس باب میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔

ابوالفرج اصفہانی کی کتاب، جنہوں نے دیکھی ہوگی انہیں معلوم ہوگا کہ بعض لوگ شراب کے عادی تھے، صبح وشام شراب کی محفلیں جمائے رہتے تھے"۔(۲)

ڈاکٹر احمد امین لکھتے ہیں:۔

سال میں کچھ ایسے مخصوص دن تھے جن میں سامرا اور بغداد اور دیگر جگہوں سے لوگ لہو ولعب، شراب وکباب کے لیے شہر سے باہر آتے اور ان مخصوص دنوں کی حیثیت یوم عید کی طرح ہوگئی تھی جیسے کہ مسلمانوں کی عید، ایرانیوں، مجوسیوں کی عید۔

عصر عباسی کے اس نقطۂ نظر سے جس سے اباحیت لہو ولعب زندقہ الحاد ودہریت کلامی مباحثے عقلی وفلسفیانہ مناظرے معتزلہ کا تسلط اور ان کی حد سے بڑھی ہوئی قوت مداخلت کا اظہار ہوتا ہو، ایسے اوصاف بیان کرنے میں ادباء ومؤرخین نے بڑی افراط سے کام لیا ہے۔

تاریخ ادب عربی کی اکثر کتابیں عباسی عہد کے اس دور کو اس نقطۂ نظر کے تحت کچھ اس طرح پیش کرتی ہیں جیسے یہ برائیاں اس زمانے کی عام صورت حال ہو اور اس کی پہچان ہو، انہیں یہ یاد نہیں رہتا کہ ان کتابوں میں موجود یہ حالات معاشرے کے ایک مخصوص طبقہ کے ہیں۔

درحقیقت لہو ولعب کا شیوع قوم کے مالدار اور اہل ثروت طبقہ میں تھا، شعوبیت کا نظریہ عجمیوں میں تھا، الحاد وزندقہ کا نظریہ اہل فلسفہ میں پایا جاتا تھا، یہ رجحانات معاشرہ کی عمومی نمائندگی نہیں کرتے، جن شعراء وادباء نے ایسی تصویر کشی کی ہے ان کا تعلق عوام سے نہیں زیادہ عیش کوش طبقہ سے تھا اور اسلامی معاشرہ اس قسم کے رجحانات وافکار سے کافی حد تک محفوظ تھا۔ ڈاکٹر احمد امین لکھتے ہیں:۔

کتاب الاغانی اور شعراء کے دواوین میں جس طرح لہو ولعب اور عیش وپرستی کا تذکرہ ملتا ہے، ٹھیک اسی طرح علماء کی سیرتوں کے تعلق سے لکھی جانے

والی کتابوں میں ایمانی ودینی زندگی کی تصویر کشی ملتی ہے مثلاً طبقات ابن سعد، طبقات محدثین، اگر آپ کتاب الاغانی کا مطالعہ کریں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ عصر عباسی میں زندگی کا دھارا صرف اور صرف لہو ولعب، عیش کوشی واباحیت کی طرف بہہ رہا تھا، البتہ اگر طبقات المحدثین اور طبقات الصوفیہ کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس وقت کی زندگی تدین، ورع وتقوی اور زہد سے عبارت ہے، انصاف تو یہ ہوگا اگر آپ یہ سمجھیں کہ زندگی کے مختلف رنگ تھے اور عباسی تمدن بھی دیگر تمام تمدنوں کی طرح تھا، مسجدیں، مے خانے، عالم ومغنی، طلوع صبح کا منتظر تہجد گذار، پارکوں میں رات گذارنے والے، آوارہ وعیش پرست، عبادتوں میں راتیں گذار دینے والے مومن، رقص وسرود میں جاگنے والے مغنی، انتہائی مالدار اور فقر وافلاس سے لاچار، دین کے سلسلہ میں تشکک تو دوسری طرف یقین کامل کی دولت سے مالا مال افراد کا مجموعہ تھا، یہ سب کچھ عصر عباسی میں تھا۔ (۳)

عباسی دور کے معاشرے میں ایسے واعظوں کی کمی نہیں جو لوگوں کو اللہ اور یوم آخرت کی یاد دہانی کراتے، ایسے زاہدین وعابدین بھی تھے جن کو دنیوی زندگی سے کوئی سروکار نہ تھا، ان کی زندگی زہد وتقشف، خلوت پسندی اور عبادتوں سے معمور تھی، زہاد صوفیہ میں ہمیں ابراہیم بن ادہم متوفی ۱۶۱ھ، شفیق بلخی متوفی ۱۹۴ھ، معروف کرخی متوفی ۲۰۰ھ، حارث محاسبی متوفی ۲۳۴ھ، ذو النون مصری متوفی ۲۴۵ھ، سری سقطی متوفی ۲۵۱ھ کے نام ملتے ہیں، سری سقطی (۴) کی شخصیت بغداد کے شیخ الصوفیہ کی تھی، اپنے وقت میں وہ صوفیہ کے امام تھے، اصلاً تاجر تھے، لیکن پھر تجارت چھوڑ دی اور گھر ہی میں خلوت نشین ہوکر عبادتوں میں مشغول ہوگئے، کہتے ہیں کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے توحید اور حقائق احوال کے باب میں گفتگو کی، ان سے ایک مرتبہ صوفی کی تعریف پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا، صوفی نام ہے تین صفات کے مجموعے کا:۔

(۱) جس کا نور معرفت نور تقوی کو ماند نہ کرے۔
(۲) جو علم باطن کے ذریعہ کتاب الٰہی کے ظاہری مفہوم کے خلاف گفتگو نہ کرے۔
(۳) اللہ کی عطا کردہ کرامتوں پر اترا کر محارم الٰہی کی توہین نہ کرے۔

تیسری صدی کے ان راست باز اور سچے زاہدین اور علمائے معرفت میں ایک نام جنید بغدادی رحمہ اللہ کا ہے۔

جنید بغدادی

جنید بغدای کا پورا نام ابو القاسم جنید بن محمد بن جنید خزاز قواریری ہے، اصلاً نہاوند کے ہیں، عراق میں پرورش و پرداخت ہوئی، اپنے وقت کے شیخ اور یکتائے روزگار شخصیت کے مالک تھے، ان کے اقوال وملفوظات کتابوں میں محفوظ ہیں، حسین بن عرفہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوابراہیم بن خالد کلبی سے فقہ کا علم حاصل کیا، ان کی مجلس میں بیس سال کی عمر میں فتوی دینے لگے تھے، عبادت وریاضت میں بڑی کثرت سے کام لیا جس کی وجہ سے اللہ تعالی نے ان کے لیے بے شمار علوم کے دروازے کھول دیے، تمام فنون میں یکساں دسترس رکھتے تھے، بغیر کسی توقف اور تردد کے ہر فن میں گفتگو فرماتے، کبھی کبھی تو ایک ہی مسئلہ میں ایسی بے شمار فروعات ونظائر بیان فرماتے جو بڑے بڑے علماء کے ذہن میں بھی نہیں ہوتیں، وفات کا وقت قریب آیا تو عبادت اور نماز وتلاوت قرآنی میں کثرت ہوگئی، لوگوں نے کہا کہ ایسی حالت میں تو اپنے آپ پر رحم فرمائے، تو انہوں نے فرمایا: مجھ سے زیادہ اس کا مستحق کوئی اور نہیں، میرے صحیفۂ اعمال کے لپیٹے جانے کا وقت آگیا ہے۔(۵)

امام شافعیؒ کے شاگرد حضرت ابوثور سے بھی علم فقہ حاصل کیا، ایک قول یہ بھی ہے کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ کے مکتب فقہ سے فارغ ہیں، جنید بغدادی نے سری سقطی (۶)، حارث محاسبی اور ان جیسے جلیل القدر مشائخ کی صحبت اختیار کی، آپ کے شاگردوں میں شافعی فقیہ ابوالعباس ابن

سرتج ہیں، ابن سرتج کا مقام یہ تھا کہ جب وہ اصول وفروع میں گفتگو فرماتے تو لوگ انہیں بڑی حیرت واستعجاب سے دیکھتے تو ابن سرتج لوگوں سے کہتے کہ تم جانتے ہو کہ مجھے یہ علم کہاں سے حاصل ہوا؟ یہ درحقیقت ابوالقاسم جنید بغدادی رحمہ اللہ کی مجلسوں کی برکت ہے۔

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ میرے ماموں سری سقطی نے مجھے حکم دیا کہ میں لوگوں کے سامنے تقریر کروں، مجھے تقریر کرنے سے دل میں شرم محسوس ہوتی، میں خود اپنے آپ کو تقریر کے لائق نہیں سمجھتا تھا، ایک رات میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، وہ جمعہ کی رات تھی، آپؐ نے فرمایا: تقریر کرو، میری آنکھ کھل گئی اور صبح ہونے سے پہلے میں سری سقطی کے دروازے پہنچا، دروازے پر دستک دی تو انہوں نے مجھ سے کہا تم نے میری بات نہیں مانی تو تمہیں ہی حکم دے دیا گیا، دوسری صبح میں مسجد آیا اور پورے شہر میں یہ خبر عام کردی گئی کہ جنید آج لوگوں کے سامنے وعظ کہیں گے، ایک نصرانی غلام نے کھڑے ہوکر اشکال کیا اور کہا کہ شیخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے کیا معنی ہیں "اتقوا فراسة المؤمن فإنه ينظر بنور الله" مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے، حضرت سفیان کہتے ہیں کہ میں نے سر جھکایا پھر تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر کہا، اسلام لے آؤ تمہارے اسلام لانے کا وقت آگیا، تو وہ اسلام لے آیا، حضرت جنید فرماتے ہیں کہ مجھے ان اشعار سے جتنا فائدہ ہوا اتنا کسی سے نہیں ہوا، پوچھا گیا وہ اشعار کیا ہیں، انہوں نے فرمایا کہ میں کاغذ والی گلی سے گذر رہا تھا، ایک گھر سے ایک لڑکی کی آواز سنائی دی جو یہ پڑھ رہی تھی:

إذا قلت أهدى الهجر لي حلل البلى

تقولين لو لا الهجر لم يطب الحب

وإن قلت هذا القلب أحرقه الهوى

تقولين بنيران الهوى شرف الحب

وإن قلت ما أذنبت قلت مجيبة
حياتک ذنب لا يقاس به ذنب

ترجمہ:

''اگر میں کہتا ہوں کہ ہجر وفراق نے مجھے کہنگی و بوسیدگی کے لباس پہنا دیے ہیں، تو تمہارا جواب یہ ہوتا ہے کہ ہجر وفراق ہی سے محبت کی لذتیں قائم ہیں اور اگر میں یہ کہتا ہوں کہ دل میں عشق ومحبت کی آگ لگی ہوئی ہے تو جواب ملتا ہے عشق کی سوزشیں ہی درحقیقت محبت کی معراج ہیں اور اگر یہ کہوں کہ میں ایک بے گناہ ہوں تو تمہارا جواب ہوتا ہے کہ تمہارا وجود ہی ایک بہت بڑا جرم ہے جس سے بڑا کوئی جرم نہیں ہوسکتا''۔

محمد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ:۔

میں نے جنید بغدادی کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ کا معاملہ آپ کے ساتھ کیسا رہا تو انہوں نے فرمایا: تمام اشارات صوفیہ بیکار ثابت ہوئے اور تمام عبادتیں کچھ کام نہ آئیں، سارے علوم مٹ گئے، سارے نقوش فنا ہوگئے، کچھ کام نہ آیا، صرف وہ چند رکعتیں جو ہم نے صبح کے وقت پڑھی تھیں، انہی سے فائدہ ہوا۔

حضرت جنید فرماتے ہیں:۔

تصوف ہم نے محض قیل قال سے حاصل نہیں کیا؛ بلکہ بھوک کی شدت، دنیا سے بے رغبتی اور مالوفات ومستحسنات سے قطع تعلق کے ذریعہ تصوف حاصل کیا، اس وجہ سے کہ تصوف نام ہے اللہ سے مخلصانہ معاملہ کا اور اس کی اصل الاساس دنیا سے بے تعلقی ہے جیسا کہ حضرت حارثہ کہتے ہیں کہ میں نے دنیا سے منہ موڑ لیا اور رات دن بیدار رہا۔(۷)

تاج الدین سبکی کی طبقات شافعیہ میں حضرت جنید کے تعلق سے لکھا ہے کہ:۔

وہ گروہ صوفیا کے سرتاج ہیں، امت مسلمہ کے سرخیل ہیں، زاہدین کے

امام ہیں، تصوف کے شیخ ہیں، اپنے وقت کے ولی اور ولیوں کی پہچان ہیں، اصحاب عرفاں کے لیے سرمایۂ افتخار ہیں۔

جعفر ابن محمد خلدی کہتے ہیں کہ:۔

ہمیں اپنے مشائخ میں جنید بغدادی کے ماسوا کے علم ومعرفت کا جامع کوئی اور نظر نہ آیا، ان کا علم دیکھ کر ان کے حال اور وجد پر ترجیح دینے کو جی چاہتا ہے اور ان کے حال ووجد کو دیکھ کر ان کے علم پر ترجیح دینے کو جی چاہتا ہے۔

علم کلام کے ایک ماہر ابوالقاسم کعبی کا قول ہے کہ:۔

مجھے جنید بغدادی جیسا انسان دکھائی نہ دیا، بڑے بڑے ادباء وانشاء پرداز ان کے الفاظ وعبارت سننے کے لیے حاضر ہوتے، فلاسفہ ان کے دقیق معانی ومفاہیم سے مستفید ہونے کے لیے اور اہل کلام ان کے علم سے فیضیاب ہونے کے لیے حاضر ہوتے۔

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ:۔

جنید بن محمد بن جنید نے مشائخ محدثین سے علم حدیث کی حاصل کیا، اولیاء وصالحین اور اہل معرفت کی صحبت میں رہے، اللہ تبارک وتعالی نے انہیں جس ذکاوت اور اصابتِ جواب کی صلاحیت سے نوازا تھا اس کی مثال نہ ان کے ہم عصروں میں ہے اور نہ ان کے اسلاف واکابر میں ملتی ہے، وہ اسلاف جن کو علم ظاہر وباطن کا جامع اور زہد وتقوی جیسے القاب سے متصف کیا جاتا ہے۔

حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی نے اپنی کتاب "حلیة الأولیاء" میں ان کا تذکرہ کچھ اس طرح کیا ہے:۔

وہ (جنید بغدادی) متنوع علوم کے ماہر ہیں، حلم کے سرچشموں سے ان کی تائید ہوتی ہے، ایمان خالص اور ایقان کامل ان کا طغرائے امتیاز ہے،

کتاب الٰہی کے احکام واسرار سے واقف اور اس پر عامل ہیں، کتاب خداوندی کی حقانیت وصداقت اور وضوح بیان کے مؤید ہیں۔

ان کا کلام فیاض ازلی کی نوازشوں سے مربوط اور ان کا بیان دلائل وبراہین سے لبریز ہوتا ہے، اپنے ہم عصروں پر ان کا تفوق وامتیاز، ان کی تشفی آمیز گفتگو، منہج وسط کا التزام اور اعمال صالحہ کی مداومت ہے۔

ابن اثیرؒ ان کا تعارف اس طرح کراتے ہیں:۔

وہ (حضرت جنید بغدادی) امام وقت تھے، علماء انہیں شیخ الصوفیہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں، کیونکہ انہوں نے ہی تصوف کو کتاب وسنت کے دلائل سے تقویت بخشی اور انہوں نے ہی عقائد قبیحہ جو تصوف کے لیے سم قاتل تھے بچایا اور غالی صوفیاء سے نجات دلائی اور تصوف کو ان تمام چیزوں سے جو شرعی اعتبار سے قابل اعتراض تھے محفوظ کیا۔

ابتداء میں وہ محدثین، مثلاً ابوعبید اور ابوثور وغیرہ کے مسلک پر عمل کرتے تھے، پھر اصول میں مہارت حاصل کی اور حارث بن اسد محاسبی اور اپنے ماموں سری بن مغلس کی صحبت میں رہے، اور ان کی اتباع میں علم واجتہاد کا نقطۂ نظر اختیار کیا۔

جنید بغدادیؒ فرمایا کرتے تھے:۔

کتاب وسنت کے مضبوط دلائل سے مجھے معلوم ہوا کہ جس شخص کو کتاب وسنت اور فقہی بصیرت حاصل نہ ہو اس کی اقتداء جائز نہیں۔

خلق خدا میں ہدایت کے راستے صرف اس شخص کے لیے کھلے ہوئے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے، عامل سنت ہو، کیونکہ رشد وہدایت اور برکتوں کے خزینہ صرف اسی کے لیے کھلے ہیں۔

حافظ ابوعبداللہ کہتے ہیں کہ:۔

میں نے فارس بن عیسیٰؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ ابوالقاسم جنید بن محمد کثرت سے نمازیں پڑھا کرتے، ان کی وفات کے وقت (جب کمزور اور نحیف ہو گئے تھے) ہم نے دیکھا کہ وہ درس کے لیے بیٹھے ہوتے اور ایک تکیہ ان کے سامنے پیش کر دیا جاتا اور وہ اس پر سجدہ کر لیا کرتے، لوگوں نے کہا کہ اس حالت میں تو اپنے آپ پر رحم فرمایئے تو جواب میں فرماتے، اسی راستہ سے اللہ تعالیٰ تک پہنچا ہوں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔

جنید بغدادی کو خزاز کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ خز (ریشم) کا کام کرتے تھے اور قواریری کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ ان کے والد قواریر کے تھے۔

جنید بغدادی کے ملفوظات:

حکمت کی تعریف، اور اس کے حصول کے ذرائع:

ابوالقاسم جنید بن محمد بن جنید سے سوال کیا گیا کہ حکمت کن چیزوں سے روکتی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ حکمت ہر اس کام سے منع کرتی ہے جس کی وجہ سے عذر خواہی کی ضرورت پیش آئے اور ہر وہ بات جس کا علم دوسروں کو نہ ہو جبکہ اس کی یاد تمہارے دل میں ہو۔

ان سے پوچھا گیا کہ حکمت کس چیز کا حکم دیتی ہے تو بتایا کہ حکمت ہر اس کام کا حکم دیتی ہے جس کے مستقبل میں آثار و نتائج قابل تعریف ہوں اور ہر شخص کے نزدیک اس کا تذکرہ خوشگوار ہو اور اس کے نتائج ضرر رساں نہ ہو۔

ان سے پوچھا گیا کہ حکیم کہلانے کا مستحق کون شخص ہے تو فرمایا کہ وہ شخص ہے جو بات کرے تو دوٹوک اور واضح کرے اور جس کی تعریف کرے تو کم الفاظ میں کرے اور معمولی اشارے کرے، اور وہ شخص جس کے ارادوں کی راہ میں کوئی چیز دشوار نہ ہو۔

ان سے سوال کیا گیا کہ حکمت کسے پسند کرتی ہے اور اس کا ماوی و مسکن کہاں ہے؟ تو

جواب دیا کہ وہ انسان جس نے تمام مخلوق سے امیدیں منقطع کر لی ہوں اور فضول ضرورتوں سے دست برداری اختیار کر لی ہو اور جس کے تمام ہموم وافکار، نقل وحرکت صرف خدائے بزرگ وبرتر کے لیے ہو اور وہ انسان جو تمام اہل زمانہ کے لیے نافع ومفید ہو۔

اللہ کے نیک بندوں کی خصوصیات

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں:

اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جو اس دنیا میں محض اپنے جسم کے ساتھ رہتے ہیں، اور اپنے ایمان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں، کیا خوب ہے وہ علم جس کے لیے وہ رواں دواں ہیں اور جو ان کا حقیقی مسکن ومرجع ہے، انہوں نے اپنے نفوس امارہ کے مطالبات سے فرار اختیار کیا جو درحقیقت ہلاکت کے داعی اور دشمنوں کے حامی ہیں خواہشات نفسانی کے پرستار، آزمائشوں کے شکار، اور ہوا وہوس کی بھول بھلیوں میں غلطاں وپیچاں ہیں، ایسے نفوس امارہ سے راہ فرار اختیار کر کے قرآن حکیم کی اس دعوت پر لبیک کہتے ہیں جس میں کسی تاویل کا شائبہ نہیں، قرآن حکیم کا یہ فرمان ان کے کانوں سے ٹکراتا ہے کہ (یاأیها الذین آمنوا استجیبوا لله وللرسول إذا دعاکم لما یحییکم) تو ان کے ذہن ودماغ میں اس دعوت کی مٹھاس رس گھولتی محسوس ہوتی ہے کہ وہ ہوش کے ناخن لیں اور ان کی پاکیزہ عقلوں نے جس عالم کی جانب ان کی رہنمائی کی ہے وہاں کے پاکیزہ ماحول میں سانسیں لیں اور اس فریبی دنیا میں زندگی بسر کرنے کی دبی ہوئی غلط خواہش سے خود کو آزاد رکھیں، چنانچہ وہ فوراً علائق دنیویہ سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں، جو علائق عابدین شب زندہ دار کے ذکر الٰہی سے غفلت کا سبب بنتے ہیں اور کامل توجہ کے ساتھ اعمال ومجاہدہ میں لگ جاتے ہیں، ریاضت ومجاہدہ کے تلخ جام بخوشی نوش کرتے ہیں، صدق دل سے خدا سے اپنا تعلق قائم کرتے ہیں اور اپنے مطلوب کے

حصول میں حسن طلب سے کام لیتے ہیں، اس لیے تمام مشکلیں آسان ہوجاتی ہیں، مطلوب کے مقام ومرتبہ سے آشنا ہوتے ہیں اور اپنی فکر کو مالک حقیقی کے سوا ہر شئ مذکور سے پاک کر لیتے ہیں، غفلت کی جگہوں سے اپنے دلوں کو محفوظ کر لیتے ہیں اور پھر ان پر اس خدائے علیم و برحق جس سے بحر و بر کی کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور جس کے علم وسیع میں کائنات کا ہر ذرہ ہے، اس خدا کی جانب سے ایک نگراں مقرر کر لیتے ہیں، چنانچہ انسانی نفوس میں نافرمانیوں کے باوجود بھی جذبہء انقیاد وانابت پیدا ہوتا ہے اور نوع انسانی میں باہم تنافس ومسابقت کی لہریں اٹھتی ہیں، یہ ایسے پاکیزہ نفوس ہیں جن کا حاکم وفرمانروا، ان کا محافظ و پاسباں ان کا حارس ونگہبان صرف فدائے بزرگ و برتر ہے۔

میرے بھائی! اگر تم میں غور وتدبر کی صلاحیت ہے تو غور کرو کہ وقتِ مناجات ان کے دلوں میں کیا کیا کیفیات وارد ہوتی ہونگیں اور اپنے پیش آمدہ حالات میں کن کن چیزوں کا ان کو سامنا کرنا ہوتا ہوگا، تمہیں یقیناً اس بات کا احساس ہوگا کہ ان کی روحیں ان کے جسموں میں سرگرداں ہیں، خشیت الٰہی نے ان کو موم بنا دیا ہے، خدمت خلق کے جذبہ نے ان میں تواضع پیدا کر دیا ہے، حیا و پاکدامنی ان کا لباس بن گئی ہے، قربت خداوندی ان کا جامع ہے اور وقار سبب سکینت وراحتِ قلب، احتیاط وتقوی ان کے نطق کا محافظ و پاسباں، خلوت وتنہائی ان کی مونس و ہمدم، گفتگو فکر وتدبر کی ترجمان، ذکر الٰہی ان کا شعار، ہر وقت خدا سے تعلق استوار اور غیروں سے بیزار، نہ کسی آنے والے والے کا استقبال اور نہ ہی کسی مقیم کی مشایعت، بھوک پیاس ان کی غذا اور توکل سرمایۂ راحت، ذخیرۂ زندگی اللہ پر توکل واعتماد، صبر ان کی دوا، رضا وخوشنودی کے حصول کا جذبہ ان کا حلیف ورفیق، وہ ایسے نفوس قدسیہ ہیں جنہوں نے ادائے حقوق کے لیے پیش قدمی کی اور محفوظ وبہتر علم کے ذریعہ بلند درجات حاصل کیے اور آزمائشوں سے محفوظ رہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:۔

لا يحزنهم الفزع الأكبر وتتلقاهم الملائكة، هذا يومكم الذى كنتم توعدون۔

(اس دن کی) بڑی گھبراہٹ بھی ان کو غمگین نہ کرے گی اور فرشتے ان کا استقبال کرنے آئیں گے (اور کہیں گے) یہی تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

نحن أولياؤكم فى الحياة الدنيا وفى الأخرة ولكم فيها ما تشتهى أنفسكم ولكم فيها ما تدعون، نزلًا من غفور رحيم

اور ہم دنیا کی زندگی میں تمہارے حمایتی تھے اور آخرت میں بھی اور یہاں تمہارے لئے وہ سب کچھ ہے جو تمہارا جی چاہے اور جو تم مانگو گے وہ تمہیں ملے گا۔

کوشش کے بغیر مطلوب حاصل نہیں ہوتا

جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہر دروازہ اور ہر علم کی کنجی جہد پیہم ہے۔

قناعت

حضرت جنید بغدادی سے پوچھا گیا کہ قناعت کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جو تمہارا ہے تمہاری خواہش اس سے تجاوز نہ کرے۔

وہ کہتے ہیں: نگاہ رحمت وکرم میں نیک وبد دونوں برابر ہوتے ہیں، لوگوں نے سوال کیا کہ نگاہ کرم ہوتی کب ہے؟ جواب دیا کہ ہوتی ہے، اللہ کا ارشاد ہے کہ میری رحمت میرے غیظ وغضب سے بڑھ کر ہے۔

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں: شجاعت وبلند ہمتی کو لازم پکڑو کیونکہ بلند ہمتی ہی تمام خیر کا مقدمہ ہے۔

شکر کی حقیقت

ان سے شکر کی حقیقت دریافت کی گئی تو فرمایا کہ شکر یہ ہے کہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے کسی نعمت کے ذریعہ اس کی نافرمانیوں پر مدد نہ لی جائے۔

فرمایا کہ حصول معیشت کے مقابلہ گفتگو میں ورع واحتیاط زیادہ مطلوب ہے۔

محبوب کا عظیم سے عظیم جرم بھی برداشت کرلو اگر مظلوم بھی ہو تو کہو کہ میں ظالم ہوں۔

اور فرمایا: ایسے لوگ بھی ہیں جن پر ہم نے اعتماد کیا تو انہوں نے ہمارے رازہائے دل افشاء کر دئے اور جب ہم نے ان کے راز کی حفاظت کی تو انہوں نے ہمارے متعلق خود سے طرح طرح کی باتیں بنائیں، انہوں نے ہماری محبت کا پاس ولحاظ نہ کیا اور جب ترکِ تعلق کا ارادہ کیا تو خوش اسلوبی بھی برقرار نہ رکھی۔

نفس پر کبھی اعتماد نہ کرنا

جنید بغدادی فرماتے ہیں: اپنے نفس پر اعتماد مت کرنا، اگرچہ اللہ تعالی کی اطاعت میں اس نے ہمیشہ تمھاری اطاعت کی ہو۔

اور فرمایا کہ اگر تم علم کی دولت سے آراستہ ہونا چاہتے ہو اور تمھاری خواہش ہے کہ علم تمھاری صفت ہو اور تمھارا شمار اہل علم میں ہو قبل اس کے کہ تم علم کے حقوق ادا کرو تو ایسی صورت میں علم کا نور تم سے دور ہو جائیگا اور صرف اس کے مظاہر واشکال باقی رہ جائیں گے، ایسا علم تمھارے لیے وبال جان ہوگا نہ کہ باعث منفعت، کیونکہ علم استعمال کا متقاضی ہوتا ہے اور اگر اس کا مناسب مقام پر استعمال نہ ہو تو اس کی برکات جاتی رہتی ہیں۔

اور فرمایا کہ انسان اپنی فطری صفات کی وجہ سے معیوب قطعاً نہیں؛ بلکہ فطری تقاضوں پر عمل کی وجہ سے معیوب ہے۔

اللہ کا راستہ

ان سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ تک رسائی کیسے حاصل ہو؟ تو فرمایا کہ ایسی توبہ کہ اصرار وہٹ دھرمی ختم ہو جائے اور ایسا خوف کہ جس سے (دنیوی) چمک دمک ماند پڑ جائے اور ایسی امید کہ نیکی کی امیدیں جاگ اٹھیں اور احساساتِ دل پر اللہ کا ایک پاسبان مقرر ہو۔

ان سے سوال کیا گیا دنیا کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا کہ جو دل کے قریب ہو اور حق تعالیٰ سے غفلت کا سبب بنے وہ دنیا ہے۔

عقلمند کون ہے؟

سوال کیا گیا کہ انسان کو عقلمند کب کہا جائیگا؟ فرمایا: جب اسے مختلف امور کی تمیز ہو اور ان کی خوب پرکھ رکھتا ہو اور عقل کے واجبات کا متلاشی ہو اور اس کی تلاش وجستجو اولیٰ وافضل کے لیے ہوتا کہ اس کے مطابق عمل کر سکے اور ماسوا پر اسے ترجیح دے سکے، چنانچہ جو بھی اس صفت سے متصف ہوگا اور عقل کے متعین کردہ تمام فرائض کا پابند ہوگا تو ہر حال میں اسے فضیلت وکمال حاصل ہوگا کیونکہ افضل واولیٰ سے صرف نظر یا غفلت عقلمندوں کا خاصہ نہیں اور نقص وکوتاہی پر قائم رہنا بھی ان کا شیوہ نہیں۔ اسی طرح وہ یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ دنیا کی معمولی حقیر اور فانی نعمتوں (جن کی محبت اور جن کے حصول کی کوششیں) آخرت کی دائمی، ابدی لازوال، لذت بخش اور پائدار نعمتوں سے غافل کر دے۔

آزمائشوں کا شکار

جنید بغدادی نے اپنے کسی دوست کو لکھا کہ جو اللہ کی جانب اشارہ کرے (کلمہ خواں

ہو) اور اس کا بھروسہ دوسروں پر ہو، اللہ تعالیٰ اسے آزمائشوں میں مبتلا کر دیتے ہیں، چنانچہ زبان سے تو اللہ کا نام لیتا ہے لیکن دل خدا کے نور سے محروم ہو جاتا ہے، پھر اگر اسے تنبہ ہو جائے اور اس سے پہلے جس پر اعتماد و بھروسہ کیا تھا اس سے اپنا رشتہ منقطع کر لے اور جس کا کلمہ پڑھا تھا اس کی جانب رجوع کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت و آزمائش دور کر دیتے ہیں، لیکن اگر وہ دوسروں کے اعتماد پر قائم رہے تو اللہ تعالیٰ مخلوق کے دل سے اس کی ہمدردی اور محبت کے جذبات ختم کر دیتے ہیں اور حرص و ہوس کا لبادہ اس پر ڈال دیتے ہیں تاکہ دلوں سے ہمدردی کے جذبات ختم ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی خواہشات اور مطالبات بڑھتے جائیں اور اس طرح اس کی زندگی بے بسی و مجبوری کی مثال بن جائے اور موت تکلیف دہ ہو جائے اور آخرت کا انجام افسوسناک ثابت ہو۔ اللہ بچائے اس کے سوا کسی اور پر توکل سے۔

ایک لمحہ کی غفلت عابد کی ہزار سالہ عبادت کے ضیاع کا سبب ہے

جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ کوئی شخص صدق دل سے اللہ کی جانب ہزاروں سال تک متوجہ رہے، پھر ایک لمحہ کے لیے بھی اگر منہ موڑ لے تو یہ نقصان ہزاروں برس کی کمائی سے بڑھ کر ہوگا۔

عشاق کے افسوس کا سبب

جنید بغدادی سے سوال کیا گیا کہ عاشق کو افسوس کس بات پر ہوتا ہے؟ فرمایا: خوشحالی کے وہ ایام جو فقر و تنگدستی کا سبب بن جائیں اور محبت کے وہ لمحات جن کا انجام وحشتناک ثابت ہو، پھر وہ یہ اشعار پڑھنے لگے۔

قد كان لي مشرب يصفو برؤيتكم
فكدرته يد الأيام حين صفا

ترجمہ: مجھے بھی ایک پاکیزہ ومناسب لمحہ تیرے دیدار کا نصیب ہوا تھا؛ لیکن حوادث دہر نے وہ لمحہ بھی میرے لیے خالص نہ رہنے دیا۔

وہ فرماتے ہیں: بندوں کو اللہ تعالی کی محبت اور اس کا قرب اسی قدر حاصل ہوتا ہے جس قدر وہ ذکر الٰہی کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نجات کے لیے لازمی شرط ہے

وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالی تک رسائی کا راستہ بندوں پر مسدود ہے، البتہ وہ لوگ جو متبعین سنت ہیں ان کے لیے یہ راستہ کھلا ہوا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے "لقد کان لکم فی رسول اللہ أسوۃ حسنۃ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تمھارے لیے بہترین اسوہ ہے۔

فرماتے ہیں کہ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ روایت نہ ہوتی کہ قربِ قیامت قوم کا رذیل ترین انسان قوم کا لیڈر ہوگا تو میں تمھارے سامنے خطاب نہ کرتا۔

ان کا قول ہے کہ اہل مذاہب (متکلمین) کو سب سے زیادہ نقصان دعووں سے ہوا ہے۔

ان ہی کا قول ہے کہ دوستوں کی غلطیوں کو برداشت کرنا مروت ہے۔

خشوع

فرماتے ہیں کہ خشوع درحقیقت نام ہے علام الغیوب کے سامنے سرافگندگی کا، اور تواضع نرمی و ہمدردی کا۔

فرماتے ہیں: سخاوت وفیاضی اور بے ضرری کی صفت مردانگی کی علامت ہے۔

زہد

امام احمد ابن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ (۸) کی کتاب "الزہد الکبیر" میں ہے کہ

جنید بغدادی سے زہد کی تعریف پوچھی گئی تو فرمایا: زہد یہ ہے کہ ہاتھ دولت سے اور دل تلاش وتتبع سے خالی ہو۔

حضرت رؤیم نے ان سے زہد کی تعریف معلوم کی تو فرمایا: دنیا کی تحقیر اور دلوں سے اس کے آثار کے مٹ جانے کا نام زہد ہے۔

پوچھا گیا کہ قلب میں فساد کیوں پیدا ہوتا ہے؟ فرمایا: لالچ سے، پھر سوال کیا گیا کہ اصلاح کی صورت کیا ہے؟ فرمایا: ورع وتقوی۔

فرمایا کہ ہماری طریقت کی بنیاد چار چیزوں پر ہے، جب بھی گفتگو کرتے ہیں تو عشق ومحبت کی وجہ سے، اور فاقہ کی صورت میں ہی کھانا کھاتے ہیں، (نفس پر) غالب آئے بغیر سوتے نہیں، اور ہماری خاموشی کی وجہ صرف خشیت الٰہی ہوتی ہے۔(۹)

ابوعمر انماطی کہتے ہیں کہ جنید بغدادی فرمایا کرتے تھے کہ جب تک تمھارے وجود کا معمولی حصہ بھی غیر کے تصرف واختیار میں ہے تم حقیقی معنوں میں اللہ کے بندے نہیں ہو اور تم کو حقیقی آزادی اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک حقیقی وکامل بندگی حاصل نہ ہو اور جب تم صرف اللہ کے بندے بن جاؤ گے تو ماسوا سے تمہیں آزادی مل جائے گی۔

اللہ کی اطاعت بہترین دولت ہے

حضرت جنید بغدادی سے سوال کیا گیا: مالدار افضل ہے یا فقیر؟ فرمایا: جو اللہ کی زیادہ اطاعت کرنے والا ہو، پھر سوال کیا گیا کہ اگر دونوں اطاعت شعار ہوں تو؟ فرمایا: دونوں قابل تعریف ہیں؛ البتہ اللہ تعالی نے جو شئی اپنے نبی کے لیے پسند کی وہ بہتر ہے، اور میں نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالی نے ان کے لیے مالداری کو پسند کیا ہے، چنانچہ اللہ نے اپنے نبی کے لیے جو حسن انتخاب کیا ہے اسی میں افضلیت ہے۔(۱۰)

سرچشمۂ خیر

جنید بغدادیؒ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اصل بھلائی تین چیزوں میں ہے، اگر تم اپنا دن اپنے مفاد میں نہی گذار سکتے تو نقصان میں بھی مت گذارو، اور اگر نیک لوگوں کو اپنا دوست نہیں بنا سکتے تو برے لوگوں کو بھی اپنا دوست مت بناؤ، اگر اللہ کی خوشنودی کی خاطر اپنا مال نہیں خرچ کر سکتے تو اللہ کو ناراض کرنے والے کاموں میں اسے خرچ مت کرو۔ (۱۱)

فرماتے ہیں: عمر بہت مختصر ہے اور وقت بہت تنگ، دن گذرتے جاتے ہیں اور وقت میں کچھ بھی برکت نہیں۔

مقام توحید

جنید بغدادیؒ سے توحید کی پہلی منزل معلوم کی گئی تو جواب دیا کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو (حدیث نبوی کی طرف اشارہ ہے: أن تعبد الله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك) عبادت ایسی ہو کہ جیسے تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تو تم کو دیکھ رہا ہے۔ (۱۲)

حوالہ جات:

۱۔ وفیات الأعیان: ۳۷۳/۲، سیر أعلام النبلاء: ۶۶/۱۴، تاریخ بغداد: ۲۴۱/۷، طبقات الحنابلة: ۱۲۷/۱، صفة الصفوة: ۴۱۶/۲، طبقات الشافعية از سبکی: ۲۶۰/۲، البداية والنهاية: ۱۱۳/۱۱، النجوم الزاهرة: ۱۶۸/۳، شذرات الذہب: ۲۲۸/۲، حلية الأولياء: ۲۵۵/۱۰، تاریخ ابن الأثیر۔

۲۔ تاریخ الادب العربی العصر العباسی الثانی از ڈاکٹر شوقی ضیف۔

۳۔ضحیٰ الإسلام:۱/۱۶۰۔

۴۔ان علمائے ربانیین اور عابدین شب زندہ دار کے تذکرہ کیلئے دیکھئے: طبقات الشافعیۃ ازسبکی، وسیر أعلام النبلاء از ذہبی، صفۃ الصفوۃ از ابن الجوزی، وحلیۃ الأولیاء از ابونعیم، وتاریخ بغداد، از خطیب بغدادی، الرسالۃ القشیریۃ، وفیات الأعیان از ابن خلکان، تاریخ دمشق از محدث ابن عساکر، طبقات الأولیاء، شذرات الذہب، النجوم الزاہرۃ ازسیوطی۔

۵۔البدایۃ والنہایۃ:۱۱/۱۱۳

۶۔یہ ابوالحسن السری بن مغلس سقطی بغدادی (متوفی ۲۵۷ھ) ہیں، ان کے تذکرہ کیلئے دیکھیئے :طبقات الصوفیۃ:۲/۲۹، حلیۃ الأولیاء:۱۰/۱۱۶، تاریخ بغداد: ۹/۱۸۷،صفۃ الصفوۃ:۲/۲۰۹،النجوم الزاہرۃ:۲/۳۳۹۔

۷۔طبقات الحنابلۃ:۱/۱۲۸۔

(۸) یہ علامہ حافظ فقیہ وقت شیخ الاسلام ابوبکر احمد بن حسین بن علی موسی خسروجردی خراسانی (ولادت ۳۸۴ھ) ہیں،ان کے تذکرہ کے لیے دیکھیئے: الأنساب:۲/۳۸۱،معجم البلدان:۱/۵۳۸،الکامل از ابن اثیر:۱۰/۵۲،وفیات الأعیان:۱/۵۷،البدایۃ والنہایۃ: ۱۲/۹۴،طبقات الشافعیۃ ازسبکی:۴/۸،اور سیر أعلام النبلاء:۱۸/۱۶۳۔

۹۔کتاب الزہد الکبیر از بیہقی:۴/۳۱۳۔

۱۰۔کتاب الزھد از بیہقی:۴/۳۲۳۔

۱۱۔أیضا:۴/۴۶۶۔

۱۲۔بخاری، کتاب الإیمان بحوالہ کتاب الزھد الکبیر از بیہقی۔

امام ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ (۱)

۴۵۰ھ-۵۰۵ھ

ابو حامد محمد ابن محمد ابن احمد غزالی طوسی اپنے عہد کے نامور علمائے کلام میں ہیں، شافعی مسلک کے باکمال علماء میں سے ایک ہیں، ۴۵۰ھ مطابق ۱۰۵۸ء میں خراسان کے ایک شہر "طو س" میں پیدا ہوئے، ان کے والد ایک صالح اور غریب انسان تھے، محنت و جفاکشی سے گذر اوقات کرتے تھے، علمائے دین کی مجلسوں میں حاضری، ان کی خدمت اور ان سے استفادہ ان کا معمول تھا، اہل دل کا کلام سن کر ان پر گریہ اور الحاح وزاری کی کیفیت طاری ہو جاتی، وہ اللہ سے ہمیشہ یہ دعا کرتے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ایک بیٹے سے نوازے جسے وہ فقیہ بنا سکیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور امام غزالی کی صورت میں ایک بیٹا عطا فرمایا۔ (۲)

غزالی کے تلفظ میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ "ز" کی تخفیف کے ساتھ ہے یا تشدید کے ساتھ، "شذرات الذہب" اور "طبقات الشافعیہ" میں یہ بحث موجود ہے، انہوں نے یہ لکھا ہے کہ غزالی بتشدید الزاء ہے جیسے عطاری، حمازی وغیرہ، "طبقات الشافعیہ" میں ہے کہ ان کے والد بنائی کا کام کرتے تھے، اس لیے ان کا نام غزالی ہوا، (غزالی عربی زبان میں بنائی کا کام کرنے والے کو کہتے ہیں) چنانچہ ان کا لقب ان کے والد کے پیشے کے اعتبار سے ہے، لیکن سمعانی کا خیال ہے کہ ان کا لقب غزالہ سے ماخوذ ہے، اور غزالہ طوس میں ایک بستی ہے۔

تعلیم

امام غزالی نے فقہ کی ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں علی احمد ابن محمد راذکانی

سے حاصل کی، پھر شیخ ابو نصر اسماعیلی کے پاس جرجان گئے اور پھر طوس واپس آ گئے۔

پھر نیساپور تشریف لے گئے اور امام الحرمین جوینی (۳) کی صحبت میں رہے، امام الحرمین کی وفات (۴۷۸ھ) کے بعد سلطان ملک شاہ سلجوقی (۴) ۴۶۵-۴۸۵ھ کے وزیر نظام الملک (۵) کے ارادہ سے معسکر آئے، علماء سے مناظرہ کیا اور سب پر غالب رہے۔

ابھی عمر ۳۳ ربرس کی بھی نہیں ہوئی تھی کہ وفورِ علم کی بدولت علماء کے حلقہ میں ان کا ایک مقام بن گیا تھا، ملک شاہ سلجوقی کے وزیر نظام الملک نے مدرسہ نظامیہ کی ادارت ان کے سپرد کر دی، دو سال بعد انہوں نے سفرِ حج کے ارادہ سے حجاز کا قصد کیا اور فریضۂ حج سے فراغت کے بعد دمشق، بیت المقدس اور اسکندریہ کی مساجد میں درس کا سلسلہ شروع کیا، مراکش جا کر جماعتِ مرابطین کے امیر یوسف ابن تاشفین [۴۱۰ھ-۵۰۰ھ] (۶) سے ملاقات کا ارادہ تھا کہ اتفاق سے ان کی وفات کی خبر ملی اور طوس واپس آ گئے اور فکر و تدبر کے لیے زندگی وقف کر دی اور صوفیہ کی سی سادہ زندگی بسر کی، نہایت تندہی کے ساتھ کتابیں تالیف کیں، ان کتابوں کا مقصد دیگر ادیان و مذاہب اور فلسفوں پر اسلام کی بالادستی قائم کرنا ہے، اسی لیے ان کو ''حجت الاسلام'' اور ''زین الدین'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

پھر انہوں نے تصنیف و تالیف کا کام چھوڑ دیا اور نیساپور واپس آ کر دوبارہ مدرسہ نظامیہ کی ادارت سنبھالی، اس کے بعد طوس تشریف لے گئے اور وہاں ایک خانقاہ تعمیر کرائی اور بقیہ ایامِ زندگی ریاضت و مجاہدہ اور فکر و تأمل میں بسر کیے، ۵۰۵ھ مطابق ۱۱۱۱ء کو اس جہانِ فانی کو الوداع کہا۔

امام غزالی کی اہم کتابوں میں ''اِحیاء علوم الدین''، ''المنقذ من الضلال''، ''مقاصد الفلاسفہ'' اور ''تہافت الفلاسفہ'' وغیرہ ہیں، مقاصد الفلاسفہ درحقیقت ان کی کتاب ''مبادیٔ الفلسفہ'' کی شرح و توضیح ہے اور ''تہافت الفلاسفہ'' کے ذریعہ انہوں نے فلسفہ کا رد کیا ہے۔

تلاشِ حقیقت کی خاطر امام غزالی نے فلسفہ اور علم کلام کا بغور مطالعہ کیا، لیکن اس علم سے ان کو تسکینِ خاطر نہ ہوئی وہ فرماتے ہیں:۔

> جب میں نے فلسفہ کا مطالعہ اور اس موضوع پر خوب غور وتدبر کر لیا اور اس کے محاسن ومعایب پرکھ لیے تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ فلسفہ سے میری تشفی نہیں ہوگی اور عقل تنہا تمام مقاصد کا احاطہ نہیں کر سکتی اور نہ تمام مشکلات کی نقاب کشائی کر سکتی ہے۔

عقل سے عدمِ تشفی کی صورت میں امام غزالی نے باطنیت کا رخ کیا کیونکہ ان کا دعوی تھا کہ ان کے عقائد کا دارومدار امامِ معصوم وبرحق کی تعلیم پر ہے، چنانچہ انہوں نے باطنیہ کے عقائد کا مطالعہ کیا تو اسی نتیجہ پر پہنچے اور اس کے فساد اور بگاڑ کو کھل کر بیان کیا۔

حقیقتِ علم کی دریافت کی خاطر جہد پیہم اور طویل سفر کے بعد امام غزالی ہمہ تن تصوف کی طرف متوجہ ہوئے، فرماتے ہیں کہ:۔

> ان تمام علوم سے فارغ ہو کر میں ہمہ تن تصوف کی طرف متوجہ ہوا، تصوف علمی بھی ہے اور عملی بھی ہے، ان کے علوم کا خلاصہ یہ ہے کہ نفس کی پُر پیچ گھاٹیوں کو طے کیا جائے اور مذموم اخلاق اور بری صفات سے دوری اختیار کی جائے تا کہ نفس اخلاص کے ساتھ خدا اور ذکر خدا کیلئے فارغ ہو سکے، میرے لیے علم کا معاملہ عمل کے مقابلہ آسان تھا، چنانچہ میں نے ابو طالب مکی کی ''قوت القلوب'' اور حارث محاسبی کی تصنیفات اور حضرت جنید وشبلی (۷) و بایزید بسطامی (۸) قدس اللہ روحہم وغیرہ کے ملفوظات پڑھے، اور ان کے علوم کے حقیقی مقاصد سے واقفیت حاصل کر لیا اور علم کے راستے سے جو کچھ حاصل کیا جاتا تھا وہ میں نے حاصل کر لیا، لیکن مجھے معلوم ہوا کہ اصلی حقائق تک تعلیم کے ذریعہ نہیں، بلکہ ذوق وحال اور حالات کی تبدیلی سے پہنچا جا سکتا ہے''۔(۹)

صوفیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:۔

وہ صاحب حال ہیں صاحب قال نہیں ہیں۔

فرماتے ہیں کہ:۔

مجھ پر یہ واضح ہو چکا تھا کہ اخروی سعادت کی صورت صرف یہ ہے کہ تقوی اختیار کیا جائے اور نفس کو اسکی خواہشات سے روکا جائے اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ دار فانی سے بے رغبتی، آخرت کی جانب میلان وکشش اور پوری یکسوئی کے ساتھ توجہ الی اللہ کے ذریعہ قلب کا علاقہ دنیا سے ٹوٹ جائے، لیکن یہ جاہ ومال سے اعراض اور موانع وعلائق سے فرار کے بغیر ممکن نہیں۔

عزلت وخلوت میں ایک عرصہ بسر کرنے کے بعد امام غزالی نے دوبارہ تعلیم وتدریس کا آغاز کیا اور ملک شاہ کے بیٹے سنجر کے عہد ۴۹۹ھ میں مدرسہ نظامیہ نیساپور کی صدارت کا عہدہ ان کے سپرد کیا گیا۔

۵۰۰ھ میں فخر الملک کی موت کے بعد انہوں نے تدریس ترک فرمادی اور طوس میں قیام اختیار کیا اور زندگی کے بقیہ ایام علمی اور دینی مصروفیات میں گذارے، لیکن تالیف وتصنیف کا عمل جاری رکھا۔

لیکن امام غزالی کے آخر عمر کے درس وتدریس اور انقلاب سے پہلے کے درس وتدریس کے انداز میں فرق تھا، امام غزالی ان دونوں کے فرق کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اگر چہ میں نے علم کی نشر واشاعت کی طرف رجوع کیا ہے، لیکن درحقیقت اس کو پہلی حالت کی طرف بازگشت کہنا صحیح نہیں، میری پہلی اور دوسری حالت میں زمین وآسمان کا فرق ہے، میں پہلے اس علم کی اشاعت کرتا تھا جو حصولِ جاہ کا ذریعہ ہو، اور میں اپنے قول وعمل سے اسی کی دعوت دیتا تھا اور یہی میرا مقصود ونیت تھی، لیکن اب میں اس علم کی دعوت دیتا ہوں جس سے جاہ

سے دست بردار ہونا پڑتا ہے، اب میں اپنی اور دوسروں کی اصلاح چاہتا ہوں، مجھے نہیں معلوم کہ میں اپنے مقصود کو پہونچوں گا یا اس سے پہلے ہی میں قضا وقدر کے ہاتھوں مجبور و بے بس ہو کر مالک حقیقی کی جانب روانہ ہو جاؤں گا، لیکن اپنے یقین اور مشاہدہ کی بنا پر میرا ایمان ہے کہ اصل طاقت اللہ کی طاقت ہے، اسی سے آدمی گمراہی اور شر سے بچ سکتا ہے اور ہدایت وطاعت کی طاقت حاصل کر سکتا ہے دراصل میں نے اپنی طرف سے حرکت نہیں کی ہے، اللہ مجھے حرکت میں لایا ہے، میں نے خود کام نہیں شروع کیا، اللہ نے مجھے کام میں لگایا ہے، میری دعا ہے کہ پہلے اللہ میری اصلاح فرمائے، پھر مجھ سے دوسروں کی رہنمائی فرمائے، حق مجھ پر منکشف ہو جائے اور اس کے فضل سے مجھے اتباع کی توفیق ہو، باطل مجھ پر واضح کر دے اور مجھے اس کی پیروی سے بچائے"۔(۱۰)

امام غزالی کی زندگی کے آخری ایام امت کے تمام طبقات سلاطین وامراء، علماء وصوفیہ کی اصلاح سے عبارت ہیں، صوفیہ تک بھی ان کی تنقید کی زد میں آئے، انہوں نے صوفیہ کے مغالطہ، مبالغہ آرائی، افراط وتفریط خود پسندی اور شیطانی چالوں کو صفائی کے ساتھ بیان کیا۔

حافظ ابن عساکر فرماتے ہیں:۔

امام غزالی نے تقریبا بیس برس شام میں قیام کیا، ایک دن مدرسہ امینیہ پہنچے تو ایک مدرس کو دورانِ درس یہ کہتے سنا کہ امام غزالی یہ فرماتے ہیں، انہیں نفس کی خود پسندی اور کبر ونخوت کا خوف دامنگیر ہوا اور فوراً دمشق سے نکل پڑے، مختلف دیار وامصار سے ہوتے ہوئے مصر پہنچے اور وہاں سے اسکندریہ کا رخ کیا، کچھ مدت وہاں قیام کیا، اپنا سفر جاری رکھا، بادیہ پیمائی کی، شہر شہر اور قریہ قریہ کی خاک چھانی، مشاہد وزیارت گاہوں اور مساجد ومقابر کی زیارت کی، صحراؤں وبیابانوں میں ٹھہرے، نفس کی ریاضت کی اور ابرار واخیار کا سا

مجاہدہ کیا، عبادات کی مشقتیں برداشت کیں، طرح طرح قربانیاں دیں، تب جا کر قطبِ دوراں اور ہر شخص کے حق میں عمومی برکت، راہ حق کے سنگِ میل اور مرکزِ ایمانی کے صراط مستقیم ثابت ہوئے۔(۱۱)

بلاشبہ یہ عظیم و دانا فلسفی تاریخ فکر اسلامی کا ایک روشن منارہ ہے اور دینی و دنیوی علوم میں بحث و تحقیق اور فکر و تدبر کا امام ہے، تاریخ فلسفہ و ادب کے اکثر مؤرخین نے ان کو علمی کمال اور نورِ تقوی کی جامعیت کی وجہ سے اعجوبۂ روزگار قرار دیا ہے۔

صاحب ''طبقات الشافعیہ الکبری'' شیخ تاج الدین سبکی فرماتے ہیں کہ

امام غزالی علیہ الرحمہ نے نہایت ذکاوت، دوررسی اور فطرت کی بوقلمونی کی حامل شخصیت پائی تھی، حافظہ بہت قوی اور مضبوط پایا تھا، عقل رسا اور دقیق ولطیف معانی وحقائق کی غواصی کا ملکۂ راسخ انہیں عطا ہوا تھا، وہ علم کا پہاڑ اور زبردست مناظر تھے۔

ان کے شیخ امام الحرمین ابوالمعالی جوینی کہتے ہیں کہ:۔

''غزالی علم کا بحر زخار ہیں''۔

ان کے ایک معاصر شیخ عبدالغافر فارسی کہتے ہیں:۔

''ان کے جاہ وجلال کے سامنے امراء ووزراء اور بارگاہِ خلافت کی شان وشوکت بھی ماند پڑ گئی''۔

شیخ اسعد میہنی کا قول ہے کہ:۔

امام غزالی کے علم وفضل تک وہی رسائی حاصل کرسکتا ہے جسے کمال عقل حاصل ہو۔

ابن نجار رقمطراز ہیں:۔

امام غزالی علی الاطلاق تمام فقہاء کے سرخیل وامام ہیں اور ان کے ربانی امت

ہونے میں سب کا اتفاق ہے، وہ اپنے عہد کے مجدد اور وقت کی ضرورت تھے، انتہائی دوررس غواص فطرت پائی تھی حتی کہ کہا جاتا ہے انہوں نے ''المنخول'' لکھی تو ان کے شیخ ابوالمعالی نے کتاب دیکھ کر کہا کہ ''تم نے تو مجھے جیتے جی مار ڈالا، کچھ صبر کر لیا ہوتا، تمھاری کتاب نے میری کتاب کی شہرت پر پردہ ڈال دیا۔

حافظ ابوالقاسم ابن عساکر کہتے ہیں کہ:۔

'امام غزالی علم فقہ، اس کے مذاہب واختلافات اور اصول مذاہب کے امام ہیں''۔

حافظ ابوسعد بن سمعانی لکھتے ہیں کہ:۔

''قوتِ زبان وبیان، فصاحت وبلاغت، ذکاوت وطباعی اور احساس کی فراوانی میں اپنی مثال آپ تھے''۔

ابن نجار لکھتے ہیں:۔

آپ کی تعظیم وتکریم پر تمام جماعتوں کا اتفاق ہے، مخالفین آپ سے خائف ہیں اور آپ کے دلائل وبراہین سے مناظرین کے حوصلے پست ہو گئے ہیں، آپ کی علمی تنقیحات سے اہل بدعت ومخالفین کی قلعی کھل گئی، سنت کی حمایت اور دین کی سربلندی وسرخروئی ہوئی، آفتابِ عالم تاب کی مثل آپ کی تصانیف کا جہاں میں شہرہ ہوا، آپ کے علمی تفوق وبرتری کی موافق ومخالف سب نے گواہی دی۔

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ فرماتے ہیں:۔

آپ کا آفتابِ شہرت وکمال نصف النہار پر تھا اور آپ فضل وکمال کے اس مقام بلند پر فائز تھے جو کسی علمی اور دینی شخصیت کو حاصل ہو سکتا تھا، لیکن ان کی بے چین طبیعت اور بلند حوصلہ طائرِ ہمت اس شہرت وناموری اور تشنگانِ علم کے اردگرد ازدحام پر راضی نہ ہوا، اور ان کی جویائے حق طبیعت اس مجد وکمال

اور مادی وجاہت کے حصول کے باوجود مضطرب و بے چین رہی، آخر تمام مقام ومرتبہ اور عظمت وسربلندی جس کی بڑے بڑے علماء واولیاء حسرت کرتے ہیں، کی قربانی دے کر تلاشِ حقیقت کیلئے نکل پڑے، اور تمام مال ومتاع، اسباب عیش وراحت سے کنارہ کش ہوکر صحراء نوردی ودشت پیمائی شروع کی اور فقراء ودرویشوں کی سی سادہ زندگی اختیار کی''۔(۱۲)

تمام مباحث میں خواہ ان کا تعلق علوم وعبادات سے ہو یا شریعت وطریقت سے، عادات ومعاملات کا بیان ہو، یا اخلاقی امراض اور نفس کے بگاڑ پر تنقید واحتساب اور زندگی کے مسائل ومشکلات کا حل، ہر جگہ امام غزالی کا اسلوب نہایت آسان شیریں، تشفی بخش اور مؤثر ہے جس کا انسانی قلوب ووجدان پر گہرا اثر پڑتا ہے، نہ ان کے اسلوب کی سنجیدگی مملِ خاطر ہے اور نہ ہی غیر معیاری ہزل گوئی، بلکہ انتہائی شگفتہ اور معتدل اسلوب بیان اختیار کرتے ہیں، سنجیدگی ودل لگی دونوں کے لیے ان کا خاص محل اور مقام ہے، امام غزالی نے تمام موضوعات میں دادِ تحسین پیش کی ہے، جگہ جگہ برمحل اشعار وامثال سے استشہاد کرنا ان کا خاصہ ہے، البتہ اپنے زمانہ کے اکثر ادباء کی طرح وہ اس میں غلو سے کام نہیں لیتے اور نہ ان کی عبارتیں مفردات ومترادفات کے بار سے بوجھل ہوتی ہیں اور نہ محسناتِ لفظیہ کے استعمال میں تکلف برتتے ہیں۔

نمونے

آپ کا کلام مخاطب کے مستوائے فہم کے اعتبار سے مختلف ہوتا، علماء اور عوام دونوں کو ان کے عقلی معیار ومرتبہ کے اعتبار سے خطاب کرتے ہیں، تاکہ کلام قابل فہم ہوسکے ایک جگہ زبان کی آفتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

کلام کو خوب بنانا سنوارنا، تمہیدات ومقدمات گھڑنا اور اسے سجع وقوافی

سے آراستہ کرنا، اس قسم کا تکلف و تصنع ہے جو مذموم و ناپسندیدہ ہے، کلام ایسا کرنا چاہئے کہ جو مخاطب کے سمجھ میں آجائے، کلام کا مقصد ہی دوسروں کو سمجھانا ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے لغو ہے اور تکلفِ مذموم میں داخل ہے، البتہ اس حکم سے وہ قافیہ بندی مستثنیٰ ہے جو خطبوں میں مروج ہے بشرطیکہ اس میں افراط و مبالغہ نہ ہو، کیونکہ خطابت اور تذکیر و وعظ کا مقصود یہ ہوتا ہے، دلوں میں آتشِ شوق بھڑکے اور اچھے اعمال کے جذبہ کو تحریک ملے، اس سلسلہ میں حسین الفاظ کی اثر انگیزی سے انکار نہیں کیا جاسکتا''۔ (۱۳)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ:۔

''نرم گفتگو دلوں سے کینے کا میل دھو دیتی ہے''۔

امام غزالی مزاح کی نافعیت و اثر انگیزی کے معترف ہیں، اس کی بحث کرتے ہوئے ایک جگہ کہتے ہیں:۔

''وہ مزاح ممنوع اور قابل مذمت ہے جس میں مداومت اور افراط سے کام لیا جائے، افراط و غلو سے خالی مزاح مذموم نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں مزاح نہیں کرتا اور سوائے حق کے اس زبان سے کچھ اور نہیں نکلتا''۔ (۱۴)

عشقِ الٰہی

فرماتے ہیں:۔

جاننا چاہئے کہ تمام لذتیں ادراکات کے تابع ہیں اور انسان میں بہت سی قوتیں اور طبیعتیں جمع ہیں اور ہر قوت و طبیعت ایک جداگانہ لذت ہے اور اس لذت کے معنی ہیں کہ ہر طبیعت کو اس کا مقتضی حاصل ہو جائے جس کے لیے وہ تخلیق کی گئی ہے، انسان کے اندر یہ طبیعت بیکار اور عبث پیدا نہیں کی گئی، بلکہ ہر

طبیعت ایسے امر کے لیے وضع کی گئی ہے جو اس کا مقتضی ہے، مثلاً غضب کی طبیعت تشفی اور انتقام کے لیے پیدا کی گئی، بلاشبہ اس کی لذت یہ ہے کہ وہ غلبہ پائے اور انتقام حاصل کرے، کھانے کی خواہش انسان میں اس لئے پیدا کی گئی کہ غذا حاصل کرے اور اس سے وجود کی بقا پائے، لامحالہ اس کی لذت اسی غذا میں ہوگی جو اس کا مقتضی ہے، یہی حال سننے دیکھنے اور سونگھنے کی طبیعتوں کا ہے، ہر طبع کو اپنے مقتضی کے حصول میں لذت ملتی ہے، ان طبائع میں سے کوئی ایسی طبیعت نہیں ہے جسے اپنے مدرکات سے تکلیف یا لذت نہ ملتی ہو، اسی طرح دل کی بھی ایک طبیعت ہے جسے نورِ الٰہی کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "أفمن شرح الله صدره للإسلام فهو على نور من ربه "(سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا وہ اپنے پروردگار کے نور سے پر ہے۔

اس طبیعت کو بصیرتِ باطنہ، نورِ ایمانی اور کبھی یقین کہتے ہیں۔

معرفتِ الٰہی کی لذت

فرماتے ہیں کہ:۔

جو شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات وصفات میں ہمیشہ فکر کرتا ہے اور اس فکر کے نتیجہ میں اس پر بزمِ الٰہی کے کچھ اسرار منکشف ہو جاتے ہیں تو خوشی سے پھولا نہیں سماتا، اس کا دل بلیوں اچھلتا ہے اور اپنے دل کی اس کیفیت پر تعجب کرتا ہے کہ اسرارِ الٰہی کے سامنے وہ کیسے ثابت قدم رہ سکا اور اس میں اس خوشی وفرحت کے تحمل کی قوت کہاں سے آگئی؟ اس کا ادراک صرف ذوق سے ممکن ہے، مزید اس کا بیان کچھ زیادہ مفید نہیں۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت لذیذ ترین شئے ہے

اوراس سے بڑھ کر کوئی لذت نہیں، حضرت ابوسلمان درانی (۱۵) اسی لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کے بعض بندے ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالی کی یاد سے نہ جنت کی امید روکتی ہے اور نہ جہنم کا خوف، بھلا انہیں دنیا کیسے روک سکتی ہے!!!۔

اور فرماتے ہیں:۔

کاش مجھے معلوم ہوسکتا کہ جو لوگ صرف محسوسات کی محبت کو محبت سمجھتے ہیں، وہ اس عقیدے پر کیسے ایمان لا سکتے ہیں کہ قیامت کے دن دیدارِ باری تعالی کی سعادت عطا کی جائیگی، جب کہ اس کی کوئی شکل وصورت نہیں، پھر اس وعدہ کے کیا معنی ہیں جو اللہ تعالی نے اپنے بندوں سے کیا ہے اور اسے عظیم ترین نعمت قرار دیا ہے، اصل بات یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی معرفت رکھتا ہے، وہ یہ بات بھی جانتا ہے کہ یہ ایک لذت تنہا تمام لذتوں کی جامع ہے، ایک شاعر کہتا ہے:

كانت لقلبي أهواء مفرقة
فاستجمعت مذ رأتك العين أهوائي
فصار يحسدني من كنت أحسده
فصرت مولى الورى مذ صرت مولائي
تركت للناس دنياهم ودينهم
شغلا بذكرك يا ديني ودنيائي

ترجمہ: میرے دل کی مختلف خواہشیں تھیں، لیکن جب تم پر نگاہ پڑی تو میں نے اپنی تمام خواہشیں سمیٹ لیں اور پھر وہ شخص مجھ پر رشک کرنے لگا جس پر میں رشک کرتا تھا اور پھر کیا تھا میں تو بندگان خدا کا آقا بن گیا جب سے تو میرا آقا بن گیا، میں نے محض تیری یاد میں اے میری دین و دنیا لوگوں کے لئے ان کی دنیا اور دین سب کچھ چھوڑ دیا۔

لذتِ مناجات

لذتِ مناجات کی عقلی ونقلی توضیح وتشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

اس لذت کو محال سمجھنا مناسب نہیں کیونکہ عقل ونقل دونوں سے اس کا ثبوت ملتا ہے، عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ ایک شخص کسی کے حسن وجمال پر، یا کسی بادشاہ کی داد ودہش پر فریفتہ ہوجائے تو اس کے ساتھ خلوت ومناجات میں اسے کتنی لذت ملتی ہے!! حتی کہ پوری رات آنکھوں میں گذار دیتا ہے، ایک لمحہ کیلئے سوتا نہیں، اگر تمہیں یہ اعتراض ہو کہ ایک خوبرو انسان کے دیدار سے لذت حاصل ہوتی ہے، اور اللہ تعالی کو دکھائی نہیں دیتا، اس کا جواب یہ ہے اگر یہ خوبرو محبوب پردہ کے پیچھے ہو یا کسی تاریک گھر میں ہو تب بھی اس عاشق کو محض قربت اور مجاورت سے ہی وہ لذت حاصل ہوجاتی ہے، خواہ دیدار نہ نصیب ہو، اور نہ کسی اور خواہش کی تکمیل ہوسکے، اس سب کے باوجود محبوب کے روبرو اپنی محبت کا اظہار اور اس کے زبانی تذکرہ سے لذت ملتی ہے، اگرچہ یہ شئے اس کے نزدیک لائقِ ملامت ہے۔

ادب دوستاں

بشار ابن برد کہتا ہے:۔

إذا كنت في كل الأمور معاتبا
صديقك لن تلق الذى لا تعاتبه
فعش واحداً أو صل أخاك فإنه
مقارف ذنب مرة ومجانبه

ترجمہ: اگر تم ہر معاملہ میں اپنے دوست کو برا بھلا کہتے رہو گے تو یاد رکھو کہ تمہیں کبھی ایسا دوست نہیں مل سکے گا جس کو قابلِ ملامت اور برا نہ کہ سکو، اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو پھر بہتر یہ ہے کہ تم تنہا زندگی بسر کر دیا پھر اپنے دوست کے ساتھ ہمدردی کا معاملہ کرو کیونکہ اس سے کبھی غلطی ہوگی اور کبھی نہیں بھی ہوگی۔

امام غزالی اس موضوع پر کہتے ہیں:۔

اگر تم ایسے انسان کے متلاشی ہو جس میں کوئی خامی نہ ہو تو تم ساری مخلوق میں تنہا رہ جاؤ گے اور تمہیں کوئی ساتھی نہ ملے گا، کیونکہ ہر شخص میں کچھ خوبیاں اور کچھ خامیاں ضرور ہوتی ہیں، چنانچہ اگر خوبیاں خامیوں پر غالب ہوں تو سمجھ لو کہ یہی مقصود و منزل ہے، ایک مومن شخص اپنے ذہن میں دوست کے محاسن و خوبیوں کو محفوظ رکھتا ہے جس کی وجہ سے اس کے تئیں دل میں توقیر و عظمت اور محبت کا احساس غالب رہتا ہے اور کمینہ صفت لئیم شخص کی نگاہ ہمیشہ عیوب اور برائیوں پر ہوتی ہے، عبد اللہ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ ''مؤمن اعذار تلاش کرتا ہے اور منافق غلطیاں تلاش کرتا ہے،،۔ حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ ''دوستوں کی غلطیوں سے درگذر، فتوت و مردانگی ہے،،۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے فرمایا ہے کہ ''ایسے برے ہمسائے سے اللہ کی پناہ مانگو جو اچھائیاں دیکھے تو چھپائے اور برائیاں دیکھے تو ظاہر کرے۔

حلم و بردباری

حلم کی فضلیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

حلم غصہ پی لینے سے افضل ہے، اس لیے کہ غصہ پی لینے کے معنی ہیں بتکلف حلم کرنا، یعنی غصہ وہی پیے گا جسے غصہ آئیگا اور غصہ پینے میں سخت

ترین مجاہدہ کی ضرورت ہوگی، لیکن مسلسل ایسا کرنے سے بتکلف حلم اختیار کرنے کی ضرورت نہ رہے گی، بلکہ آہستہ آہستہ غصہ نہ کرنا اس کا مزاج بن جائیگا اور کسی وجہ سے اسے غصہ آیا بھی تو پھر قابو پالینے میں اسے کوئی دشواری محسوس نہیں ہوگی، یہی فطری حلم ہے، اس حلم کے معنی یہ ہیں کہ انسان کامل العقل ہے، اس پر عقل کی بالا دستی قائم ہے اور غیظ وغضب کی قوت مقہور ودر ماندہ ہوچکی ہے، اور وہ عقل کے تابع فرمان ہے، اس سے معلوم ہوا کہ غصہ پینا حلم کا ابتدائی مرحلہ ہے اور حقیقی وطبعی حلم اس کی انتہا، حدیث شریف میں ہے کہ علم سیکھنے سے آتا ہے اور حلم بتکلف حلیم بننے سے۔

امام غزالی علیہ الرحمہ اصحابِ ثروت میں مال کی حد سے زیادہ محبت، انفاق میں بخل اور بندگانِ خدا کے حقوق سے بے خبر محض اپنی عبادات میں توجہ وانہماک رکھنے والوں پر سخت تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

بہت سے مالدار ایسے بھی ہیں کہ حج میں اپنی خوب دولت خرچ کرتے ہیں، حج پہ حج کرتے ہیں، جبکہ ان کے پڑوسی بھوک سے بلبلا رہے ہوتے ہیں، عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس لئے فرمایا کرتے تھے کہ آخر زمانے میں ایسے لوگوں کی کثرت ہوگی جو بلاسبب حج کیا کریں گے، دولتمند ہونے سے ان کیلئے حج کرنا آسان ہوگا، لیکن وہ اس سفر سے محروم، ناکام ونامراد واپس ہونگے خود تو اونٹوں پر سوار جنگلوں اور ریگستانوں میں پھریں گے اور ان کے پڑوسی محتاج ہونگے، جن کی وہ مدد وغمخواری نہ کریں گے۔

ایک جماعت ان دولتمندوں کی ہے جو صرف رکھنے کیلئے دولت بٹورتے ہیں اور اپنے فطرتِ بخل کی وجہ سے اسے خرچ نہیں کرتے، پھر ایسی جسمانی عبادتیں کرتے ہیں جن میں خرچ نہ کرنا پڑے، جیسے دن میں روزہ رکھنا، رات کو

نماز پڑھنا، قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا وغیرہ، یہ لوگ بھی فریب خوردہ ہیں کیونکہ بخل جیسی مہلک بیماری ان کے دلوں پر حاوی ہو چکی ہے، یہ بیماری اسی طرح دور ہو سکتی ہے کہ مال خرچ کیا جائے، جن فضائل اعمال میں وہ مشغول ہیں اس کے ذریعہ وہ اس بیماری کا علاج نہیں کر سکتے، ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے کپڑوں میں سانپ گھس جائے اور وہ ہلاکت کے قریب پہنچ جائے لیکن وہ صفراء کے علاج کیلئے سکنجبین تیار کرنے میں مصروف ہو جائے، اگر اسے سانپ ڈس لے تو کیا یہ دوا کچھ بھی کارگر ہو سکے گی، حضرت بشر حافی سے کسی نے کہا کہ فلاں مالدار بہت نمازی ہے، اور بہت زیادہ روزے رکھتا ہے، تو انہوں نے کہ بیچارہ مسکین انسان اپنی حالت چھوڑ ایسی حالت اختیار کر لی جو اس کے مناسب نہیں، اور ایسے کاموں سے دور ہو گیا جو اس کے مناسب ہیں، اس کے شایانِ شان کام تو یہ تھا کہ بھوکوں کو کھانا کھلاتا اور ناداروں، مسکینوں اور محتاجوں پر خرچ کرتا اس کا یہ عمل خود بھوکا رہنے سے بہتر ہے۔(۱۶)

جو لوگ مجالس ذکر میں شرکت اور کثرت ذکر و اذکار سے فریب کھا جاتے ہیں اور عبرت نہیں حاصل کرتے ان کے متعلق امام غزالی کا تبصرہ ملاحظہ ہو:۔

''ایک دوسری جماعت ان لوگوں کی بھی ہے جس میں عوام کی تخصیص ہے اور نہ دولتمندوں کی اور نہ غریبوں کی، سب اسی مرض میں مبتلا ہیں، یہ لوگ مجالس ذکر میں حاضری کے فریب میں مبتلا ہیں اور اسی کو اپنی نجات کیلئے کافی تصور کرتے ہیں، ایسی مجالس میں شرکت ایک رسم اور عادت بن گئی ہے اور یہ گمان کرنے لگے ہیں کہ محض وعظ سننا بھی اجر سے خالی نہیں، چاہے اس پر عمل نہ ہو، اور خواہ اس سے نصیحت نہ حاصل کی جائے، یہ ان کے حق میں مغالطہ اور نفس کا فریب ہے، مجلس ذکر کی افضلیت اس وجہ سے ہے کہ وہ اعمال خیر پر رغبت کا

سبب ہوتی ہیں اور اگر مجلس کا یہ فائدہ نہ ہو تو وہ ہر طرح کے خیر اور و برکت سے خالی ہے، جب وہ محفل انسان کو عمل خیر پر آمادہ نہ کرے اسے محمود نہیں کہا جا سکتا اور اگر وہ خیر کی محرک نہ ثابت ہوں تو ایسی مجالس میں کوئی خیر نہیں۔

وہ فرماتے ہیں کہ:۔

ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی حکیم کے مطب میں جائے امراض و معالجات کی قبیل کی جو گفتگو ہو اسے بغور سنے، یا کوئی بھوکا کسی شخص کے پاس جا بیٹھے جو لذیذ کھانوں کا ذکر کر رہا ہو اور پھر اٹھ کر چلا آئے، ظاہر ہے ان کے ایسا کرنے سے نہ مرض میں افاقہ ہوگا اور نہ بھوک مٹ سکے گی۔ (۱۷)

وعظ کی زکوۃ خود بھی نصیحت حاصل کرنا ہے

ابن سمعانی کہتے ہیں کہ:۔

موصل میں مقیم ابو حامد ابن احمد ابن سلامہ کے نام امام غزالی کے ایک خط میں میں نے پڑھا وہ فرماتے ہیں کہ ''جہاں تک وعظ کی بات ہے تو میں خود کو اس کا اہل نہیں سمجھتا کیونکہ وعظ کی زکوۃ یہ ہے کہ اس سے خود بھی نصیحت حاصل کی جائے، چنانچہ جو مالک نصاب ہی نہ ہو بھلا وہ کیا زکوۃ نکالے گا؟ جس کے پاس ستر پوشی کیلئے کپڑے میسر نہ ہوں وہ دوسروں کی تن پوشی کیسے کر سکے گا، جب لکڑی ہی ٹیڑھی ہو تو بھلا اس کا سایہ کیسے سیدھا رہ سکے گا، لوگوں کو تب ہی نصیحت کرنا جب اس سے خود فائدہ اٹھاؤ، ورنہ وعظ کہنے میں تمہیں شرم آنی چاہئے۔

دین کے دو حصے ہیں

امام غزالی فرماتے ہیں:۔

یاد رکھو دین کے دو حصے ہیں: ایک یہ ہے کہ منہیات سے اجتناب ہو اور دوسرا یہ کہ طاعات پر عمل ہو، منہیات سے اجتناب زیادہ سخت ہے اور طاعات پر تو ہر ایک قادر ہے، ترکِ خواہشات پر تو صدیقین ہی قادر ہو پاتے ہیں، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حقیقی مہاجر وہ ہے جو برے اعمال ترک کردے اور سچا مجاہد وہ ہے جو اپنے آپ سے جہاد کرے۔

حوالہ جات

(۱) رجال الفکر والدعوۃ فی الإسلام، از: مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، طبقات الشافعیۃ الکبری: ۱۹۱/۶، شذرات الذہب: ۱۰/۴، اتحاف السادۃ المتقین: ۶/۱، مفتاح السعادۃ: ۲۳۲/۲، الکامل لابن اثیر: ۴۹۱/۱۰، النجوم الزاھرۃ: ۲۰۳/۵، سیر أعلام النبلاء: ۳۲۲/۱۹، المجددون فی الإسلام: ۱۸۱، وفیات الأعیان: ۲۱۶/۴، الحقیقۃ فی نظر الغزالی، از: ڈاکٹر اسلیمان دنیا (دار المعارف، مصر) مولفات غزالی: المنقذ من الضلال، احیاء علوم الدین، سیرۃ الامام الغزالی: از: عبد الکریم عثمان، مطبوعہ دار الفکر دمشق، الأعلام، از: زرکلی۔

(۲)۔ طبقات الشافعیۃ الکبری، از: تاج الدین سبکی: ۱۹۴/۶۔

(۳)۔ یہ شیخ الشافعیۃ امام اعظم امام الحرمین ابوالمعالی عبد الملک بن امام ابو محمد عبد اللہ بن یوسف الجوینی النیسا پوری (ولادت ۴۱۹ھ) ہیں، ان کے تذکرہ کے لئے ملاحظہ کریں: سیر اعلام النبلاء: ۴۶۸/۱۸، وفیات الأعیان: ۱۶۷/۳، الأنساب، از: سمعانی: ۳۸۶/۳، معجم البلدان: ۱۹۳/۲، البدایۃ والنہایۃ: ۱۶۵/۱۲ طبقات السبکی: ۱۶۵/۵، الجوینی امام الحرمین، از: ڈاکٹر فوقیہ حسین محمود، بسلسلۂ أعلام العرب، نمبر ۴۰، ۱۹۶۵ء۔

(۴)۔ یہ ابوالفتح ملک شاہ بن الب ارسلان محمد بن داؤد ہیں، مفصل تذکرہ کے ملاحظہ کریں: أخبار الدولۃ السلجوقیۃ، وفیات الأعیان: ۲۸۳/۵، سیر اعلام النبلاء: ۵۴/۱۹، الکامل فی التاریخ، از: ابن اثیر: ۷۶/۱۰، تاریخ ابن خلدون: ۱۳/۵۔

(۵)۔ یہ وزیر نظام الملک قوام الدین ابوعلی حسن بن علی بن اسحاق طوسی (ولادت ۴۰۸ھ وفات ۴۸۵ھ) ہیں، تفصیل کے لیے دیکھیں: تاریخ دولۃ آل سلجوق: ۱۱۵/۱، معجم البلدان: ۱۳/۳، وفیات الأعیان: ۱۲۸/۲، طبقات الشافعیۃ، از: سبکی: ۳۰۹/۴، سیر اعلام النبلاء: ۹۴/۱۹، الوافی بالوفیات: ۱۲۳/۱۲، النجوم الزاھرۃ: ۱۳۶/۵۔

(۶)۔ دیکھیئے: وفیات الأعیان: ۱۱۲/۷، الأعلام از: زرکلی: ۲۲۲/۸، تاریخ ابن الأثیر: ۱۲۶/۹۔

(۷)۔ شیخ الطائفہ ابوبکر شبلی بغدادی مقام ولادت سامرا اور مقام وفات بغداد ۳۳۴ھ، تفصیل کے لیء ملاحظہ کریں: سیر أعلام النبلاء: ۳۶۷/۱۵، حلیۃ الأولیاء: ۳۶۶/۱۰، تاریخ بغداد: ۳۸۹/۱۴، طبقات الصوفیۃ، شذرات الذہب: ۳۳۸/۲، النجوم الزاہرۃ: ۲۸۹/۳، طبقات الأولیاء: ۲۰۴۔

(۸)۔ سلطان العارفین ابویزید طیفور بن عیسی بن شروسان بسطامی زاہد وقت ہیں، ۲۶۱ھ میں وفات ہوئی، مزید دیکھیے: طبقات الصوفیۃ: ۶۷، حلیۃ الأولیاء: ۳۳/۱۰، وفیات الأعیان: ۵۳۱/۲، سیر اعلام النبلاء: ۸۶/۱۳۔

(۹)۔ المنقذ من الضلال۔

(۱۰)۔ رجال الفکر والدعوۃ فی الإسلام از ابوالحسن علی حسنی ندوی جلد اول بحوالہ: المنقذ من الضلال، ص: ۲۸ تا ۳۰ مختصراً۔

(۱۱)۔ تاریخ فلاسفۃ الإسلام فی الشرق والغرب، از محمد مصطفیٰ جمعہ۔

(۱۲)۔تاریخ دعوت وعزیمت، ازمولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی، جلد اول۔

(۱۳)۔ احیاء علوم الدین ،از امام غزالی :۱۹۰/۳،مطبوعہ دار الحدیث، قاہرۃ،۱۹۹۲ء

(۱۴)۔احیاءعلوم الدین ازامام غزالی:۲۰۱/۳ مطبوعہ دارالحدیث،قاہرۃ،۱۹۹۲ء۔

(۱۵)۔ابوسلیمان عبدالرحمٰن بن احمد بن عطیۃ عنسی الدارانی شیخ طریقت اورمعروف زاہد ہیں، نامور صاحب طریقت اورارباب مجاہدہ وریاضت میں آپ کا شمار ہوتا ہے ، مزید تفصیل کیلئے دیکھئے :وفیات الأعیان:۱۳۱/۳، طبقات الصوفیۃ از سلمی:۷۵،حلیۃ الأولیاء:۲۵۴/۹،صفۃ الصفوۃ:۱۹۷/۴،تاریخ بغداد:۲۴۸/۱۰،الأنساب ازسمعانی:۲۴۳/۵،طبقات الشعرانی:۹۲/۱، النجوم الزاہرۃ:۱۷۹/۲،شذرات الذہب:۱۳/۲۔

(۱۶)۔ ۱/احیاء علوم الدین از امام غزالی :۶۳۳/۳-۶۳۴ مطبوعہ دار الحدیث،قاہرۃ،۱۹۹۲ء۔

(۱۷)۔ احیاء علوم الدین از امام غزالی :۶۳۵/۳ مطبوعہ دار الحدیث، قاہرۃ،۱۹۹۲ء۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (۱)

۴۷۱ھ-۵۶۱ھ

نسب وخاندان:

محی الدین ابومحمد عبدالقادر بن ابوصالح جنگی دوست موسی بن ابوعبداللہ زاہد ابن محمد داؤد ابن موسی ابن عبداللہ ابن موسی الجون ابن عبداللہ المحض ابن حسن مثنی ابن ابومحمد حسن ابن امیر المؤمنین علی ابن طالب رضی اللہ عنہ۔ ان کا نسب باپ کی جانب سے شیخ ابوصالح جنگی کے توسط سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اور ماں سیدہ ام الخیر امۃ الجبار فاطمہ کی طرف سے سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ تعالی عنہما تک پہنچتا ہے۔

تعلیم وتدریس:

۴۷۱ھ میں جیلان میں پیدا ہوئے، ''فوات الوفیات'' میں شیخ شمس الدین کے حوالہ سے تاریخ ولادت ۴۹۱ھ ذکر کی گئی ہے، ۵۶۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی، جوانی کی عمر میں بغداد آئے، ابوسعد مخرمی (۲) سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور ابوطالب باقلانی (۳) احمد بن مظفر بن سوسن (۴)، ابوالقاسم بن بیان، جعفر ابن احمد سراج (۵)، ابوسعد ابن خشیش اور ایک بڑی جماعت سے احادیث کی سماعت کی، آپ کے شاگردوں میں سمعانی، عمر ابن علی قریشی، شیخ موفق الدین ابن قدامہ اور علماء کی جماعت ہے۔

علامہ سمعانی کہتے ہیں:۔

عبدالقادر جیلانی حنابلہ کے امام اور اپنے وقت کے شیخ تھے، نیک متدین اور ماہر فقیہ تھے، ان کے یہاں ذکر کی کثرت تھی، ہر لحظہ ذکر وفکر میں مستغرق ہوتے، کثرتِ گریہ ان کی خاص صفت تھی، مخرمی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور شیخ حماد دباس (۶) کی صحبت اختیار کی، ''باب ازج'' میں ایک مدرسہ جو خاص ان کے لیے بنایا گیا تھا، وہاں ان کا قیام تھا۔

ابن جوزی لکھتے ہیں کہ:۔

ابوسعد مخرمی نے ''باب الازج'' میں ایک شاندار مدرسہ تعمیر کرایا تھا اور اس کی ذمہ داری عبدالقادر جیلانی کے سپرد کردی گئی تھی، چنانچہ شیخ عبدالقادر جیلانی بحیثیت ایک واعظ لوگوں کے سامنے آئے اور زاہدانہ صفت کی وجہ سے ان کا طوطی بولنے لگا، ان کا اپنا خاص طریقہ اور انداز تھا، لوگوں کے ازدحام کی وجہ سے جب مدرسہ تنگ ہونے لگا، تو بغداد کی فصیل سے ٹیک لگا کر بیٹھنے لگے، ان کی مجلس میں بندگانِ خدا کا ایک جم غفیر تائب ہوتا، پھر مدرسہ بھی آباد ہوا اور اس میں توسیع ہوئی، عوام نے اس سلسلہ میں تعصب سے کام لیا اور وہ وفات تک وہیں مقیم رہ کر وعظ ونصیحت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

ابن نجار اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ:۔

شیخ عبدالقادر جیلانی ۴۸۸ھ میں بغداد تشریف لائے اور فقہ کا علم انہوں نے ابن عقیل (۷) ابوالخطاب، مخرمی، ابوالحسین ابن الفراء (۸) سے حاصل کیا اور اصول وفروع اور اختلافات میں مہارت وپختگی حاصل کی اور احادیث کی سماعت کی، ادب ابوزکریا تبریزی سے پڑھا، وعظ وخطابت میں مشغول ہوئے تو اس میں اللہ نے تفوق عطا فرمایا، خلوت نشینی، ریاضت ومجاہدہ اور سیاحت کو اپنا معمول بنایا، ویرانوں اور صحراؤں کو آباد کیا اور شیخ دباس کی صحبت اختیار کی،

پھر خلقِ خدا میں ان کی شہرت ہوگئی اور ان کو قبولِ عام حاصل ہوا، اللہ نے ان کی زبان پر حکمت کے سوتے جاری کر دیے، پھر تدریس وافتاء کے فرائض انجام دیے اور دور دور سے لوگ ان کی زیارت و دیدار کے لیے شدرحال کرنے لگے، اصول وفروع میں ان کی تصانیف ہیں اور تصوف وطریقت کے باب میں ان کو بلند مرتبہ کا حاصل ہے۔

ابن رجب (۷۳۶ھ-۷۹۵ھ) کی ذیل طبقات الحنابلہ میں ہے کہ:

شیخ عبد القادر جیلانی لوگوں کے سامنے ایک واعظ وخطیب کی حیثیت ۵۲۰ھ کے بعد آئے اور لوگوں کے درمیان ان کو مقبولیتِ تام حاصل ہوئی اور سب نے ان کی دینداری اور صلاح وتقوی کا اعتراف کیا، ان کی ذات اور ان کے کلام اور ان کے مواعظ سے فائدہ اٹھایا، اہل سنت کو ان کے غلبہ سے بڑی تقویت ملی، ان کے احوال واقوال، کرامات اور مکاشفات بہت مشہور ہیں، بادشاہوں اور وزراء کے دلوں میں بھی ان کا رعب وہیبت تھی۔

شیخ موفق الدین ابن قدامہ صاحب المغنی فرماتے ہیں کہ:۔

شیخ عبد القادر جیلانی سے زیادہ کسی اور کے کرامات کا تذکرہ اتنی کثرت وتواتر سے میں نے نہیں سنا، دینداری کی وجہ سے ان سے زیادہ کسی کی تعظیم میں نے نہیں دیکھی۔

شیخ الشافعیہ شیخ عزالدین ابن عبد السلام فرماتے ہیں کہ:۔

تمام مشائخ میں شیخ عبد القادر جیلانی کے سوا کسی اور کے کرامات تواتر سے نہیں بیان کی گئیں،، شیخ عبد القادر جیلانی کے کرامات کا تذکرہ تواتر سے ہوا ہے۔

جبائی کہتے ہیں کہ:۔

شیخ عبد القادر جیلانی نے مجھ سے فرمایا کہ میں خواب وبیداری دونوں

حالتوں میں امر و نہی کا فریضہ انجام دیتا، تو گفتگو مجھ پر غالب کر جاتی اور میرے قلب پر ہجوم ہوتا کہ اگر کلام نہ کیا تو جیسے دم گھٹنے لگے گا، خاموش رہنا بھی میرے بس میں نہ تھا، ابتداء میں دو تین لوگ میری مجلس میں ہوتے، پھر لوگوں میں میرا تذکرہ ہوا اور خلقِ خدا ٹوٹ پڑی حتی کہ آج حال یہ ہے کہ میری مجلس میں تقریباً ستر ہزار لوگ ہوتے ہیں۔

مزید فرمایا کہ:۔

میں نے تمام اعمال کا جائزہ لیا تو (بھوکے) کو کھانا کھلانے سے بہتر مجھے کوئی عمل نہیں ملا، میری خواہش ہے کہ پوری دنیا اگر میرے تصرف میں ہوتی تو میں بھوکوں کو کھلا دیتا، اگر ایک ہزار دینار بھی میرے پاس آجائیں تو رات گذرنے کا انتظار نہ کروں سب تقسیم کردوں۔

فرمایا کہ:۔

اللہ تعالیٰ میری ذات سے مخلوق کی منفعت چاہتا ہے، اسی لیے میرے ہاتھوں میں پانچ سو سے زیادہ لوگوں نے اسلام قبول کیا اور ایک لاکھ سے زائد تائب ہوئے۔

زہد و انقطاع سے قبل تفقہ کی تلقین:

جبائی کہتے ہیں کہ:۔

میں ''حلیہ'' میں علی ابن ناصر سے تعلیم حاصل کر رہا تھا کہ میرے دل میں رقت پیدا ہوئی اور میں نے سوچا کہ میری خواہش ہے کہ عزلت و انقطاع اختیار کروں اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو جاؤں، چنانچہ میں وہاں سے چل دیا اور شیخ عبدالقادر کے پیچھے نماز پڑھی، جب ان کی مجلس میں حاضری ہوئی تو

مجھے دیکھ کر فرمایا کہ اگر عزلت وخلوت کا ارادہ ہو تو تفقہ کے حصول، شیوخ کی مجالست اور طویل صحبت اور ادب سیکھنے سے پہلے مت اختیار کرنا، ورنہ جاؤ عزلت وخلوت نشیں ہو جاؤ اور بے پر کے چوزوں کی طرح بنے رہو (جن میں طاقت پرواز نہیں ہوتی)۔

تائبین کے بالوں کا قصہ:

ابوالبقاء عکبری کہتے ہیں کہ:۔

میں نے یحی بن نجاح ادیب کو کہتے سنا کہ ایک دن میں نے سوچا کہ ذرا شمار کروں شیخ نے کتنے تائبین کے بال کاٹے ہیں، چنانچہ میں مجلس میں حاضر ہوا مرے پاس ایک دھاگا تھا جب بھی شیخ بال کاٹتے میں کپڑے کے اندر ہی چھپا کر دھاگے میں گرہ لگا دیتا، میں لوگوں میں سب سے پیچھے تھا، اچانک شیخ فرمانے لگے میں تو آزاد کر رہا ہوں اور تم گرہ لگا رہے ہو۔(۹)

علم کلام سے نفرت:

ابن النجار اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ:۔

میں نے شیخ الصوفیہ عمر ابن محمد سہروردی (۵۳۶ھ-۶۳۲ھ)(۱۰) سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نوجوانی میں مدرسہ نظامیہ بغداد کا فقہ کا طالب علم تھا، اسی زمانہ میں میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کچھ علم کلام کا بھی مطالعہ کروں اور کسی کو بتائے بغیر میں نے اس کا پختہ ارادہ کر لیا، اتفاق ایسا ہوا کہ میں نے اپنے چچا ابو نجیب کے ساتھ جامع مسجد میں جمعہ ادا کیا، وہیں ان کے پاس شیخ عبدالقادر سلام کر کے تشریف لائے، چچا نے ان سے میرے حق میں دعا کی درخواست کی اور

بتایا کہ یہ فقہ کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، میں نے کھڑے ہو کر ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا، انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ جس علم (کلام) میں اشتغال کا ارادہ کیا ہے، اس سے توبہ کرلو، یقیناً تم کامیاب ہوگے، پھر خاموش ہوگئے اور میرا ہاتھ چھوڑ دیا، لیکن علم کلام سے اشتغال کا ارادہ نہیں بدلا، حتی کہ میرے حالات میں عجیب تشویش پیدا ہوئی تو مجھے یقین ہوگیا کہ یہ سب شیخ کی مخالفت کا نتیجہ ہے۔(۱۱)

شیخ کا مقام اور اخلاق:

شیخ الاسلام شیخ محی الدین نووی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''بستان العارفین'' میں رقمطراز ہیں کہ:۔

ثقہ ناقلین سے مروی جو کرامات ہم تک پہنچے ہیں، ان میں سب سے زیادہ قطبِ وقت شیخ بغداد محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی ہیں، وہ بغداد کے سادات شوافع وحنابلہ کے شیخ تھے، اس عہد میں ریاستِ علم ان ہی پر تمام تھی، کئی اکابر ان کی صحبت سے فیضیاب ہوئے اور نامور مشائخ عراق کی نسبت ان کی جانب ہے، ان کے حلقۂ ارادت میں قابل رشک اصحاب حال شامل ہیں اور خلق خدا کی ایک بڑی تعداد ان کی شاگرد ہے، ان کے حلقہ ارادت میں بلند مقامات کے حاملین بھی ہیں، ان کی تعظیم وتکریم، توقیر وتجلیل، ان کے قول کی جانب رجوع کرنے اور ان کے فیصلہ کو تسلیم کرنے پر علماء ومشائخ کا اتفاق ہے، نذر ونیاز کے ساتھ ان کی زیارت کے لیے لوگ دور سے آتے ہیں، ہر ایک کی تمناؤں کا وہ مرکز ہیں، دنیا جہان کے اہل سلوک کا ملجا وماوی ہیں، نہایت عمدہ صفات کے حامل، اعلی اخلاق، مکمل ادب، مروت کا پیکر، تواضع وخوش اخلاقی، علم وعقل کی مجسم تصویر، شریعت کے ہر خطابات پر کاربند، اہل علم اور اربابِ دین کی

تعظیم وتوقیر کرتے اور اہل بدعت ونفس پرستوں کو ناپسند فرماتے، مجاہدہ میں دوام اور موت کے مراقبہ کے ساتھ حق کے متلاشیوں سے بہت محبت وشفقت کا معاملہ فرماتے، علوم ومعارف کے باب میں ان کا کلام بڑی وقعت کا حامل ہے، محارمِ الٰہی کی توہین ہوتی تو بہت غضبناک ہوجاتے، بڑے فیاض کریم النفس تھے، بہتر طریقہ پر گامزن تھے، خلاصہ یہ کہ ان کے زمانہ میں ان جیسا کوئی نہ تھا۔

حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی سے سوال کیا گیا کہ دف ومواصیل اور دیگر آلات سماع جو آج درویشوں کے یہاں رائج ہیں، اس کے بارے میں شیخ عبدالقادر جیلانی کچھ منقول ہے؟ یا ان کی مجلس میں ہوا ہو؟ یا اباحت وحرمت کی تعلق سے انہوں نے کچھ کہا ہو، تو حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ:۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ایک جید عالم، زاہد اور عابد شب زندہ دار تھے، لوگوں کے سامنے خطاب کرتے اور زہد وانابت کی دعوت دیتے، معصیت کی سزا سے ڈراتے، چنانچہ ان کے ہاتھ پر بے شمار خلقِ خدا توبہ کرتی، ان کی بہت سی کرامات ہیں، ان کی کرامات کا تذکرہ دیگر مشایخ کے مقابلہ میں زیادہ ہے، لیکن ان آلات کے ساتھ مسئلہ سماع کی بابت مجھے ان کے تعلق سے کچھ بھی معلوم نہیں۔(۱۲)

شیخ کا منہج اور ان کے کلام کی تاثیر

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اپنی کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' میں شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ کے عصر اور اس وقت کے حالات کی تصویر کشی، امت مسلمہ کی مادیت کی جانب رجحان اور غیر اسلامی تمدن وتہذیب کی حد سے زیادہ پرستش کی جانب رجحان پر تبصرہ کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

شیخ عبدالقادر جیلانی کا مادی وجود خواہ ان واقعات سے علاحدہ اور دور رہا

ہو، لیکن اپنے شعور واحساس کے ساتھ وہ اسی آگ میں جل رہے تھے اور اسی سوز دروں نے ان کو پوری ہمت وطاقت اور اخلاص کے ساتھ وعظ وارشاد، دعوت وتربیت اصلاح نفوس اور تزکیہ قلوب کی طرف متوجہ کیا اور انہوں نے نفاق اور حبِ دنیا کی تحقیر وتذلیل، ایمانی شعور کے احیاء، عقیدۂ آخرت کی تذکیر اور اس سرائے فانی کی بے ثباتی کے مقابلہ میں اس حیات جاودانی کی اہمیت، تہذیب اخلاق، توحید خالص اور اخلاص کامل کی دعوت پر سارا زور صرف کر دیا۔

آپ کے مضامین ومواعظ ہر وقت کے مناسب اور سامعین اور مخاطبین کے حالات وضروریات کے مطابق ہوتے تھے، عام طور لوگ جن بیماریوں میں مبتلا اور جن مغالطوں میں گرفتار تھے، انہی کا ازالہ کیا جاتا تھا، اسی لیے حاضرین آپ کے ارشادات میں اپنے زخم کا مرہم، اپنے مرض کی دوا اور اپنے سولات وشبہات کا جواب پاتے تھے اور تاثیر ونفع عام کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ پھر آپ زبانِ مبارک سے جو فرماتے تھے وہ دل سے نکلتا تھا، اس لیے دل پر اثر کرتا تھا، آپ کے کلام میں بیک وقت شوکت وعظمت بھی ہے اور دلآویزی اور حلاوت بھی اور صدیقین کے کلام کی یہی شان ہے۔ (۱۳)

شیخ عمر کیسانی کہتے ہیں کہ:۔

کوئی مجلس ایسی نہ ہوتی تھی کہ جس میں یہودی اور عیسائی اسلام نہ قبول کرتے ہوں اور رہزن اور خونی جرائم پیشہ توبہ سے مشرف نہ ہوتے ہوں، فاسد الاعتقاد اپنے غلط عقائد سے توبہ نہ کرتے ہوں۔ (۱۴)

مواعظ وملفوظات کے نمونے

فرماتے ہیں:۔

دنیا میں اپنا مقسوم اس طرح مت کھا کہ وہ بیٹھی ہوئی ہو اور تو کھڑا ہو، بلکہ بادشاہ کے دروازہ پر اس طرح کھا کہ تو بیٹھا ہوا ہو اور وہ طباق اپنے سر رکھے ہوئے کھڑی ہو، دنیا خدمت کرتی ہے اس کی جو حق تعالیٰ کے دروازہ پر کھڑا ہوتا ہے اور جو دنیا کے دروازہ پر کھڑا ہوا ہوتا ہے اس کو ذلیل کرتی ہے، کھا حق تعالیٰ کے ساتھ عزت وتونگری کے قدم پر۔(۱۵)

حضرت شیخ کے یہاں رہبانیت کی تعلیم نہیں، وہ دنیا کے استعمال اور اس سے بقدر ضرورت انتفاع سے منع نہیں فرماتے، اس کی پرستش اور قلبی عشق وتعلق سے منع فرماتے ہیں، شیخ دنیا سے بقدر ضرورت استفادہ اور انتفاع کی دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے ہاتھوں میں دنیا ہوتی ہے، لیکن وہ اس سے محبت نہیں کرتے، وہ تو دنیا کے مالک ہوتے ہیں، لیکن ان پر دنیا کا اختیار نہیں ہوتا، دنیا انہیں پسند کرتی ہے، لیکن وہ دنیا کو پسند نہیں کرتے، دنیا ان کے پیچھے بھاگتی ہے، لیکن وہ دنیا کے پیچھے نہیں بھاگتے، وہ دنیا کو استعمال کرتے ہیں، لیکن دنیا ان کو استعمال نہیں کر پاتی، وہ دنیا کا مال ومتاع بے دریغ لٹاتے ہیں، لیکن دنیا ان کو بے دریغ نہیں لٹا پاتی، کیونکہ ان کا دل اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہوتا ہے اور دنیا اس کو بگاڑنے کی قدرت نہیں رکھتی، اس لیے وہ دنیا میں من چاہا تصرف کرتے ہیں، لیکن ان پر دنیا کوئی تصرف کرنے کی قدرت نہیں رکھتی، اللہ کے رسول ﷺ نے اسی لیے ارشاد فرمایا ہے: ''کیا ہی بہتر ہے کہ اچھا مال اچھے بندہ کیلئے ہو''۔

فرماتے ہیں:۔

دنیا ہاتھ میں رکھنی جائز، جیب میں رکھنی جائز، کسی اچھی نیت سے اس کو جمع رکھنا جائز، باقی قلب میں رکھنا جائز نہیں (کہ دل سے محبوب بھی سمجھنے لگو)

دروازہ پر اس کا کھڑا ہونا جائز، باقی دروازہ سے آگے گھسنا نہ جائز ہے نہ تیرے لیے عزت ہے"۔(۱۶)

حضرت جیلانی بے کاری و بیروزگاری کی زندگی کو پسند نہیں فرماتے، ان کو قطعاً یہ گوارا نہیں کہ انسان دوسروں کا دست نگر اور محتاج ہو، وہ محنت اور کسبِ حلال کی تاکید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:۔

لوگو! اللہ تعالیٰ کی (صدق دل سے) عبادت کرو اور حلال کمائی کے ذریعہ اس کی عبادت میں مدد و تعاون چاہو، بیشک اللہ تعالیٰ اس مومن و مطیع بندہ کو پسند کرتا ہے جو حلال کمائی کھاتا ہو، اللہ اس کو پسند کرتا ہے جو محنت کر کے کھاتا ہے اور اسے ناپسند کرتا ہے جو کھاتا تو ہے لیکن نہ محنت کرتا ہے اور نہ کام، اللہ اس کو پسند کرتا ہے جو اپنی کمائی کھاتا ہے اور جس شخص کی روزی کا مدار نفاق اور بندگانِ خدا پر توکل ہو اللہ تعالیٰ اس کو ناپسند کرتا ہے۔

مسلمانوں کی حالتِ زار پر افسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

اسلام رو رہا ہے اور ان فاسقوں اور ان بدعتیوں، گمراہوں، مکر کے کپڑے پہننے والوں اور ایسی باتوں کا دعویٰ کرنے والوں کے (ظلم) سے جو ان میں موجود نہیں ہیں، اپنے سر کو تھامے ہوئے فریاد مچا رہا ہے، اپنے متقدمین اور نظر کے سامنے والوں کی طرف غور کرو کہ امر و نہی بھی کرتے تھے اور کھاتے پیتے بھی تھے (اور دفعتاً انتقال پا کر ایسے ہو گئے) گویا ہوئے ہی نہ تھے، تیرا دل کس قدر سخت ہے؟ کتا بھی شکار کرنے اور کھیتی اور مویشی کی نگہبانی اور مالک کی حفاظت کرنے میں اپنے مالک کی خیر خواہی کرتا ہے اور اسے دیکھ کر (خوشی کے مارے) کھلاریاں کرتا ہے، حالانکہ وہ اس کو شام کے وقت صرف ایک دو نوالے یا ذرا سی مقدار کھانا دیا کرتا ہے اور تو ہر وقت اللہ کی قسم قسم کی نعمتیں شکم سیر

ہوکر کھاتا رہتا ہے، مگر ان نعمتوں کے دینے سے جو اس کو مقصود ہے نہ تو اس کو پورا کرتا ہے اور نہ اس کا حق ادا کرتا ہے (بلکہ اس کے برعکس) اس کا حکم رد کرتا ہے اور اس کے حدود شریعت کی حفاظت نہیں کرتا۔ (۱۷)

ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

کل مخلوقات کو اس طرح سمجھو کہ بادشاہ نے جس کا ملک بہت بڑا اور حکم سخت اور رعب وداب دل دہلا دینے والا ہے، ایک شخص کو گرفتار کر کے اس کے گلے میں طوق اور پیروں میں کڑا ڈال کر ایک صنوبر کے درخت میں ایک نہر کے کنارے جس کی موجیں زبردست، پاٹ بہت گہری، بہاؤ بہت زوروں پر ہے، لٹکا دیا ہے اور خود ایک نفیس اور بلند کرسی پر کہ اس تک پہنچنا مشکل ہے، تشریف فرما ہے اور اس کے پہلو میں تیر و پیکان، نیزہ و کمان اور ہر طرح کے اسلحہ کا انبار ہے جن کی مقدار خود بادشاہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اب ان میں سے جو چیز چاہتا ہے اٹھا کر اس لٹکے ہوئے قیدی پر چلاتا ہے، تو کیا (یہ تماشا) دیکھنے والے کیلئے بہتر ہوگا کہ وہ سلطان کی طرف سے نظر ہٹا لے اور اس سے خوف وامید ترک کر دے اور لٹکے ہوئے قیدی سے امید وبیم رکھے، کیا جو شخص ایسا کرے عقل کے نزدیک بے عقل، بے ادراک، دیوانہ، چوپایہ اور انسانیت سے خارج نہیں ہے، خدا کی پناہ بینائی کے بعد نابینائی، اور وصال کے بعد جدائی اور قرب وترقی کے بعد تنزل اور ہدایت کے بعد گمراہی اور ایمان کے بعد کفر سے آشنائی''۔ (۱۸)

ایک دوسری مجلس میں توحید و اخلاق اور ماسوائے اللہ سے انقطاع کی تعلیم اس طرح دیتے ہیں:۔

اس پر نظر رکھو جو تم پر نظر رکھتا ہے، اس کے سامنے رہو جو تمھارے سامنے رہتا ہے، اس سے محبت کرو جو تم سے محبت کرتا ہے، اس کی بات مانو جو تم کو بلاتا ہے، اپنا

ہاتھ اسے دو جو تم کو گرنے سے سنبھال لے گا اور تم کو جہل کی تاریکیوں سے نکال لے لے گا اور ہلاکتوں سے بچائے گا، نجاستیں دھو کر میل کچیل سے پاک کرے گا، تم کو تمھاری سڑاہند اور بدبو اور پست ہمتی اور نفس بدکار و رفیقانِ گمراہ و گمراہ کن سے نجات دے گا، جو شیاطین خواہشیں اور تمہارے جاہل دوست ہیں، خدا کی راہ کے رہزن اور تم کو ہر نفیس اور ہر عمدہ اور پسندیدہ چیز سے محروم رکھنے والے، کب تک عادت؟ کب تک خلق؟ کب تک خواہش؟ کب تک رعونت؟ کب تک دنیا؟ کب تک آخرت؟ کب تک ماسوائے حق؟ کہاں چلے تم (اس خدا کو چھوڑ کر جو) ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور بنانے والا ہے، اول ہے آخر ہے، ظاہر ہے باطن ہے، دلوں کی محبت روحوں کا اطمینان، گرانیوں سے سبکدوشی، بخشش و احسان، ان سب کا رجوع اسی کی طرف سے اور اسی کی طرف سے اس کا صدور ہے"۔(۱۹)

حضرت شیخ کے اقوال

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا قول ہے کہ:۔

ایک مومن کے لیے ہر حال میں تین امر کا ہونا ضروری ہے، یا تو کسی حکم کی تعمیل کر رہا ہو، یا کسی فعل ممنوع کے ارتکاب سے بچ رہا ہو اور تقدیر کے فیصلوں پر خوش ہو، ایک مومن کی سب سے کمتر حالت یہی ہو سکتی ہے، لہٰذا ایک مومن کے شایانِ شان تو یہ ہے کہ اس کا مشن اس کے ذہن و دماغ اور شعور و احساس پر غالب رہے، دل میں اسی کا سودا سمایا رہا اور تن من اسی کے حصول کی خاطر کوشاں ہو۔

خیر کی وصیت

حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ:۔

لوگو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری کرو، بدعات وخرافات سے بچو، اطاعت شعاری اختیار کرو، دین حق سے سرتابی مت کرو، خدا کی وحدانیت کا اقرار کرو، شرک کے قریب مت جاؤ، دین حق اور اپنے ایمان واسلام کو داغدار مت کرو، اس پر اتہامات مت عائد کرو، اللہ پر ایمان کو اعمال وافعال کے ذریعہ سچ کر دکھاؤ، شکوک وشبہات سے بچو، راہ استقامت پر ثابت قدم رہو، خوف وہراس کو پرے جھٹک دو، استقلال وپامردی کا مظاہرہ کرو، نفرتیں مت عام کرو، خدا سے مانگتے رہو، کبھی اکتاہٹ کا شکار مت ہو جانا اور دیکھو پروردگار سے لو لگائے رکھنا مایوس مت ہو جانا، اخوت وبھائی چارگی کا ماحول بناؤ، نفرت وعداوت کا نہیں، راہ حق پر سب متحد ومتفق ہو جاؤ، افتراق وانتشار سے پرہیز کرو، باہمی الفت ومحبت قائم کرو، آپسی بغض وعناد سے بچو، گناہوں سے پاکیزگی اختیار کرو، عصیان وسرکشی اور معصیت الٰہی سے اپنے وجود وکردار کو پراگندہ متعفن اور اپنے دامن اطاعت کو آلودہ مت ہونے دو، اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کرو، اپنے وجود کی زینت کا سامان کرو، مولائے حقیقی کے دربار سے چمٹے رہو، پورے قلب وقالب کے ساتھ اس کی جانب تمہارا رجوع ہونا چاہئے، دیکھو اس سے پیٹھ مت پھیرنا، توبہ وانابت سے کام لینا، اسراف میں مبتلا مت ہو جانا، اللہ رب العزت کے سامنے صبح وشام عذر واستغفار سے اکتا مت جانا، اگر ایسا کروگے تو امید ہیکہ پروردگار کی رحمتوں اور عنایتوں سے شاد کام ہوگے، اس کی توجہات عمیمہ سے کام ودہن آشنا ہونگے، نار جہنم سے دور رہو، جنۃ الخلد کی مشک بار فضاؤں سے فیض حاصل کرو، اللہ کی جانب تیز گامی سے چلتے رہو، جنت کی خوبصورت حوروں اور مزیدار ونفیس خوشبوؤں اور من موہنے گیتوں سے لذت آشنا ہو، انبیاء وصدیقین، شہداء وصالحین کے ساتھ ساتھ مقام ومرتبہ کی بلندی حاصل کرتے جاؤ"۔

ابتلاء وآزمائش

شیخ فرماتے ہیں کہ:۔

جب بندہ کسی بلا میں مبتلا کیا جاتا ہے، تو پہلے وہ خود اس سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے، اگر نجات نہیں پاتا تو مخلوق میں سے اوروں سے مدد مانگتا ہے، مثلاً بادشاہوں، حاکموں یا دنیاداروں یا امیروں سے، اور درد ودکھ میں طبیبوں سے، جب ان سے بھی کام نہیں نکلتا تو اس وقت پروردگار کی طرف دعا اور گریہ وزاری وحمد وثنا کے ساتھ رجوع کرتا ہے (یعنی) جب تک اپنے نفس سے مدد مل جاتی ہے، خلق سے رجوع نہیں کرتا اور جب تک خلق سے مدد مل جاتی ہے خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، پھر جب خدا کی طرف سے (بھی) مدد نظر نہیں آتی تو (بے بس ہوکر) خدا کے ہاتھوں میں آرہتا ہے، اور ہمیشہ سوال ودعا اور گریہ وزاری اور ستائش واظہارِ حاجت مندی، امید وبیم کے ساتھ کیا کرتا ہے، پھر خدا اس کو دعا سے (بھی) تھکا دیتا ہے، اور قبول نہیں کرتا یہاں تک کل اسباب منقطع ہو جاتے ہیں اور وہ سب سے علاحدہ ہو جاتا ہے، اس وقت اس میں احکام قضاوقدر کا نفاذ ہوتا ہے اور اس کے اندر خدا اپنا کام کرتا ہے، تب بندہ کل اسباب وحرکات سے بے پرواہو جاتا ہے، اور روح صرف رہ جاتا ہے، اسے فعل حق کے سوا کچھ نظر نہیں آتا اور وہ ضرور بالضرور صاحبِ یقین موحد ہو جاتا ہے، قطعی طور پر جانتا ہے کہ درحقیقت خدا کے سوا نہ کوئی کچھ کرنے والا اور نہ حرکت وسکون دینے والا، نہ اس کے سوا کسی کے ہاتھ میں اچھائی ہے اور برائی نفع ونقصان، بخشش وحرمان، کشائش وبندش، موت وزندگی عزت وذلت، غنا وفقر، اس وقت احکام قضاوقدر میں بندہ کی یہ حالت ہوتی ہے جیسے شیر خوار بچہ دایہ کی گود میں یا مردہ غسال کے

ہاتھ میں، یا (پولو) کا گیند سوار کے قبضہ میں، کہ الٹا پلٹا جاتا ہے اور بگاڑا بنایا جاتا ہے، اس میں اپنی طرف سے کوئی حرکت نہیں، نہ اپنے مالک اور اس کے فعل کے سوا نہ کچھ دیکھتا سنتا ہے نہ کچھ سوچتا سمجھتا، اگر دیکھتا ہے تو اس کی صنعت اور اگر سنتا ہے تو اسی کا کلام، اس کے علم سے (ہر چیز کو) جانتا ہے، اس کی نعمت سے لطف اٹھاتا ہے، اس کے قرب سے سعادت پاتا ہے، اس کی تقریب (جاذبہ) سے آراستہ پیراستہ ہوتا ہے، اس کے وعدہ سے خوش ہوتا ہے، سکون پاتا اور اطمینان حاصل کرتا ہے، اس کی باتوں سے مانوس ہوتا ہے اور اس کے غیر سے وحشت ونفرت کرتا ہے، اس کی یاد میں سرنگوں ہوتا اور جی لگاتا ہے، اس کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے، اس کے نورِ معرفت سے ہدایت پاتا ہے اور اس کا خرقہ ولباس پہنتا ہے، اس کے علوم عجیب ونادر پر مطلع ہوتا ہے، اس کے قدرت کے اسرار سے مشرف ہوتا ہے، اس کی ذات پاک سے (ہر بات سنتا اور اسے یاد رکھتا ہے پھر ان نعمتوں پر حمد وثنا شکر وسپاس کرتا ہے"۔(۲۰)

حضرت شیخ کی عادات واطوار

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

کسی شخص میں جب تک ۱۲ صفات نہ ہوں اس کا مجلس ارشاد وتربیت پر فائز ہونا جائز نہیں، ان میں سے دو صفات کا تعلق اللہ تعالی سے ہے اور دو کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کریمانہ سے، اسی طرح باقی آٹھ صفات کا تعلق علی الترتیب خلفائے اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے، اللہ کی دو صفات کا جہاں تک تعلق ہے تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالی ستار اور غفار ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات شفقت ورافت ہے اور حضرت ابوبکرؓ کی دو صفات

وہ صادق ومتصدق ہیں، اور حضرت عمرؓ کی دو صفات آمر وناہی کی ہے اور حضرت عثمانؓ کی صفات میں ایک جود وسخا وفیاضی اور دوسری شب زندہ داری ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دو صفات عالم وشجاع ہیں''۔

اشعار کے نمونے

بعض اشعار جن کی نسبت ان کی جانب کی جاتی ہے، ان کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

کسی شیخ میں اگر بعض باتیں نہ ہوں تو وہ جہالت وگمراہی کی جانب لے جائیگا۔ وہ صفات یہ ہیں اسے احکام شریعت کے ظاہری علم کا حامل ہونا چاہئے اور علم حقیقت کی اصل سے واقف ہونا چاہئے، واردین وصادرین کے سامنے بشاشت وخوشی کا اظہار کرتا ہو اور مہمان نوازی کرتا ہو اور اپنے قول وفعل میں مسکین ولاچار انسان کا غلام ہو، ایسا شخص ہی درحقیقت وہ شیخ ہے جس کی قدر دلوں میں ہوتی ہے، اور حلال وحرام کے احکامات سے باخبر ہوتا ہے، وہ سالکین راہِ طریقت کی رہنمائی کرتا اور خود اس کا باطن درست ہوتا ہے''۔

فارسی اور عربی زبان میں بھی ان کے بعض قصائد ذکر کیے جاتے ہیں۔ (۲۱)

نوٹ

علامہ ابن رجب فرماتے ہیں:۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا اپنے زمانہ میں بہت بڑا مقام تھا، اس وقت کے تمام علماء ومشائخ اور زاہدین ان کی تعظیم وتوقیر کرتے، ان کی بیشمار کرامات ہیں، قاری ابوالحسن الشنطوفی مصری نے شیخ کے حالات ومناقب پر مشتمل تین جلدیں مرتب کی ہیں ان میں رطب ویابس سب کچھ ہے، اور حدیث نبوی ہے کہ انسان کے جھوٹے

ہونے کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو نقل کر دیتا ہو، میں نے کتاب کا کچھ حصہ دیکھا ہے، مجھے اس کے مشمولات پر اطمینان نہیں، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس کتاب میں مجہول افراد کی روایات کثرت سے نقل کی گئی ہیں اور غلو ومبالغہ اور بے سروپا ادعاءات وخرافات کا طومار باندھا گیا ہے، ایسی سطحی اور گھٹیا کرامات کا انتساب شیخ کی جانب کرنا بالکل ان کے شایان شان نہیں ہے"۔

حوالہ جات

(۱)۔ تفصیلی حیات وخدمات کے لیے ملاحظہ ہو: سیر أعلام النبلاء: ۲۰/۴۳۹، تاریخ دعوت وعزیمت، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، بہجۃ الأسرار فی مناقب سیدی عبدالقادر، از شطوفی، شذرات الذہب: ۴/۱۹۸، الذیل علی طبقات الحنابلۃ: ۱/۲۹۰، النجوم الزاہرۃ: ۵/۳۷۱، الإعلام، از زرکلی: ۴/۳۷۱، فوات الوفیات: ۲/۳۷۳، البدایۃ والنہایۃ: ۲/۲۵۲، الأنساب: ۳/۴۱۵، المنتظم: ۱۰/۲۱۹، قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر، از تادفی، طبقات الشعرانی: ۱/۱۰۸، الکامل فی التاریخ: ۱۱/۳۲۳۔

(۲)۔ شیخ الحنابلۃ علامہ ابوسعد مبارک بن علی مخرمی بغدادی متوفی ۵۱۳ھ ہیں، مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: طبقات الحنابلۃ: ۲/۲۵۸، شذرات الذہب: ۴/۴۰، المنتظم: ۹/۲۱۵، سیر اعلام النبلاء: ۴۲۸۔

(۳)۔ شیخ صالح محدث وقت ابوغالب محمد بن حسن بن احمد بن حسن بن خداذا ذا باقلانی فامی بغدادی ہیں، وفات ۵۰۰ھ، مزید دیکھیے: شذرات الذہب: ۳/۴۱۲، النجوم الزاہرۃ: ۳/۱۹۵، سیر اعلام النبلاء: ۱۹/۲۳۵۔

(۴)۔ یہ معمر شیخ ابوبکر احمد بن مظفر بن حسین عبداللہ بن سوسن تمار ہیں، دیکھئے: سیر اعلام النبلاء: ۱۹/۲۴۱، شذرات الذہب: ۴/۷۔

(۵)۔ باکمال امام محدث ومسند بقیۃ السلف یادگار مشائخ شیخ ابومحمد جعفر بن احمد بن حسن بن احمد بغدادی السراج ہیں، قاریٔ وقت ہیں، ادیب دوراں ہیں، ان کی وفات ۵۵۰ھ میں ہوئی، دیکھئے: معجم الأدباء: ۱۵۳/۷، وفیات الاعیان: ۳۵۷/۱، سیر اعلام النبلاء: ۲۲۸/۱۹، بغیۃ الدعاۃ: ۴۸۵/۱۔

(۶)۔ ان کی وفات ۵۲۵ھ میں ہوئی، تفصیل کے ملاحظہ کریں: سیر اعلام النبلاء: ۵۹۴/۱۹، الکامل فی التاریخ: ۶۷۱/۱۰، النجوم الزاھرۃ: ۲۴۶/۵، شذرات الذھب: ۷۳/۴۔

(۷)۔ بحر العلوم شیخ الحنابلۃ علامۂ وقت متکلم زماں، صاحب التصانیف الکثیرۃ امام ابوالوفاء علی بن عقیل بن محمد عقیل بن عبداللہ بغدادی ظفری حنبلی، تفصیل کے لیے دیکھیں: المنتظم: ۲۱۲/۹، طبقات الحنابلۃ: ۲۵۹/۲، البدایۃ والنہایۃ: ۱۸۴/۱۲، ہدیۃ العارفین: ۶۹۵/۱، الکامل فی التاریخ: ۵۶۱/۱۰، شذرات الذہب ۳۵/۴۴، سیر اعلام النبلاء: ۴۴۳/۱۹۔

(۸)۔ نامور فقیہ قاضی ابوالحسن محمد بن قاضی ابویعلی محمد بن حسن بن محمد خلف الفراء حنبلی بغدادی ہیں، دیکھئے: المنتظم: ۲۹/۱۰، الکامل فی التاریخ: ۶۸۳/۱۰، البدایۃ و النہایۃ: ۲۰۴/۱۲، سیر اعلام النبلاء: ۶۰۱/۱۹۔

(۹)۔ سیر أعلام النبلاء از ذہبی: ۴۳۹/۲۰-۴۵۱، طبع ہفتم، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۹۹۰۔

(۱۰)۔ مزید دیکھئے: سیر أعلام النبلاء: ۳۷۳/۲۲، وفیات الأعیان: ۴۴۶/۳، طبقات الشافعیۃ، از سبکی: ۱۴۳/۵، تاریخ الإسلام، از ذہبی: ۱۲۴۔

(۱۱)۔ الذیل علی طبقات الحنابلۃ از ابن رجب حنبلی: ۲۹۷/۱۔

(۱۲)۔ قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر، از شیخ محمد بن یحی تادفی حنبلی۔

(۱۳)۔ تاریخ دعوت وعزیمت: ۲۰۷/۱-۲۰۸۔ مجلس تحقیقات وشریات اسلام لکھنو، ۲۰۰۵ء

(۱۴)۔ایضاً،ص۲۰۱۔

(۱۵)۔ایضاً،ص۲۱۵۔

(۱۶)۔ایضاً،ص:۲۱۵۔

(۱۷)۔ایضاً،ص:۲۱۸۔

(۱۸)۔ایضاً،ص:۲۰۹۔

(۱۹)۔ایضاً،ص:۲۰۹-۲۱۰۔

(۲۰)۔قلائدالجواہرفی مناقب الشیخ عبدالقادر جیلانی از شیخ محمد بن یحی تادفی، ترجمہ منقول از: تاریخ دعوت وعزیمت،جلداول،ص:۲۰۴-۲۰۵۔

(۲۱)۔قلائدالجواہرفی مناقب الشیخ عبدالقادراز شیخ محمد بن یحی تادفی حنبلی:۱۷۔

عبدالرحمٰن ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ (۱)

۵۱۰ھ-۵۹۶ھ

ابوالفرج کنیت اور نام عبدالرحمٰن بن ابوالحسن علی بن محمد بن علی ہے، ابن جوزی کے لقب سے شہرت پائی، آپ کا سلسلۂ نسب محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، آپ کی نسبتِ وطن کے بارے میں اختلاف ہے، کہا جاتا ہے کہ آپ کے دادا کا تعلق بصرہ کے ایک ''فرضہ'' سے تھا جو جوزہ کے نام سے معروف تھا، اور ''فرضۃ النہر'' عربی زبان میں ندی کی اس دراڑ کو کہتے ہیں جہاں سے پانی نکالا جائے اور فرضۃ البحر کے معنی بندرگاہ کے ہیں، ایک قول یہ بھی ہے کہ فرضۃ الجوز ایک جگہ ہے اسی کی جانب نسبت ہے، اور ایک قول کے مطابق بصرہ کے محلّہ کو فرضۃ الجوز کہتے ہیں، اور ایک قول کے مطابق ''واسط'' میں ان کے گھر میں بادام کا ایک درخت تھا جس کی وجہ سے جوزی کہلائے۔

ان کی ولادت کے سلسلہ میں بھی اختلاف ہے، ایک قول کے مطابق سن ولادت ۵۰۷ھ یا ۵۰۸ھ ہے، علامہ ابن خلکان کا خیال ہے کہ ۵۰۸ھ اور ۵۱۰ھ کے درمیان ہے، آپ کی وفات جمعہ کی شب ۱۲ رمضان المبارک ۵۹۳ھ میں ہوئی۔

ان کے والد کا انتقال بغداد میں ہوا، اس وقت ابن جوزی کی عمر ۳ ربرس کی تھی، والد کے گذر جانے کے بعد ان کی ماں اور پھوپھی نے ان کی کفالت کا بار اٹھایا، قرآن کریم کا حفظ مکمل کیا اور ائمۂ قرآت کی ایک جماعت سے اس کی تعلیم حاصل کی، اکابر شیوخ سے احادیث کی تعلیم حاصل کی، ان اکابر مشائخ میں مایہ ناز محدث ابوالفضل ابن ناصر بھی ہیں جو رشتہ میں ان کے ماموں تھے، شیخ ابوالفضل ابن ناصر نے ان کی تعلیم

وتربیت پر اچھی توجہ فرمائی اور حدیث نبوی کی تعلیم سے بہرہ ور فرمایا، ان کے اساتذۂ حدیث میں ابن ناصر کے علاوہ علی ابن عبدالواحد دینوری (۲)، ابن الحصین، ابوعبداللہ البارع کا نام نمایاں ہے، صحیح البخاری ابو الوقت سجزی (۳) (۴۵۸-۵۵۳ھ) سے پڑھی، فقہ، خلاف، جدل اور اصول کا علم ابو بکر دینوری سے حاصل کیا اور ادب کی تعلیم ابومنصور جوالیقی (۴۶۹-۵۴۰ھ) (۴) سے پائی، بچپن ہی سے وعظ وخطابت کی طرف طبیعت مائل تھی۔

حافظ ابن الدبیثی تاریخ ابن سمعانی کے ذیل میں رقمطراز ہیں کہ:۔

بلاشبہ علامہ جمال الدین ابن جوزی کی مختلف علوم میں بے شمار تصانیف ہیں، تفسیر، فقہ، حدیث، وعظ ورقائق اور تاریخ کے موضوعات شامل ہیں، حدیث اور علم حدیث کا مرجع ومنتہی تھے، ان کی وعظ وتقریر نہایت شستہ ودلکش، بلند تر اشارات واسرار، دقیق مفاہیم ومطالب اور عمدہ وپر لطف استعارات وکنایات پر مشتمل ہوتا، گفتگو کا انداز حد درجہ خوبصورت، مرتب، شیریں، نہایت واضح اور مبرہن ہوتا، اللہ نے ان کے عمر وعمل میں خوب برکت عطا کی۔

مزید لکھتے ہیں:۔

''واسط'' میں امام ابنِ جوزی نے مجھے یہ اشعار سنائے۔

يا ساكن الدنيا تأهب
وانتظر يوم الفراق
وأعد زاداً للرحيل
فسوف يحدى بالرفيق
وأبك الذنوب بأدمع
تنهل من سحب المآقى

یــا مــن أضــاع زمــانــه

أرضيــت مــا يــفــنــى بــبــاق

ترجمہ (اے دنیا والو (آخرت کی) تیاری کرو اور (دنیا سے) وقتِ وداع کا انتظار کرو، سفر کیلئے زادِراہ تیار کرلو، کیونکہ عنقریب دیگر احباب (کی وفات) کے ذریعہ تمہیں حدی خوانی کی جائے گی، نگاہوں سے برسنے والے آنسوؤں کی بارش برسا کر اپنے گناہوں سے توبہ کرو، اے وہ (غافل) شخص جس نے اپنی عمر رائیگاں جانے دی، کیا ابدی نعمتوں کے بالمقابل تم نے فانی نعمتوں کو پسند کرلیا ہے؟۔

وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے مجھے یہ اشعار بھی سنائے:۔

إذا رضيــت بــمـيسـور من القوت

أصبحت فی الناس حرا غیر ممقوت

یا قوت نفسی إذا ما در خلفک لی

فلست آسی علی در ویاقوت

ترجمہ (اگر تم نے معمولی رزق پر قناعت کرلی تو دنیا میں ایک شریف ومعزز انسان بن جاؤگے اور سب کے محبوبِ نظر ہوگے، اے میری روزی اگر تم میرے پیچھے آؤ تو بہت اچھا کیونکہ میں تو وہ شخص ہوں کہ ہیرے اور یاقوت (کے حاصل نہ ہونے) پر بھی غم نہیں کرتا۔

موفق عبداللطیف (۵) فرماتے ہیں کہ

> ابن جوزی حسین وجمیل اور خوش اندام تھے، شیریں اخلاق، خوش آواز شخصیت کے مالک تھے، ان کی حرکات اور آواز میں توازن تھا، مرنجاں مرنج اور خوش گفتار رہتے تھے، ان کی مجلس میں ایک لاکھ سے زیادہ لوگ حاضر ہوتے، وہ اپنی عمر ایک لحہ بھی ضائع نہ ہونے دیتے، روزانہ چار جز لکھنے کا معمول رہا، ان کی تحریرونگارشات کا سالانہ تخمینہ پچاس ساٹھ جلدوں کا ہے، ہر علم اور ہر فن میں قلم

اٹھایا، لیکن فن تفسیر میں ان کا مقام نمایاں ہے اور حفاظ حدیث میں شمار ہوتے ہیں، فن تاریخ میں وسعت پیدا کرنے والوں میں ایک ہیں، فقہ میں اچھی دسترس تھی، رہا وعظ وتقریر میں مسجع عبارتوں کا استعمال تو اس میں تو ان کو عجیب ملکہ حاصل تھا، فی البدیہ خطاب ہو تو بہت عمدگی سے برتیں اور روایت سے استدلال کریں تو اعجوبۂ روزگار ثابت ہوں۔

ابن بزوری نے اپنی تاریخ میں ان کا تذکرہ نہایت تفصیل سے کیا ہے، کہتے ہیں:۔

ابن جوزی جب خطاب کرتے تو انسانی قلوب کو اپنا اسیر بنا لیتے، وجد وشوق میں گریباں نہیں بلکہ لوگوں کے دل پھٹ جاتے۔

ابن نجار ان کے فضائل ومجاہدات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

ان علمی کمالات اور فضائل کے ساتھ اللہ نے ان کو ذکر وسر مستی، ذوقِ عبادت وتقوی، اور لذتِ مناجاتِ الٰہی سے بھی وافر حصہ عطا کیا تھا، انہوں نے اس جانب خود بھی اشارہ کیا ہے، وہ ان علوم ومعارف اور مواعظ میں ذوق آشنائی سے محروم محض ایک ناقل نہیں، بلکہ جذب وانفعال کی ان کیفیات میں خود بھی شریک ہیں۔

ابن القادسی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ:۔

شیخ شب بیدار اور صائم النہار تھے، ان کے خاص معمولات تھے، دیر رات صالحین کی زیارت کرتے اور ذکر اللہ سے کبھی غافل نہ ہوتے تھے، ایک دن اور رات میں قرآن کا ایک ختم مکمل فرما لیتے، ایک قول یہ بھی ہے ایک ہفتہ میں ختم قرآن کا معمول تھا۔

تصانیف بیشمار ہیں، بعض مؤرخین تین سو اور بعض نے ایک ہزار سے زائد شمار کی ہیں۔

حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ:۔

ان سے زیادہ کثرت سے کتابیں تصنیف کرنے والا میرے علم میں نہیں۔(۶)

وعظ وخطابت کی تاثیر

ابن جوزی علیہ الرحمہ نے بچپن ہی سے وعظ کہنا شروع کر دیا تھا اور اس میدان میں وہ اپنے ہمعصروں سے فائق تھے، فن خطابت میں عجیب ملکہ اور فی البدیہ کلام کی صلاحیت حاصل تھی، ہزاروں افراد نے ان کے ہاتھ پر توبہ کی، سلاطین ووزراء اور حکام بھی ان مجلسوں میں حاضر ہوتے، ابن جوزی خود فرماتے ہیں کہ؛

> میرے ہاتھوں پر سو سے زائد لوگوں نے اسلام قبول کیا اور میری تقریر سن کر کتنے سخت دلوں لوگوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

آپ کی مجالس میں شریک ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ تک شمار کی گئی ہے، خلیفہ مستضیئ باللہ کئی مرتبہ حاضر ہوا۔

مغربی سیاح ابن جبیر اندلسی ان کی مجلسِ وعظ کی تاثیر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

> پھر اپنے خطبہ سے فراغت کے بعد وعظ وذکر کی رقت آمیز آیات پیش کرتے جس کے شوق میں دل پرواز کر جاتے اور جانیں سوز سے پگھل جاتیں یہاں تک کہ چیخیں بلند ہو جاتیں اور ہچکیوں کے ساتھ آوازیں دہرائی جاتیں اور تائب چلا کر توبہ کرتے اور ان پر ایسے گرتے جیسے پروانے روشنی پر گرتے ہیں اور اپنی پیشانی ان کے ہاتھ میں ڈال دیتے ہیں تو اسے کترتے اور اس کیلئے دعا کرتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے اور ان میں کچھ ان کے اوپر بے ہوش جاتے، تو ہاتھوں میں اٹھا کر ان کے پاس لائے جاتے تو ایسا ہولناک منظر دیکھا کہ انابت وندامت سے نفوسِ انسانی سرشار ہو رہے تھے اور قیامت کی ہولناکیوں کی یاد تازہ ہو رہی تھی تو اگر ہم سمندر کی طغیانوں اور ویرانوں کا پر مشقت سفر اگر صرف اس شخص کی مجلس میں شرکت کیلئے کیا ہوتب

بھی یہ سفر نہایت کامیاب اور سود مند تجارت ہے اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ایسے شخص سے ملنے کا ممنون بنایا جس کے فضل کے شاہد جمادات ہیں اور جس کی مثال سے عالم خالی ہے۔

اسلوبِ کلام

گرچہ ابن جوزی کا زمانہ چھٹی صدی ہجری کا ہے، اس کے باوجود ان کا اسلوب اپنے عہد کے رائج اسالیب اِدب سے متاثر نہیں ہے، عبارت کی شگفتگی اور اسلوب کی دلکشی برقرار رکھی ہے، الفاظ کے استعمال میں تانق سے کام لیتے ہیں، بیان واداکے تمام اسالیب کو انتہائی قدرت اور اصالت کے ساتھ برتتے ہیں، ان کے اسلوبِ کلام میں لفظی جمال وخوبصورتی کوئی معنی نہیں رکھتی اور نہ اسے وہ اہمیت دیتے ہیں، البتہ بہتر وعمدہ معانی ومطالب کے لیے مناسب حال پیرایۂ بیان اختیار کرتے ہیں، وہ ایک صاحب طرز اور فطری ادیب ہیں جن کے یہاں عبارت کی شستگی، اسلوب واداء کا جمال، انوکھی واچھوتی تعبیرات پر قدرت، باریک ودقیق تصویر کشی نظر آئیگی، قاری ان کے اسلوب میں تبدیلی عہد کا فرق نہیں محسوس کر سکے گا اور نہ ان کے عہد کے رائج خصائص کا عکس نظر آئے گا۔

ابن جوزی نے صوفیا کے شذوذ اور ان کے حدود شریعت سے تجاوز کر جانے پر سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے، ان کی کتاب ''تلبیس ابلیس'' کا بڑا حصہ بے لاگ تنقید وتبصرہ پر مشتمل ہے، وہ امام غزالی کے گرچہ بہت قدرداں ہیں اور ان کے علم کے خوشہ چینوں میں ہیں، لیکن تصوف کے باب میں وہ ان سے اتفاق نہیں کرتے، انہوں نے فقہاء ومحدثین کے علمی جمود وتعطل اور تقلید پر تنقید کی ہے، فلسفیانہ مباحث کی مذمت بیان کی ہے اور حکومت کی پالیسیوں پر اعتراض کیا، اسی لیے اس زمانہ کے بہت سے علماء ان سے نالاں اور شکوہ کناں ہیں اور اسی وجہ سے آخر وقت میں انہیں آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔

کلام کے نمونے

دنیا کا فریب

دنیا کے انجام پر جس کی نظر ہوتی ہے وہ احتیاط برتتا ہے اور جسے راستہ کی طوالت کا یقین ہوتا ہے وہ سفر کی تیاری کرتا ہے، کتنی عجیب بات ہے کہ ایک شئے کا یقین ہونے کے باوجود بھی اسے بھول جاتے ہو، تم لوگوں سے ڈرتے ہو جبکہ اللہ اس کا حقدار ہے کہ اس سے خوف کھایا جائے، تمھارا نفس تمھارے ظنون واوہام پر تو قابو پالیتا ہے، مگر افسوس کہ یقینیات کے باب میں تم اس پر قابو نہیں رکھ پاتے اور سب سے زیادہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ تم اپنی فریب خوردگی پر نازاں ہو، اپنی غفلت وسرمستیوں میں ایسے نادان بنے ہوئے ہو کہ مستقبل سے بالکل بے فکر ہو، تم اپنی صحت کی وجہ سے فریب میں مبتلا ہو اور بیماری کو فراموش کیے ہوئے ہو، اپنی عافیت پر بہت خوش ہو، جلد ہی آنے والی تکلیف سے غافل ہو۔

دوسروں کا انجام درحقیقت تمھارے انجام کی خبر دیتا ہے، تمھاری زندگی میں دوسروں کی موت دراصل تمھاری موت کا اعلان ہے، دنیاوی لذتوں کے حصول نے تمھاری خود کی بربادی سے تمہیں غافل بنادیا ہے۔

كأنك لم تسمع بأخبار من مضى
ولم تر في الباقين ما يصنع الدهر
فإن كنت لا تدري فتلك ديارهم
محاها مجال الريح بعدك والقبر

ترجمہ: ایسا لگتا ہے گذشتہ لوگوں کے حالات تم نے سنے نہیں اور موجودہ لوگوں میں زمانہ کے تصرفات کا تم مشاہدہ نہیں کر رہے، اگر تمھیں معلوم نہیں تو

سنو کہ تیز و تند آندھیوں نے ان کی بستیاں مٹادی ہیں اور پھر قبر نے تمھارے بعد ان کو بھی مٹادیا۔

خواہشات میں افراط

وہ فرماتے ہیں کہ:۔

میں نے دنیا کی خواہشات میں غور کیا تو یہ معلوم ہوا کہ یہ تمام کی تمام ہلاکت و بربادی کے ہتکنڈے اور ضیاع و نقصان کا باعث ہیں، چنانچہ جس کی عقل کا اس کے نفس پر قابو رہے گا وہ ان ہلاکتوں سے بچ رہے گا اور جس کا نفس غالب آجائے تو کتنی جلد برباد و تباہ ہو جائیگا، اللہ ہی رحم کرے۔

دنیا ایک بیابان ہے، بہتر یہ ہے کہ عقل کو یہاں راہبر بنایا جائے، اگر کسی نے اپنی زمام کار نفس کے سپرد کردی تو اس کی جسمانی اور دنیوی بربادی میں دیر نہیں لگے گی، اسی پر آخرت کو بھی قیاس کرلو۔

وہ کہتے ہیں:۔

جہادِ نفس کے بارے میں جب میں نے غور و فکر کیا تو معلوم ہوا کہ یہ تو سب سے بڑا جہاد ہے، میں نے ایسے علماء اور زاہدین کی ایک بڑی تعداد کو دیکھا ہے جو اس کے مفہوم ہی سے ناواقف ہیں، اس وجہ سے ان میں سے بعض تو اسے اس کا جائز اور مناسب مقام دینے کے ہی منکر ہیں اور یہ دو اعتبار سے غلط ہے، ایک تو یہ کہ بہت سے منع کرنے والوں کی خواہش مباح سمجھ کر منع کرنے کے مقابلہ میں اس مطلق منع سے زیادہ پوری ہوتی ہے، کیونکہ اس سے اس کی شہرت ہوتی ہے، تو نفس اس مطلقاً ممانعت سے خوش ہوتا ہے اور یہی شئے باعث مدح بن جاتی ہے۔

اس سے بھی زیادہ مخفی سبب یہ ہے کہ وہ اس مطلق ممانعت کی وجہ سے ان لوگوں کے بنسبت ممتاز اور افضل ہوتا ہے جنہوں نے اس سے منع نہیں کیا، یہ وہ اسرار ہائے سربستہ ہیں جن سے عقل کو صاف کرنے کی ضرورت ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمیں نفس کی حفاظت کی ذمہ داری سپرد کی گئی ہے، اور اس کی حفاظت کا طریقہ یہ ہے کہ ان اشیاء پر توجہ دی جائے جس سے اس کی اصلاح اور بقا حاصل ہو اور یہ وہ تمام اشیاء ہیں جن کی اسے خواہش ہوتی ہے۔ ہماری حیثیت اس کے ذمہ داروں کی ہے، کیونکہ وہ ہماری نہیں بلکہ ہمارے پاس بطورِ امانت ہیں، چنانچہ اس کی خوہشات کا بالکلیہ انکار اس کے لیے موجبِ خطر ہے۔ پھر یہ سچ ہے کہ اکثر سختیوں اور شدتوں سے ڈھیلا پن پیدا ہوتا ہے اور اپنے آپ پر بیجا شدت برتنے والے اکثر اس سے ہار جاتے ہیں، اور پھر اس کی تلافی بھی مشکل ہو جاتی ہے۔

آزمائشوں کا علاج

فرماتے ہیں کہ:۔

جو شخص کسی آزمائش کا شکار ہو اور وہ اس آزمائش کو ختم کرنا چاہتا ہو، تو اس آزمائش سے زیادہ تصور کرنا چاہئے جتنی وہ ہے، اس کے ثواب کا تصور کرے اور اس سے بڑی مصیبت کے نازل ہونے کے توقع کرے، تو اسے اس آزمائش میں رہنے میں فائدہ نظر آئے گا اور جلد ختم ہونے کے آثار نظر آنے لگیں گے، کیونکہ اگر کرب و بے چینی میں شدت نہ ہو تو راحت و آرام کے لمحات کی امید کا لطف نہیں محسوس ہوتا اور وہ یہ یاد رکھے کہ اس پریشانی کی مدت ایک مہمان سے زیادہ نہیں ہے، ہر لحظہ اس کی ضروریات کا خیال رکھے، پھر

دیکھے کتنی جلد وہ رخصت ہوتی ہے اور اس کی تعریفوں میں کتنی حلاوت اور لذت محسوس ہوگی اور محفلوں میں اس سے کیسی خوشی ہوگی اور مہمان نواز کی مہمان نوازی کا کیسا تذکرہ ہوگا، ایک مومن کو پریشانیوں میں ایسا ہی کرنا چاہئے، اس کے اوقات کا خیال رکھے اور ایسے موقع پر نفس کی خبر گیری کرتا رہے اور اعضاء وجوارح پر خاص نظر رہے، مبادا زبان سے کوئی نازیبا کلمہ نکل جائے، یا دل میں کسی قسم کی ناراضگی کا عکس ابھرے، ایسا کرنے سے محسوس ہوگا کہ صبح اجر کی پو پھٹنے کو ہے اور شب آزمائش کا گویا دم واپسیں ہے اور مصائب کی شب تار سحر کرنے پر مسافر تعریف وستائش کا مستحق، جیسے ہی آفتاب جزا روشن ہوگا وہ امن وسلامتی کی منزل تک رسائی حاصل کر لیگا۔

نجات کے راستے

ابن جوزی فرماتے ہیں:۔

جس نے احتیاط وتقوی کے ہنسوے سے گناہوں کی فصل کاٹی ہو، چمنستانِ استقامت اسے راس آئے گا، خاموشی کی قینچی سے جس نے فضول گفتگو کاٹ دی ہو، اس کو قلبی راحت کا مزہ ملے گا، جو احتیاط کو سواری بنا لے ہدایت کی بادِ نسیم اسے سفینۂ نجات سے ہمکنار کر دے گی، جو خوف کے ساحل پر اپنی کشتی لنگر انداز کرے گا، اسے شہرستانِ امن وسلامتی نظر آئے گا، سنو عمرؓ کی سی عزیمت اور سلمانؓ فارسی کی سی ہجرت اختیار کر لو۔

ماضی کی تلافی

ابنِ جوزی کہتے ہیں:۔

اے گناہگارو! تم اپنی عمر کو تین حصوں میں تقسیم کرلو، ایک وہ دن جو رخصت ہوگیا اور دوسرا وہ جو ابھی موجود ہے اور تیسرا وہ جس کے تم منتظر ہو، تمہیں نہیں معلوم کہ وہ خیر کا ضامن ہوگا یا شر کا اور یہ بھی ممکن ہے وہ دن تمہیں نصیب نہ ہو، تو ماضی میں جو اطاعت وخیر اور اعمال صالحہ تم سے نہ ہوسکیں اور جو نافرمانیاں اور گناہ تم سے سرزد ہوئے، اس دن کی تلافی آج ہی کر گذرو، کیونکہ گذشتہ دنوں کی تلافی اشکِ ندامت، گریہ وزاری اور نفس کی مذمت وملامت کے ذریعہ صرف آج ہی کر سکتے ہو۔

وقت کی قیمت

ابن جوزی فرماتے ہیں:۔

میں سمجھتا ہوں کہ لوگوں کی عادتیں عموماً تضیعِ وقت کا سبب بنتی ہیں، حالانکہ قدماء اس سے خبردار کیا کرتے تھے، بعض اسلاف نے اپنے مریدین سے فرمایا کہ میری مجلس سے نکلتے ہی تم لوگ ایک دوسرے جدا ہوجانا، ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کسی کو راستہ میں تلاوتِ قرآن کی توفیق ہوجائے، کیونکہ اگر ساتھ رہوگے تو باتیں کروگے، یاد رکھو وقت بہت قیمتی ہے، اس کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونا چاہئے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جس نے سبحان اللہ العظیم وبحمدہ کہا جنت میں اس کیلئے ایک کھجور کا درخت لگ جاتا ہے''۔ انسان کتنے ایسی لمحات رائیگاں جانے دیتا ہے جن میں اتنا عظیم ثواب حاصل کرسکتا ہے، وقت کی مثال ایک کھیتی کی ہے، گویا انسان سے یہ کہہ دیا گیا ہو کہ اگر تم نے ایک بیج ڈالا ہم ایک صاع پیدا کریں گے تو کیا کوئی عقلمند انسان بیج بونے میں توقف اور کسلمندی سے کام لے گا؟۔

تجارت سے غافل نہ ہونے والے اشخاص

ابن جوزی فرماتے ہیں:۔

ایسے لوگ بھی ہیں جو اگر دیکھتے ہیں تو عبرت حاصل کرتے ہیں اور خاموش رہ کر غور وفکر کرتے ہیں اور کوئی آزمائش ہوتی ہے تو اِنا للہ واِنا اِلیہ راجعون کہتے ہیں اور اگر ان کے ساتھ جہل کا برتاؤ ہوتا ہے تو حلم وبردباری سے کام لیتے ہیں، علم ہونے کے باوجود تواضع اختیار کرتے ہیں اور جب کوئی قدم اٹھاتے ہیں تو نہایت نرمی واعتدال کے ساتھ اور ان سے کسی چیز کا سوال کیا جائے تو آنے والے کا تعاون ومدد میں دل کھول کر لٹاتے ہیں، صدق وصفا کے پاسدار اور الفت ومحبت کے امین ہیں، ان کا عمل کتاب وسنت کا ترجمان اور گفتگو حکمت وصواب کی شاہدِ عدل، یومِ حساب سے قبل ہی اپنا حساب کر گذرے، رب الارباب کے خوف سے لرزہ براندام ہیں، یہ ایسے لوگ ہیں آہ وزاری جن کا شیوہ، دنیا کی معمولی شئے پر قناعت ان کا خاصہ، کتاب وسنت پر عمل ان کا شعار اور نفس کے ٹال مٹول سے سخت انکار ان کا امتیاز۔

قوتِ ارادہ

ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

میں نے ایک مرتبہ ایک ایسے مسئلہ پر عمل کیا جس کی بعض مذاہب (فقہیہ) میں گنجائش تھی اور دوسرے مذاہب میں وہ جائز نہ تھا، اس پر عمل کرنے سے مجھے اپنے دل میں بڑی قساوت محسوس ہوئی اور ایسا معلوم ہوا گویا میں راندۂ درگاہ اور معتوب ہو گیا اور کچھ محرومی وگہری تاریکی محسوس ہوئی، نفس نے اطمینان دلایا اور کہا:

پریشانی کیا بات ہے؟ تم تو دائرۂ فقہاء سے نکلے نہیں، میں نے کہا: اے نفس بد! تیرے سوال کا جواب دو طرح سے ہے، اول تو یہ کہ تو نے اپنے عقیدہ کے خلاف تاویل کی اور خود تجھ سے اس کا فتوی لیا جاتا تو اس کا فتوی کبھی نہ دیتا، اس نے کہا کہ اگر میں اس کے جواز کا قائل نہ ہوتا تو کرتا کیوں؟ میں نے کہا کہ تم اپنے اس خیال کو دوسرے کیلئے بھی فتوی کے طور پر پسند نہیں کرتا اور دوسری بات یہ ہے کہ تجھے ظلمت کے اس احساس پر خوش ہونا چاہئے اس لئے کہ اگر تیرے دل میں نور نہ ہوتا تو تجھ پر یہ اثر ہی نہ پڑتا، اس نے کہا کہ بہر حال مجھے اس ظلمت سے جو پلٹ پلٹ کر آتی ہے، وحشت ہے، میں نے کہا کہ پھر اس فعل کے ترک کا عزم کر لے اور فرض کر لے کہ تو نے جس کو ترک کیا ہے وہ بالاجماع جائز ہے، تب بھی بر بنائے ورع وتقوی اس کو چھوڑنے کا وعدہ کر، چنانچہ اس عمل سے اس کیفیت سے نجات لی۔

معاملات میں اعتدال

ابن جوزی فرماتے ہیں:۔

تجرباتِ زمانہ سے مجھ پر یہ راز کھلا کہ جہانتک ہو سکے کسی انسان کو دوسرے سے اپنی دشمنی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ مقام ومرتبہ کی بلندی کے باوجود پتہ نہیں کب اس کی ضرورت پیش آجائے، بلاشبہ بسا اوقات وہ یہ گمان کر لیتا ہے کہ ایسی چیزوں کی کبھی ضرورت نہ ہوگی، ٹھیک ویسے ہی جیسے ایک طرف گری پڑی حقیری لکڑی جس کی طرف کبھی توجہ نہیں ہوتی، لیکن کتنی مرتبہ حقیری اشیاء کی ضرورت پیش آجاتی ہے، ایسا انسان جلبِ منفعت میں ہو سکتا ہے کام نہ آئے، اور دفعِ مضرت میں کام آجائے، میں نے تو بارہا ایسے لوگوں کی دلداری اور ملاطفت کی ہے جن کی ہمدردی اور سلوک کے بارے

میں میں نے کبھی یہ گمان نہ کیا کہ کبھی ضرورت پڑے گی، یاد رکھو! علانیہ دشمنی کرنے سے ایسا نقصان ہوتا ہے جس کا احساس تک نہیں ہو پاتا، اس لئے کہ کھلے دشمن کی مثال ایک تلوار سونتے ہوئے شخص کی ہے جو ہر آن حملہ کا منتظر ہو، اور کبھی اسے کوئی پوشیدہ حملہ نظر آجاتا ہے اور اگر وہ زرہوں کی اوٹ میں خود کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے تو دشمن اس موقع سے فائدہ اٹھالیتا ہے، چنانچہ دنیا میں بسنے والے ہر فرد کو چاہیئے کہ کسی سے علانیہ عداوت نہ رکھے، کیونکہ ہر ایک کو دوسرے کی مدد و تعاون یا نقصان پہنچانے کی قوت حاصل ہوتی رہتی ہے۔

لذت اور خوف

فرماتے ہیں کہ:۔

مجھے معلوم ہے کہ نفس کی نظر اہل دنیا کی عارضی نعمتوں کی جانب ہوتی ہے، وہ یہ دیکھتا ہے کہ یہ نعمتیں کیسے حاصل ہوئیں اور ان میں کتنی آفات و مصائب ہیں ان پر نظر نہیں ہوتی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ تم کسی صاحب اقتدار یا امیر کی نعمتوں میں غور کرو تو معلوم ہوگا کہ اس کی نعمتیں پاکیزہ و صالح نہیں ہیں، اگر یہ برائی خود اس کی نہیں ہوگی تو اس کے عمال اور ماتحتوں کی وجہ سے ہوئی ہوگی، پھر مزید مصیبت کی بات تو یہ کہ ایسا انسان ہر وقت ہر معاملہ میں ڈرا سہما رہتا ہے اور دشمن کی جانب سے ہر وقت نقصان اور سازشوں کے خطور میں گھرا رہتا ہے، اپنے اعلیٰ افسر سے ہر وقت فکر مند کہ کہیں اسے معزول نہ کردے اور اپنے ہم مرتبہ لوگوں سے بھی خائف و ہراساں کہ کہیں خلیفہ کے دربار میں کوئی سازش یا چغلی نہ کردیں، پھر وقت کا بیشتر حصہ امراء و سلاطین کی خدمت و تملق میں بسر کرتا ہے، ان کی مالی منفعت بہم کرانے کی کوشش کرتا ہے، ان کے جائز و ناجائز، مناسب اور نامناسب

احکامات کی بجا آوری کرتا ہے، اور اگر اسے معزول کر دیا جائے تو لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں، اور ایک خرابی تو یہ ہے کہ اس نعمت کی لذت احتیاط وخوف کی وجہ سے مخفی رہتی ہے، انسان اس نعمت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، اور نعمت کی وجہ سے اور خود نعمت کے فوت ہو جانے پر ہر لحظہ خوف و ہراس میں رہتا ہے، ایک تاجر کو دیکھو جو تجارت کی خاطر دنیا جہان کی خاک چھانتا پھرتا ہے، اسے جب دولت اور نعمت حاصل ہوتی ہے تو عمر کافی ہو چکی ہوتی ہے اور اس نعمت و دولت سے فائدہ اٹھانے اور اس لذت سے لطف اندوز ہونے کا وقت رخصت ہو چکا ہوتا ہے۔

کہتے ہیں ایک مالدار شخص تھا جو جوانی میں بہت غریب اور محتاج تھا، بوڑھا ہونے کے بعد اسے دولت حاصل ہوئی اور خوب سرمایہ اکٹھا کر لیا، پھر اس نے ترکی غلام اور روم کی خوبصورت باندیاں خریدیں، پھر اپنی حالت کا تذکرہ کرتے یہ اشعار کہتا ہے۔

ما كنت أرجوه إذ كنت ابن عشرينا
ملكته بعد أن جاوزت سبعينا
تطوف بي من الاتراك أغزلة
مثل الغضون على كثبان يبرينا
وخرد من بنات الروم رائعة
يحكين بالحسن حور الجنة العينا
يغمزنني بأسابيع منعمة
تكاد تعقد من أطرافها لينا
يردن إحياء ميت لاحراك به
وكيف يحيين ميتا صار مدفونا

قالوا أنینک طول اللیل یسهرنا
فما الذی تشتکی قلت الثمانینا

ترجمہ: جب بیس برس کا تھا تو اس کی امید نہیں تھی، آج ستر برس کا ہونے کے بعد یہ نعمتیں ہاتھ آئی ہیں، عراق کی خوبصورت دوشیزائیں میرے اردگرد ہیں، یوں لگتا ہے جیسے سخت مٹی کے ڈھیر پر کوئی شاخ تازہ رکھ دی گئی ہو، روم کی خوبصورت نازنینیں ہیں جو حورانِ بہشت معلوم ہوتی ہیں، وہ نرم ونازک ہتھیلیوں سے میرے سر پر ہاتھ پھیرتی اور مجھے چھیڑتی ہیں، ایسا لگتا ہے کہ وہ ان نرم وگداز ہتھیلیوں سے مجھے بٹھا رہی ہیں، وہ بے جان مردہ کو زندہ کرنے کی کوشش کر رہی ہیں، ایک مردہ ودرگور شخص میں زندگی کی حرارت بھلا کیسے پیدا ہوسکتی ہے، وہ شکایت کرتی ہیں کہ رات تمھارے کراہنے کی آواز کی وجہ سے ہم سو نہ سکے، کیا وجہ ہے، کیا بیمار ہو؟ میں نے کہا بیمار تو نہیں لیکن اسی (۸۰) برس کی عمر خود ایک بیماری ہی ہے۔

انسان کی عمومی حالتِ زندگی یہی ہوتی ہے کہ اس کی خواہشات زندگی کے اس مرحلہ میں حاصل ہوتی ہیں، جب اس کا اس جہانِ فانی سے دم واپسیں ہوتا ہے، اگر ابتدائے شباب میں کبھی اسے اس کی پسندیدہ نعمتیں حاصل ہو بھی جاتی ہیں تو وہ اس سے لطف اندوز ہونے اور اس کی تدبیر کرنے سے اس کا جنونِ شباب مانع ہوتا ہے، کیونکہ انسان کو اس مرحلہ میں یہ علم ہی نہیں ہوتا کہ وہ کس دنیا میں ہے یہاں تک کہ سنِ بلوغت کو پہنچ جائے اور بالغ ہونے کے بعد اس کی امیدوں کا محور اس کی منکوحہ ہو جاتی ہے اور اگر شادی کر لے تو صاحبِ اولاد ہو جاتا ہے، پھر اس کے بعد وہ تمام لذتوں سے محروم ہو جاتا ہے اور اندر سے ٹوٹ کر رہ جاتا ہے اور پھر اسے یہ ضرورت پیش آتی ہے کہ بچوں کیلئے

کمائے اور تگ ودو کرے، اسی اثنا میں جب تیس برس کی عمر سے کچھ آگے بڑھتا ہے اور بڑھاپے کی جھریاں چہرے پر نظر آنی لگتے ہیں تو اسے اپنی ذات سے نفرت ہونے لگتی ہے، کیونکہ اسے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ عورتوں کو بھی اب اس سے نفرت ہو چلی ہے، ابن معتز باللہ کہتا ہے:۔

لقد أتعبت نفسی فی مشیبی
فکیف تحبنی الغید الکعاب

ترجمہ: بڑھاپے میں خود پر میں نے کتنا ستم ڈھایا، کتنی محنت کی اور یہ دیکھو کہ اب خوبصورت دوشیزاؤں کو مجھ سے کتنی محبت ہو چلی ہے۔

مستحسنات اور مرغوباتِ زندگی سے لطف اندوز ہونے والے شخص کو آپ دیکھیں گے کہ اگر اسے نعمتیں حاصل ہو بھی جائیں تب بھی وہ اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

اور اگر وہ ذخیرہ اندوزی میں مصروف ہو تو پھر فائدہ اٹھانے کا وقت نہیں ملتا اور مقصود حاصل ہو بھی جائے تو بڑھاپا ایک نہایت تکلیف دہ اور بیزار کن وباعث نفرت شئے ہے۔ ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ مالدار شخص ہر وقت اپنے مال کے تعلق سے فکرمند اور خائف رہتا ہے جن سے معاملات ہوتے ہیں ان کا محاسبہ کرتا رہتا ہے، بخل واسراف دونوں صورتوں میں مذموم وقابل نفرت بن جاتا ہے، اس کا بیٹا اس کی موت کا منتظر اور باندی اس کے وجود سے نالاں اور وہ خود خدم وحشم اور حاشیہ برداروں کی حفاظت میں منہمک، پوری زندگی آزمائشوں اور مشکلات کا مقابلہ کرتے گذار دی اور لذت وتمتع کے بس چند لمحات ہی میسر ہو سکے، وہ بھی بے مزہ، پھر بروزِ قیامت امیر وتاجر سب کے سب رسوائیاں سمیٹے خدا کے سامنے حاضر ہونگے إلا ماشاء اللہ۔

تو خدارا! ان کے نعمتوں کے مظاہر کو مت دیکھو کیونکہ دور سے یہ مظاہر بہت بہتر اور خوشنما معلوم ہوتے ہیں اور اگر ان کے قریب پہنچ جاؤ تو یہی نہایت کریہ اور بدنما معلوم ہونگے اور اس کے ضمن میں دنیا و آخرت کی جو آزمائشیں ہیں وہ مستزاد۔

اس لیے جہاں تک ہو سکے قناعت شعار بنو کیونکہ قناعت شعاری میں دنیا و آخرت کی سلامتی کا راز پنہاں ہے۔

ایک زاہد سے جس کے پاس ایک خشک روٹی تھی، سوال کیا گیا کہ بھلا اس روٹی کو کھانے کی آپ کو کیونکر خواہش ہوتی ہوگی؟ انہوں نے جواب دیا کہ اسے نہیں کھاتا یہاں تک کہ (کچھ دن گذرنے کے بعد) خود بخود خواہش ہونے لگتی ہے۔

مناجات

ابن جوزی فرماتے ہیں کہ:۔

میرے درمیان اور بعض اربابِ ولایت کے درمیان مذہب کی وجہ سے کچھ رنجش اور نوک جھونک ہوگئی، میں غور و فکر کر رہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ قرآن کلام اللہ ہے اور قدیم ہے اور میں ابو بکرؒ کی تقدیم کا قائل ہو گیا، اتفاق سے بعض اربابِ ولایت مذہبِ اشعری کی جانب مائل تھے اور بعض روافض کی جانب، اور پھر کیا تھا وہ سب کے سب میرے خلاف متحد ہو گئے، ایک دن حق سبحانہ تقدس کے جناب میں مناجات کے دوران میں نے کہا کہ میرے آقا! سب کا تو ہی مالک ہے، ان میں کوئی ایسا نہیں جو مجھے نقصان پہنچا سکے اِلا یہ کہ تو اس کے ہاتھوں سے یہ نقصان کرادے اور تیرا ہی ارشاد ہے (وما ھم بضارین بہ من أحد اِلا باذن اللہ) ''ان میں سے کوئی کسی کو تیری اجازت کے بغیر نقصان نہیں پہنچا سکتا''۔

تو نے آزمائشوں میں مبتلا انسان کی ان الفاظ میں دلجوئی کی ہے (قل لن یصیبنا إلا ما کتب اللہ لنا) ''آپ کہہ دیجئے کہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا مگر اتنا ہی جتنا کہ اللہ نے تقدیر میں لکھ دیا ہے)۔

چنانچہ اے میرے آقا اگر تو نے ان میں سے کسی کے ہاتھوں مجھے رسوا کر دیا تو اے میرے آقا مجھے اپنے آپ پر خوف ہونے سے کہیں زیادہ اس پر ہے جس کی تو نے مدد کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہیں یہ نہ کہا جانے لگے کہ اگر حق پر ہوتا تو یہ رسوائی نہ دیکھنی پڑتی۔

اگر تیری نظر میری کوتاہیوں اور گناہوں پر ہے تو یقیناً میں رسوائیوں کا مستحق ہوں لیکن میں تو تیری مدد و نصرت کی سنت جاریہ کی وجہ سے آج زندہ ہوں تو میرے مولا اپنی آغوش حفاظت میں مجھے پناہ عطا فرما۔

تیرے نیک بندوں کی ایک جماعت نے مجھے تیری امان میں رکھا ہے اگر تو میری وجہ سے میری حفاظت نہیں کرتا نہ کر، ان نیک بندوں کے طفیل میری حفاظت فرما۔

میرے دشمنوں کے مقابلہ میں میری مدد کر، کیونکہ وہ تجھ سے تیری شایان شان واقف نہیں، وہ ہر حال میں تجھ سے منہ موڑے ہوئے ہیں اور میں تمام تر کوتاہیوں کے باوجود تیری ہی جانب منسوب ہوتا ہوں۔

حالات کا جوانمردی کے ساتھ مقابلہ

ابن جوزی کہتے ہیں:۔

''نیک بخت ہے وہ شخص جو اللہ کے لیے ذلت برداشت کرے اور عافیت کا طالب ہو، کیونکہ عافیت مطلقہ کسی کے مقدر میں نہیں ہوتی، آزمائشیں

تو بہر حال آتی ہیں، عقلمند انسان وہ ہے جو اپنے حالات پر قابو پانے کے لیے عافیت کے دعائیں کرتا رہتا ہو، اس لئے آزمائشوں کے ساتھ صبر بھی اس سے قریب ہو جاتا ہے، خلاصہ یہ کہ انسان کو یہ امر فراموش نہ کرنا چاہئے کہ اسے اس کی مرغوبات بغیر کسی آزمائش کے نہیں ملا کرتیں، ہر ہر گھونٹ میں اُچھو لگ جانے کا اندیشہ رہتا ہے اور ہر لقمہ کے پھنس جانے کا خطرہ۔ شاعر کہتا ہے:۔

وکم من یعشق الدنیا قدیما
ولکن لا سبیل إلی الوصال

ترجمہ: کتنوں نے دنیا سے محبت کی اس سے دل لگایا لیکن اس کا وصال کسی کو حاصل نہ ہو سکا۔

حقیقت یہ ہے کہ صبر بقدرِ مقدر ہی نصیب ہوتا ہے اور تقدیر میں انسان کی مرضی کے خلاف ہی عموماً لکھا ہوتا ہے۔

عقلمند انسان وہ ہے جو معاملہ آسان بنانے اور صبر کرنے کی خاطر اجر وثواب کی امید دلاتا رہے، تاکہ ابتلاء وآزمائش کا مرحلہ بغیر کسی شکوہ وشکایت کے طے ہو جائے، پھر اللہ تعالی سے عافیت کا طالب رہے۔

سخت جاں انسان کو اللہ کی معرفت حاصل نہیں ہوتی، ہم اللہ سے لاعلمی کی پناہ چاہتے ہیں اور اس کی معرفت کے طالب ہیں، یقیناً وہ نہایت معزز کریم اور دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔

طریق نبوت ہی افضل و برتر طریقہ ہے

صحیح مستحکم اور راست طریقہ صاحب شریعت کی اتباع اور ان کی سنت پر

عمل کی جانب مسابقت وتنافس میں ہے، کیونکہ وہی وہ ذات ہے جس میں کوئی نقص وعیب نہیں۔

بہت سے لوگ وہ ہیں جو زہد کی جانب مائل ہیں اور انہوں نے اپنے آپ کو طاقت سے زیادہ کا مکلّف بنالیا ہے، اس مرض سے افاقہ آخری عمر میں ہی ہوتا ہے، اس وقت بدن نہایت کمزور ہو چکا ہوتا ہے اور بہت سے علمی امور فوت ہو چکے ہوتے ہیں۔

کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو صورت علم کے خوگر ہیں اور اس کی طلب میں حد سے زیادہ محنت کرتے ہیں، وقتِ آخر انہیں ہوش آتا ہے اور عمل کرنے کا موقع ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے۔

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ علم وعمل اور بدنی راحت وآرام سے عبارت ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ تمھارے نفس کا تم پر حق ہے، تمھاری بیوی کا تم پر حق ہے۔

یہی معتدل طریقہ اور قولِ فیصل ہے۔

تجرد وخشک مزاجی سے کتنی علمی صلاحتیں ضائع ہوئیں، اگر یہ زہد وتقشّف حاصل ہو بھی جائے تو یاد رکھئے کہ عمل کی بدولت جو ترقی حاصل ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ علم سے حاصل ہو جاتی ہے۔

عالم کی مثال اس انسان کی ہے جو راستے سے واقف ہو اور عابد کی مثال اس انسان کی ہے جو ناواقف اور جاہل ہو، چنانچہ ایک عابد فجر سے عصر تک چلتا رہتا ہے اور عالم عصر سے کچھ پہلے سفر کا آغاز کرتا ہے اور وہ دونوں راستہ میں ایک دوسرے سے جا ملتے ہیں، اور علم اس عابد کی زائد اشواط سے سبقت لے جاتا ہے۔

اگر کوئی مجھ سے اس کی وضاحت طلب کرے تو میں کہوں گا کہ عبادت کا مطلب اللہ کی خدمت اور اس کے سامنے سرافگندگی ہے اور بسا اوقات تو عابد کو اس عبادت کا مفہوم ہی نہیں معلوم ہوتا، اس وجہ سے کہ کبھی تو وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ اس کرامت کا مستحق ہے جو اس کے ہاتھوں سرزد ہوئی ہے، اور وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی دست بوسی کی جائے اور کبھی یہ خیال کرتا ہے کہ وہ بہت سے لوگوں سے بہتر ہے، یہ سب قلتِ علم کا نتیجہ ہے۔

علم سے میری مراد اصولِ علم کی فہم ہے، کثرتِ روایت اور اختلافی مسائل کا مطالعہ مراد نہیں ہے۔

چنانچہ اگر اصول کی معرفت رکھنے والا ایک عالم مطالعہ کرے تو اپنے حسنِ اخلاق، لوگوں کی دلجوئی، تواضع وانکساری اور بندگانِ خدا کی اللہ کی جانب رہنمائی کی وجہ سے اس عابد سے سبقت حاصل کر لے گا، یہ ایک عابد کیلئے مشکل امر ہے، وہ اپنی جہالت کی شب دیجور میں نیند کی آغوش میں ہوتا ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ عابد نکاح کر لیتا ہے اور رہبانیت، تقشف اور جفافِ جسمانی پر کمر کس لیتا ہے اور اس طرح وہ اپنی بیوی کو اس کے حق کے حصول سے روک دیتا ہے، اسے طلاق بھی نہیں دیتا، ایسی عورت اس بلی کی طرح ہو جاتی ہے جو کھانے پینے کی اشیاء سے محروم ہو اور اسے آزادی بھی نہ حاصل ہو کہ وہ خود روئے زمین میں موجود اشیاء سے اپنا پیٹ بھر سکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا جس نے مطالعہ کیا ہوگا وہ اس بات سے بخوبی واقف ہوگا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بندگان خدا میں سب سے کامل انسان تھے، وہ ہر ایک کا حق پورا ادا کرتے تھے، چنانچہ آپ کبھی

مزاح فرماتے، کبھی ہونٹوں پر تبسم رقصاں ہوتا، کبھی بچوں کے ساتھ دل لگی کرتے، اشعار سنتے، کبھی پر لطف مذاق اور چھیڑ چھاڑ کی قبیل کی گفتگو فرماتے، عورتوں کے ساتھ حسنِ معاشرت اختیار کرتے، جو بھی میسر ہوتا تناول فرماتے، اگر چہ وہ لذیذ ہی کیوں نہ ہو جیسے شہد، شیریں پانی انہیں پسند تھا، سایہ میں ان کا بستر لگایا جاتا، آپ ان باتوں ناپسند نہیں فرماتے تھے۔

آپ کے بعد جاہل صوفیاء نے جو امور ایجاد کر لیے ہیں اور خواہشاتِ نفس کا جو کلی طور پر انکار کرتے ہیں یہ سب امور اللہ کے رسول سے قطعاً ثابت نہیں ہیں، کیونکہ اللہ کے رسول تو تربوز کو رطب کے ساتھ تناول فرماتے، اسے پسند فرماتے، زبان چاٹتے اور مستحسنات و مرغوبات کا مطالبہ فرماتے۔

رہا جَو کی روٹی کھانا، کھانے کو تولنا، بدن کو لاغری میں مبتلا کرنا، اسے سکھانا اور ہر پسندیدہ شئے کو چھوڑ دینا تو یہ درحقیقت نفسیاتی اذیت، اور بدن کو برباد کرنے کا سامان ہیں، نہ عقل اس کی متقاضی ہے اور نہ ہی شریعت اسے قابلِ تعریف گردانتی ہے۔

جن حضرات نے تھوڑے پر اکتفاء کیا ہے، اس کی وجوہات ہیں، مثلاً کوئی مشتبہ شئے تھی اس لئے قناعت فرمالیا اور یہ بھی سکتا کہ کھانا گڈمڈ ہو گیا ہو، اس لیے احتیاط برتی ہو اور ورع سے کام لیا ہو۔

چنانچہ آپ کو نبوی طریقہ اختیار کرنا چاہئے، اس لیے کہ وہ اکمل ترین طریقہ ہے، اور ان ہی کی شریعت کا اتباع کرنا چاہئے کیونکہ وہ ہر قسم کی آمیزش سے پاک ہے، ہر کس و ناکس زاہدوں کے فرمودات بالائے طاق رکھ دو، ان کے کلام کی کوئی مناسب توجیہ کر لو اور جہاں تک ممکن ہو ان کے لیے اعذار تلاش کر لو۔

اگر کوئی عذر و توجیہ نہ ہو سکے تو یاد رکھو کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا

عمل ان کے خلاف حجت ہے، اور وہ تمام خلق کے لیے اسوہ ہیں اور اللہ کے رسول عقلاء کے سرخیل وامام ہیں۔

شریعت سے انحراف ہی درحقیقت لوگوں کے بگاڑ وفساد کی اصل وجہ ہے، اہل تصوف اور نام نہاد زاہدین نے قسم قسم کی مصیبتیں پیدا کی ہیں، جن کی وجہ سے قبائے شریعت تار تار ہوئی ہے، نوع بنوع مفاہیم انہوں نے بیان کیے، بعض وہ ہیں جو شوق ومحبت کے مدعی ہیں اور اس عشق کا عالم یہ ہے کہ محبوب سے واقفیت ہی نہیں، اسی لیے شور وغوغا، فریاد واستغاثہ کرتے ہر جگہ نظر آئیں گے، کبھی کپڑے تک پھاڑ لیتے ہیں اور اپنے دعوائے محبت میں حدِ شریعت سے بھی تجاوز کر بیٹھتے ہیں۔

بعض وہ ہیں جو خود کو صوم دہر اور بھوکا رہنے کا پابند بنا لیتے ہیں، جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرمایا کہ ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن روزہ نہ رکھو، تو انہوں نے کہا کہ میں اس سے افضل کا طالب ہوں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس سے افضل کوئی چیز نہیں۔

کچھ ایسے ہیں جو سیاحت وسفر میں نماز باجماعت کا اہتمام نہیں کرتے، بعض وہ ہیں جنہوں نے علمی کتابوں کو دفن کر دیا ہے، اور صرف نماز روزہ میں ہر لحہ میں مصروف رہتے ہیں، انہیں یہ بھی پتہ نہیں کہ کتابوں کی یہ تدفین ایک عظیم غلطی ہے، اس لئے کہ نفس غفلت پسند واقع ہوا ہے اور وہ ہر لحظہ تذکیر کا محتاج ہے اور بہترین مذکر کتابیں ہی ہیں، ابلیس لعین کو اہلِ تصوف پر غلبہ جب کبھی حاصل ہوتا ہے اسی راستہ سے ہوتا ہے، تدفینِ کتب سے اس کا مقصود یہی ہوتا ہے کہ اس چراغ کی روشنی گل ہو جائے جس کے سہارے ایک عابد تاریکیوں کا سفر طے کرتا ہے، کسی شخص نے ایک عالم سے سوال کیا کہ میں ایک جبلِ آکام

جانا چاہتا ہوں، انہوں نے بہت عمدہ جواب دیا، کہا کہ فرصت وفراغ اور بیکاری کے طالب ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ زاہدین کی مثال چمگادڑ کی ہے جو لوگوں کے حق میں نافع نہ بن کر خود کو خلوت نشین کر لیتے ہیں، یہ ایک اچھی صفت ہو سکتی ہے اگر نماز باجماعت، جنازہ کی مشایعت اور مریض کی عیادت کے ساتھ ساتھ ہو، خوب یاد رکھیں اس قسم کی عزلت اور خلوت نشینی بزدلوں کی صفت ہے، بہادر تو وہ ہوتے ہیں جو تعلیم وتعلم میں مصروف ہوتے ہیں اور یہی درحقیقت مقاماتِ انبیاء ہیں۔

کیا آپ کو خبر ہے کہ اگر کوئی واقعہ پیش آجائے تو ایک عالم وعابد کے درمیان کیا فرق نمودار ہوتا ہے؟ واللہ اگر خلقِ خدا کا رجحان صرف تعبد کی جانب ہو تو شریعت مٹ جائے، جب کہ یہ حقیقت ہے کہ اگر وہ عبادت کے صحیح مفہوم سے واقفیت ہوتے تو وہ صرف نماز روزہ پر اکتفاء نہ کرتے، کیونکہ ایک مسلمان کی ضرورت پوری کرنے کیلئے قدم اٹھانے میں عبادت سے بھی زیادہ ثواب ہے۔ جسم کا کام یہ ہے کہ آلات ظاہرہ کے لئے سعی کرے اور علم آلات باطنہ عقل وفکر اور فہم کے استعمال کا نام ہے، یہی بہتر شئے ہے۔

اگر یہ اشکال کیا جائے کہ معتزلہ مذموم کیوں ہیں؟ اور ان کی عبادت کی نفی کیوں کی جاتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم ان کی مذمت نہیں بیان کرتے، بلکہ قلتِ علم کی وجہ سے ان سے جو جاہلانہ دعوے اور آفاتِ جہل وجود میں آئی ہیں اور انہوں نے خود کو ایسے امور کا اہل قرار دے لیا ہے جس کے وہ اہل نہیں ہیں، اس کی مذمت کی جاتی ہے۔

کیونکہ ان میں بعض یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نفس کیلئے باعثِ اذیت تمام اعمال مطلقاً کارِ ثواب ہیں، بعض احمقوں نے تو یہاں تک کہ ڈالا کہ میں حمام گیا

تو ذکرِ الٰہی سے غفلت ہوگئی تو میں نے یہ قسم کھائی کہ جب تک اتنی اتنی تسبیحات مکمل نہ کرلوں باہر نہ آؤں گا، اس امر کے طوالت کے سبب بیمار ہوگیا۔

ایک یہ ہیں کہ جنہوں نے ایسے عمل کی خاطر جان سے کھیل گئے جوان سے مطلوب ہی نہیں تھا، کچھ ایسے بھی صوفیاء و زاہدین ہیں جو محض لباس کی صورت پر قانع ہیں حالانکہ ان کا باطن جہل مرکب کا شکار ہے، ایسی جہالت کہ ایک کتاب بھی جس کے بیان کیلئے ناکافی ہو، خدا ایسے لوگوں سے دنیا کو پاک فرمادے اور ان کے مقابلہ میں علمائے حق کی مدد فرما، کیونکہ تمام احمق متحد ہیں، اور کوئی عالم ان پر نکیر کرے تو یہ سب کے سب عوام کے ساتھ مل کر اس عالم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

میں نے بہت سے ایسے عبادت گذار دیکھے ہیں جو بوڑھی عورتوں کی مانند تسبیحات پڑھتے رہتے ہیں یہ تسبیحات زبان سے ادا نہیں ہوتیں اور نماز میں ایسے اعمال کرتے ہیں جن کا سنت میں کہیں ثبوت نہیں۔

ایک روز میں ایک عابد کے یہاں گیا، انہوں نے ایک امام مقرر کر رکھا تھا جس کی اقتدا میں وہ نمازِ ظہر ادا فرما رہے تھے اور وہ بھی قراءت بالجہر کے ساتھ، میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے کہ ظہر کی نماز تو گونگی ہے (قراءت بالجہر نہیں ہے) تو انہوں نے کہا کہ یہ شخص (مراد خود ابن جوزی) کتنے اعتراضات کرتا رہتا ہے، فلاں کے یہاں تو اعتراض، دوسرے کے پاس پہنچا تو اعتراض!! ارے اللہ کے بندے ہم قرائت بالجہر اس لئے کرتے ہیں تاکہ نیند نہ آئے، میں نے کہا: تعجب ہے بھلا سونے اور نیند پوری کرنے سے کس نے منع کیا ہے؟ کیا صحیحین میں حضرت ابن عمرو کے حوالہ سے یہ روایت مذکور نہیں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

عبادت بھی کرو اور سوؤ بھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی سویا کرتے تھے، اور شاید کوئی رات ایسی نہ گذری ہوگی جس میں آپ نے نیند نہ فرمائی ہو۔

ایک شخص جن کا اسمِ گرامی حسین قزوینی تھا میں نے انہیں جامع منصور میں تیز تیز قدموں کے ساتھ کافی دیر سے چلتے دیکھا تو وجہ دریافت کی تو جواب ملا کہ تاکہ نیند نہ آئے۔

یہ تمام امور سوائے حماقت کے اور کچھ بھی نہیں ان کی اصل وجہ قلتِ علم ہے، ظاہر ہیکہ اگر انسان کی نیند پوری نہیں ہوگی تو عقل ماؤف ہو جائیگی اور نافہمی کی وجہ سے مقصود عبادت بھی ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

جامع منصور میں رہنے والے بعض صلحاء نے مجھ سے ذکر کیا کہ کثیر نامی ایک شخص ان کے پاس مسجد میں آیا اور کہنے لگا کہ میں نے اللہ تعالی سے ایک معاہدہ کیا تھا اسے توڑ دیا ہے، اس لئے میں نے اپنی یہ سزا طے کی ہے چالیس دن کھانا نہیں کھاؤں گا، کہتے ہیں کہ وہ شخص تقریبا پہلے عشرہ تک باجماعت نماز ادا کرتا رہا، پھر دوسرے عشرہ میں کمزوری نظر آنے لگی اور اپنے اس فیصلہ پر غور کرنے لگا، پھر تیسرے ہفتہ میں بیٹھ کر نماز پڑھنے لگا اور چوتھے ہفتہ میں تو بے بس ہو کر لیٹ کر نماز ادا کی، چار ہفتے مکمل ہونے کے بعد جب اس نے جوس پیا تو ایسی آواز سنائی دی جیسے گرم فرائی پین میں پانی کے گرنے سے آتی ہے پھر کچھ دنوں بعد اس کا انتقال ہوگیا، میں نے کہا اللہ اکبر!! کتنی تعجب خیز بات ہے! ! جہالت نے جاہلوں کو کیسے کیسے نقصانات پہنچائے ہیں، ظاہر ہے کہ اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا الا یہ کہ اللہ تعالی نے معاف فرمادیا ہو۔

کاش عوام الناس کو سمجھ آجاتی اور علماء سے رجوع کرلیا ہوتا تو معلوم ہو جاتا کہ اس کو کھانا کھالینا چاہئے تھا، اس نے اپنے ساتھ جو بھی کیا ہے وہ عمل

حرام ہے، اور سب سے بڑی جہالت یہ ہے کہ انسان اپنے علم اپنی ذات تک خاص کر لے، یہ بری صفات رفتہ رفتہ جنم لیتی ہیں اور پھر جڑ پکڑ لیتی ہیں، اور مشروب اول کا تو اس سے کوئی واسطہ نہیں، اور نہ ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین ایسا کرتے تھے، وہ تو ایثار سے کام لیتے تھے، کھانا کھاتے تھے لیکن آسودگی کے ساتھ نہیں، اور جب نہ ملتا تو صبر کرتے تھے۔

چنانچہ جو اقتداء کرنا چاہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ اور صحابہ کرام کی پیروی کرے، کیونکہ یہی شفاء کی ضامن اور یہی حقیقی مقصود ہے۔

بدعت کی بنیاد

ہمارے علم وعمل کے ذریعہ دین میں جو فساد در آیا ہے، میں نے اس پر غور کیا تو مجھے دو وجوہات سمجھ میں آئیں اور ان دونوں سے لوگ خوب مانوس ہیں، علم اور عقیدہ میں پیدا ہونے والا اصل فساد تو فلسفہ کے ذریعہ آیا ہے، کیونکہ مذہبی علماء کی ایک بڑی تعداد نے محض کتاب وسنت پر اپنی نگاہیں مرکوز نہ رکھیں اور ان سے مطمئن نہ ہوئے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطمئن کرنا چاہا تھا اور فلسفیانہ مباحث ومطالب کی تحقیق میں غرق ہوتے گئے اور ایسے فضول ولایعنی مباحث میں الجھ گئے کہ عقائد تک فاسد ہو گئے۔

اور عملی فساد کی جڑ رہبانیت ہے، اس لیے کہ نام نہاد زاہدین کی ایک بڑی جماعت نے عیسائی راہبین سے طریق تقشف لیا ہے، انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں نہ غور کیا اور نہ ہی صحابہؓ کی سیرت کا مطالعہ کیا، دنیا کی مذمت تو سنی؛ لیکن اس کا مقصود نہ سمجھ سکے، اس طرح علم شریعت سے ناواقفیت کے ساتھ ساتھ مقصود کی غلط فہمی بھی یکجا ہو گئی اور پھر ان سے نئی نئی

بدعات کا ظہور۔ بس اللہ کی پناہ، ابلیس نے انہیں سب سے پہلے علم سے دور کر دیا، ان کی کتابیں دفن کروادیں اور ان سے کلی طور پر رشتہ ختم کر دیا اور پھر ان کے زعم کے مطابق زاویہ عبادت میں قید کر دیا اور ان سے وہ وہ برائیاں کروائیں کہ عوام الناس کا بھی میلان ہونے لگا اور آخر کار انہوں نے اپنی خواہشاتِ نفس کو اپنا معبود بنالیا، اگر ان کو معلوم ہوتا کہ علم سے دوری اختیار کرنے اور اس سے رشتہ توڑنے سے ان کا چراغِ راہِ سلوک بجھ جائے گا تو وہ قطعاً ایسا نہ کرتے، لیکن ابلیس تو نہایت شاطر اور بہت ماہر چالباز ہے کہ اس نے علم ہی کو دفن کروادیا، جبکہ علم کی بدولت ہی یہ فساد اور بگاڑ معلوم کیا جاسکتا تھا، اور اسی سے ہدایت کا حصول ممکن تھا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس دولت علم سے محروم نہ فرمائے کیونکہ یہی شبِ تاریک مین قندیل رہبانی، وحشتوں کا انیس وغمخوار اور مصیبت میں ہمدم ومددگار ثابت ہوتا ہے۔

بلند ہمتی

انسان کے لیے سب سے بڑی ابتلاء اس کی بلند ہمتی ہے، اس لیے جس کی ہمت بلند ہوتی ہے، وہ بلند سے بلند مراتب کا انتخاب کرتا ہے، پھر کبھی زمانہ مساعد نہیں ہوتا اور کبھی وسائل مفقود ہوتے ہیں، تو ایسا شخص ہمیشہ کوفت میں رہتا ہے، مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے بلند حوصلہ عطا فرمایا ہے، اور اس کی وجہ سے میں بھی تکلیف میں ہوں، لیکن میں یہ بھی نہیں کہتا کہ کاش یہ مجھے یہ بلند حوصلہ نہ عطا ہوتا، اس لیے کہ زندگی کا پورا لطف اور بے فکری، بے عقلی اور بے حسی کے بغیر نہیں اور صاحب عقل یہ گوارا نہیں کرسکتا کہ اس کی عقل کم کردی جائے اور زندگی کا لطف

بڑھا دیا جائے، میں نے کئی آدمیوں کو دیکھا کہ اپنی بلند ہمتی کا بڑی اہمیت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، لیکن غور کیا تو معلوم ہوا کہ ان کی ساری بلند ہمتی صرف ایک صنف اور ایک ہی شعبہ میں ہے، اس کے علاوہ دوسرے شعبوں میں (جو بعض اوقات ان کے شعبہ سے زیادہ اہم ہوتے ہیں) ان کو اپنی کمی یا پستی کی کوئی پرواہ نہیں، شریف رضی اپنے ایک شعر میں کہتا ہے کہ ''ہر جسم کی لاغری کا ایک سبب ہے اور میرے جسم کی مصیبت میری بلند ہمتی ہے''۔ لیکن میں نے اس کے حالات کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ حکومت کی سوا اسکا کوئی مطمحِ نظر نہ تھا، ابو مسلم خراسانی اپنی جوانی کے زمانے میں سوتا نہ تھا، کسی نے اس سے سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ دماغ روشن، ہمتِ بلند، نفس بلندیوں کا حریص، اس کے ہوتے ہوئے پست اور محدود زندگی بھلا نیند کس طرح آئے؟ کسی نے کہا کہ تمھاری تسکین کس طرح ہو سکتی ہے، کہا کہ صرف اس طرح کہ سلطنت حاصل ہو جائے، لوگوں نے کہا پھر اس کی کوشش کرو، اس نے کہا کہ یہ خطروں میں پڑے اور جان کی بازی لگائے بغیر ممکن نہیں، پوچھا گیا کہ پھر کیا ارادہ ہے؟ کہا پھر عقل کا مشورہ قبول نہیں کروں گا اور نادانی کے ہاتھ اپنی باگ ڈور دے دوں گا، نادانی سے خطرہ مول لوں گا اور جہاں عقل کے بغیر کام نہیں چلتا، وہاں عقل سے کام لوں گا، اس لیے گمنامی اور افلاس لازم و ملزوم ہیں، میں نے اس فریب خوردہ حوصلہ مند ابو مسلم کے حالات کا پر نظر کی تو معلوم ہوا کہ اس نے سب سے اہم مسئلہ ہی کی بیخ کنی کر دی اور وہ مسئلہ آخرت ہے، وہ حکومت کی طلب میں دیوانہ رہا اور سلطنت کی خاطر اس نے کتنا خون بہایا، کتنے بے گناہ بندگانِ خدا کو قتل کیا، یہاں تک کہ اس کو دنیاوی لذتوں کا ایک قلیل حصہ حاصل ہوا، جو اس کا مطلوب تھا، لیکن اس کو آٹھ سال سے زیادہ اس سے لطف اندوز ہونے کا موقع نہ ملا، اس کو دھوکہ سے

قتل کر دیا گیا، وہ اپنی عقل سے اس کا کوئی بندوبست نہ کر سکا اور (سفاح کے ہاتھوں) قتل ہو کر دنیا سے بڑی بری حالت میں رخصت ہو گیا، اسی طرح متنبی نے اپنی بلند ہمتی اور حوصلہ مندی کا بڑا ترانہ گایا ہے، وہ کہتا ہے:

وفی الناس من یرضی بمیسور عیشه
ومرکوبه رجلاه والثوب جلده
ولکن قلبا بین جنبی ماله
مدی ینتهی بی فی مراد أحده
یری جسمه یکسی شفوفاً تربه
فیختار أن یکسی دروعاً تهده

ترجمہ: بعض لوگ معمولی رزق پر قناعت کر بیٹھتے ہیں جبکہ ان کی سواری کے لیے ان کے پیر اور بدن ڈھانپنے کے لیے بدن کی کھال کے سوا کچھ نہیں ہوتا، لیکن میرے پہلو میں ایسا باحوصلہ دل ہے جسے کسی ایک منزل پر قرار نہیں، میرے جسم کو آرام دہ اور نرم و گداز کپڑے حاصل ہونے کے بعد ایسی زرہوں کی طلب ہے جو بدن کو بوجھل کر دے۔

لیکن میں نے دیکھا متنبی کو محض دنیا کی ہوس تھی۔

لیکن میری عالی ہمتی کا معاملہ عجیب ہے، میں علم کا وہ درجہ حاصل کرنا چاہتا ہوں جہاں تک مجھے یقین ہے میں پہنچ نہیں سکوں گا، اس لیے کہ میں تمام علوم کا حصول چاہتا ہوں، خواہ ان کا کچھ موضوع ہو، پھر ان میں سے ہر علم کی تکمیل اور احاطہ چاہتا ہوں اور اس مقصد کے ایک حصہ کا حصول بھی اس چھوٹی سی عمر میں ناممکن ہے، پھر میرا یہ حال ہے کہ اگر کسی فن میں کسی کو کمال حاصل ہوتا ہے اور دوسرے فن میں وہ ناقص ہوتا ہے تو مجھے وہ ناقص نظر آتا ہے، مثلاً

محدث فقہ سے بے بہرہ ہے، فقیہ حدیث سے بے خبر، میرے نزدیک علم کا نقص پست ہمتی کا نتیجہ ہے، پھر علم سے میرا مقصود پورا پورا عمل ہے، میرا جی چاہتا ہے کہ مجھ میں بشر حافی کی احتیاط اور معروف کرخی کا زہد جمع ہو جائے، پھر یہ بات تصانیف کے مطالعہ، عامۃ الناس اور بندگانِ خدا کو تعلیم وافادہ اور ان کے ساتھ رہنے سہنے کے مشاغل کے ساتھ بہت مشکل ہے، پھر میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ مخلوق سے سے مستغنی رہوں اور بجائے ان کا احسان لینے کے ان پر احسان کرنے کے قابل بن سکوں، درآنحالیکہ علم کے ساتھ اشتغال کسبِ معاش سے مانع ہے، دوسروں کا ممنون ہونے اور انکے سلوک و ہدایا قبول کرنے کو میری ہمت گوارنہیں کرتی، پھر مجھے اولاد کی بھی خواہش ہے اور بلند پایہ تصانیف کا شوق بھی ہے، تاکہ یہ سب میری یادگار اور دنیا سے جانے کے بعد میرے قائم مقام ہوں، اس کا اہتمام کیا جائے تو دل کے پسندیدہ اور محبوب مشغلہ خلوت وتنہائی میں فرق آتا ہے اور طبیعت میں انتشار پیدا ہوتا ہے، پھر مجھے طیبات اور مستحسنات سے جائز لطف لینے کا بھی شوق ہے، لیکن اس میں مال کی کمی سدراہ ہے، پھر اگر اس کا سامان ہو جائے تو جمعیتِ خاطر رخصت، اسی طرح میں ان غذاؤں اور ایسے کھانے پینے کے کا بھی شائق ہوں، جو جسم کے موافق اور اس کے لیے مفید ہوں، اس لیے کہ میرا جسم نفاست پسند اور شائق واقع ہوا ہے، لیکن مال کی کمی یہاں بھی رکاوٹ بنتی ہے، یہ سب درحقیقت اضداد کو جمع کرنے کی کوشش ہے، بھلا اس عالی ہمتی کا مقابلہ وہ لوگ کیا کر سکتے ہیں جن کو صرف دنیا مطلوب ہے، پھر میری خواہش یہ بھی ہے کہ دنیا کا حصول اس طرح ہو کہ میرے دین پر آنچ نہ آئے اور وہ بالکل محفوظ ہو اور نہ میرے علم اور عمل پر کچھ اثر پڑے، میری بے چینی کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے، ایک طرف مجھے شب

بیداری عزیز ہے، احتیاط وتقوی کا اہتمام ہے، دوسری طرف علم کی اشاعت وافادہ اور تصنیف وتالیف اور جسم کے مناسب غذائیں بھی مطلوب ہیں اور یہ بغیر قلب کی مشغولیت کے ممکن نہیں، ایک طرف لوگوں سے ملنا جلنا اور ان کی تعلیم ضروری ہے، دوسری طرف خلوت وتنہائی کی دعا ومناجات میں کمی تو اس پر سخت تأسف اور رنج ہوتا ہے، متعلقین کے لیے قوت لایموت کا انتظام کیا جائے تو زہد واحتیاط کے معیار میں فرق آتا ہے، لیکن میں نے اس ساری تکلیف اور کوفت کو گوارا کر رکھا ہے اور راضی برضا ہو گیا ہوں اور شاید میری اصلاح وترقی اسی تکلیف اور کشمکش میں ہے، اس لیے کہ بلند ہمت ان اعمال کی فکر میں رہتے ہیں، جو خدا کے یہاں باعث تقرُّب ہیں، میں اپنے انفاس کی حفاظت کرتا ہوں اور اس سے احتیاط کرتا ہوں کہ ایک سانس بھی کسی لایعنی کام میں صرف ہو، اگر میرا مطلوب حاصل ہو گیا تو سبحان اللہ، ورنہ نیۃ المومن خیر من عملہ۔ (۷)

نفس کی تاویلیں

ابن جوزی فرماتے ہیں:۔

میں نے دو مزدوروں کو دیکھا کہ ایک بھاری شہتیر اٹھا کر لے جا رہے ہیں اور دونوں کچھ گا رہے ہیں، ایک مصرعہ پڑھتا ہے اور دوسرا ترنم سے اس کا جواب دیتا ہے، ایک پڑھتا ہے تو دوسرا کان لگا کر سنتا ہے، پھر دوسرا اس کو دوہراتا ہے، یا اسی طرح کے مصرعہ سے جواب دیتا ہے، مجھے خیال ہوا کہ اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان کو محنت اور بوجھ کا احساس زیادہ ہو، لیکن اس ترکیب سے ان کا کام آسان ہو جاتا ہے، میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ ذہن اتنی دیر دوسرے کام میں لگ کر سستا لیتا ہے اور کچھ سرور حاصل کر لیتا ہے، اور جواب کی فکر میں مشغول

ہو کر اس میں تازگی پیدا ہو جاتی ہے اور اس طرح راستہ طے ہو جاتا ہے اور بوجھ کے احساس سے غفلت ہو جاتی ہے، اس سے میرا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ انسان نے شرعی ذمہ داریوں اور فرائض کا بوجھ اٹھا رکھا ہے اور سب سے بڑا بوجھ اپنے نفس کی سیاست کا ہے، بڑا کام یہ ہے کہ اس کو اس کے مرغوبات سے روکا جائے اور جن چیزوں سے اس کو رغبت نہیں ان پر اس کو قائم رکھا جائے، میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ صبر کے راستہ کو تسلی اور اور نفس کی جائز دلداری کی مدد سے قطع کیا جائے، جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے کہ ''رات بھر چلتے چلتے سواریاں تھک جائیں اور فریاد کریں تو صبح کی روشنی کی امید دلاؤ اور دن چڑھے آرام کرنے کا وعدہ کرلو۔

اسی طرح کی حکایت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ اور ان کے ایک ساتھی کہیں جا رہے تھے، ساتھی کو پیاس لگی، اس نے کہا کہ کنویں سے پانی نکالیں، بشر حافی نے کہا کہ اگلے کنویں سے پی لیں گے، جب وہ کنواں آیا تو بشر حافی نے آگے کی کنویں کی طرف اشارہ کیا کہ وہاں تک صبر کرو، اسی طرح تسلی دیتے ہوئے بہت دور لے آئے، پھر اس سے کہا: اسی طرح دنیا کا سفر طے ہو جاتا ہے، واقعہ یہ ہیکہ جس شخص نے اس نقطہ کو سمجھ لیا، وہ اپنے نفس کو بہلائے گا اور اس کی دلجوئی کرے گا اور اس سے وعدہ کرتا رہے گا تا کہ وہ اپنے بوجھ کو سنبھال سکے اور اس پر صبر کر سکے، بعض بزرگانِ سلف فرماتے تھے کہ ''اے نفس میں تجھے تیری مرغوب چیز سے روکتا ہوں تو محض شفقت اور خوف کی بنا پر، ابو یزیدؒ کا قول ہے کہ ''اپنے نفس کو خدا کی طرف میں بڑھائے لے جاتا ہوں اور وہ روتا رہتا ہے، پھر رفتہ رفتہ ہنستا کھیلتا اللہ کی طرف بڑھنے لگا، یاد رکھنا چاہئے کہ نفس کی خاطر داری اور ملاطفت ضروری ہے اور راستہ اسی طرح طے ہوتا ہے''۔ یہ ایک اشارہ ہے اور اس کی وضاحت باعث طوالت۔(۸)

دل شکستہ انسانوں کی دعا

وہ فرماتے ہیں:۔

مجھے ایک مرتبہ ایسا معاملہ پیش آیا جس میں اللہ سے مانگنے کی اور دعا کرنے کی ضرورت تھی، میں نے دعا کی اور اللہ سے سوال کیا، ایک صاحبِ صلاح اور اہلِ خیر بھی میرے ساتھ ہو گئے، میں نے قبولیت کے کچھ آثار دیکھے، میرے نفس نے کہا کہ یہ اس بزرگ کی دعا کا نتیجہ ہے، تمھاری دعا کا نتیجہ نہیں، میں نے کہا کہ مجھے اپنے ایسے گناہوں اور کوتاہیوں کا علم ہے، جن کی وجہ سے واقعی مجھے اس کا حق نہیں ہے، کہ میری دعا قبول ہو، لیکن کیا تعجب ہے کہ میری ہی دعا قبول ہوئی ہو، اس لیے کہ یہ مرد صالح ان گناہوں اور تقصیرات سے محفوظ ہے، جن کا مجھے اپنے متعلق علم ہے، لیکن مجھ اور اس میں ایک فرق ہے، مجھے اپنی تقصیر اور گناہوں کی بنا پر دل شکستگی اور ندامت ہے اور اس کو اپنے معاملہ پر فرحت وسرور اور کبھی اعترافِ تقصیر ایسی ضرورتوں کی موقع پر زیادہ کارآمد اور مؤثر ہوتا ہے اور ایک بات میں ہم اور وہ مساوی ہیں، وہ یہ کہ ہم دونوں میں سے کوئی اپنے اعمال کی بنا پر فضل کا طالب نہیں، تو اگر میں ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ ندامت سے گردن جھکا کر اور گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہوں کہ مجھے محض اپنے فضل سے عطا فرما، میں بالکل خالی ہاتھ ہوں، تو مجھے امید ہے کہ میری سن لی جائیگی اور ممکن ہے کہ اس کی نظر اپنے حسنِ عمل پڑے اور یہ اس کے لیے روک بن جائے، تو اے میرے نفس میرا دل زیادہ نہ توڑ، وہ پہلے ہی ٹوٹا ہوا ہے، مجھے اپنے حالات کا ایسا علم ہے جس کا تقاضا ادب اور تواضع ہے، پھر اپنی تقصیروں کا اقرار ہے، جس چیز کا میں نے سوال کیا، اس کا بے حد محتاج ہوں، اور جس سے سوال کیا ہے،

اس کے فضل کا یقین ہے اور یہ سب باتیں اس عابد کو حاصل نہیں تو اللہ اس کی عبادت میں برکت کرے، میرا تو اعتراف تقصیر ہی بڑی کام کی چیز ہے۔(۹)

ادب کے آثار

ابن جوزی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔

میں نے دیکھا ہے کہ شکاری کتے جب محلّہ کے کتوں کے پاس سے گذرتے ہیں تو محلّہ کے کتے تو ان کو بھونکتے ہیں اور بہت شور مچاتے ہیں اور ان کے پیچھے دوڑتے ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ ان کتوں کی بڑی عزت ہے، ان پر جھول پڑی ہے، تو ان کو حسد آتا ہے، لیکن اس کے برخلاف شکاری کتے ان کی توجہ ہی نہیں کرتے اور ان کو خاطر میں نہیں لاتے اور ان کی بھونکنے کی کچھ پرواہ نہیں کرتے، شکاری کتے گویا ان کتوں کی قوم ہی سے نہیں ہیں، اس لیے کہ مقامی کتے موٹے موٹے بدن اور بھدی اعضاء کے ہیں، ان میں امانت کی صفت نہیں، لیکن شکاری کتے نازک اور پھرتیلے ہیں، جیسا ان کا بدن نازک اور پھرتیلا ہے، اسی طرح ان کی عادات مہذب، شکار کرتے ہیں تو کیا مجال کہ اس کو منھ لگائیں، مالک کے ڈر سے یا اسکے احسانات کے شکریہ میں وہ اس شکار کو جوں کا توں پہنچا دیتے ہیں، اس سے ایک بات تو میں سمجھا کہ بدن اور اخلاق میں خاص مناسبت ہوتی ہے، اگر وہ لطیف ہے تو یہ بھی لطیف ہیں، دوسرے یہ معلوم ہوا کہ آدمی کو اس پر حسد نہیں آتا، جس کو وہ اپنے طبقہ کا یا اپنی سطح کا نہیں سمجھتا، اس طرح جس کو ایمان و عقل کی دولت سے سرفراز کیا گیا ہو اس کو اپنے اس حاسد پر حسد نہیں ہوتا، جو ایمان و عقل سے محروم ہو اور وہ اس کو قابل التفات نہیں سمجھتا، اس لیے کہ وہ دوسرے عالم میں ہے اور یہ دوسرے عالم

میں، وہ دنیا کی بنا پر حسد کرتا ہے اور اس کا مطمحِ نظر آخرت ہے اور دونوں میں بعد المشرقین ہے۔(۱۰)

تصنیفات

ابن جوزی علیہ الرحمہ کی بے شمار تصانیف ہیں، ان میں سے مشہور یہ ہیں:۔

(۱) المغنی فی التفسیر (۲) زاد المسیر فی علم التفسیر، ۹ جلدیں (۳) تیسیر البیان فی تفسیر القرآن (۴) عمدۃ الراسخ فی معرفۃ الناسخ والمنسوخ (۵) منہاج الوصول الی علم الاصول (۶) منہاج اہل الاصابۃ (۷) جامع الأسانید فی أخص الأسانید (۸) التحقیق فی أحادیث التعلیق (۹) الموضوعات من الأحادیث المرفوعات (۱۰) العلل المتناہیۃ فی الأحادیث الواہیہ (۱۱) مناقب ابوبکر رضی اللہ عنہ (۱۲) فضائل عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ (۱۳) مناقب علی رضی اللہ عنہ (۱۴) فضائل عمر ابنِ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ (۱۵) فضائل سعید ابن مسیب، حسن بصری، فضیل ابنِ عیاض، سفیان ثوری، احمد ابن حنبل وغیرہ (۱۶) تلقیح فہوم أہل الأثر فی عیون التاریخ والسیر (۱۷) المنتظم فی تاریخ الملوک والأمم (۱۸) الإنصاف فی مسائل الخلاف (۱۹) عمدۃ الدلائل فی معرفۃ المسائل (۲۰) علوم الوعظ (۲۱) الیواقیت فی الخطب (۲۲) نسیم الریاض (۲۳) المدہش (۲۴) نزہۃ الأدیب (۲۵) تحفۃ الوعاظ (۲۶) ذم الہوی (۲۷) صید الخاطر (۲۸) کتاب الاذکیاء۔

وفات

۵۹۷ھ مطابق ۱۲۰۰ء کو ان کا انتقال ہوا، انہوں نے اپنی قبر پر یہ کندہ کرنے کی وصیت کی تھی:۔

يـا كثيـر الـصـفـح عـمـن كثـر الذنب لديـه

جاء ک المذنب يرجو الصفح عن جرم لديه

أنـا ضيف وجـزاء الـضيف إحـسـان إليـه

(اے وہ ذات جو کثرتِ گناہ پر بھی خوب عفو ودرگذر کا معاملہ کرنی والی ہے، ایک سیہ کار مجرم اپنے گناہوں کی معافی کی امید میں تیرے در پر حاضر ہوا ہے، میں مہمان ہوں اور مہمان کا بدلہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ احسان کا برتاؤ کیا جائے۔

اللہ تعالی علامہ ابنِ جوزی علیہ الرحمہ کو اسلام اور مسلمانوں کی خدمات کی بہتر جزاء عطا فرما، یقیناً وہ اپنے عہد کا مجدد اور بے نظیر شخص تھا۔

حوالہ جات

(۱)۔ الذیل علی طبقات الحنابلۃ :۱/۳۹۹، وفیات الأعیان:۳/۱۴۰، تذکرۃ الحفاظ، شذرات الذھب، الکامل از ابن اثیر:۱۲/۱۷، البدایۃ والنھایۃ :۱۳/۲۸، عقد الجمان از عینی:۱۷/۲۶۱، غایۃ النھایۃ از جزری:۴/۳۷۵، تاریخ الاسلام از ذہبی:۹۸، صید الخاطر وتلبیس ابلیس، تاریخ دعوت وعزیمت از مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی۔

(۲)۔ سن رسیدہ شیخ صالح وصادق ابوالحسن علی بن عبدالواحد بن احمد الدینوری ہیں، دیکھئے: شذرات الذھب:۴/۶۴، سیر أعلام النبلاء:۱۹/۵۲۵، المنتظم:۱۰/۷۔

(۳)۔ امام زاہد شیخ الاسلام، مسند الآفاق ابوالوقت عبدالأول بن ابوعبداللہ عیسی بن شعیب سجزی ہیں، دیکھئے: وفیات الاعیان:۳/۲۲۶، سیر اعلام النبلاء:۲۰/۳۰۳، المنتظم:۱۰/۲۳۹، البدایۃ والنھایۃ:۱۲/۲۳۸۔

(۴)۔ امام لغت مایہ ناز لغوی ابومنصور موہوب بن احمد جوالیقی ہیں، دیکھئے:

سیر اعلام النبلاء: ۸۹/۲۰، وفیات الاعیان: ۳۴۲/۵، معجم الأدباء: ۲۰۵/۱۹، البدایۃ والنہایۃ: ۲۲۰/۱۲، المنتظم: ۱۱۸/۱۰۔

(۵)۔امام فقیہ، عالم نحو ولغت، ماہر طبیب موفق الدین ابو محمد عبد اللطیف بن فقیہ یوسف بن محمد موصلی ثم بغدادی شافعی ہیں، دیکھئے: سیر أعلام النبلاء: ۳۲۰/۲۲، طبقات الشافعیۃ: ۱۳۲/۵، بغیۃ الدعاۃ: ۱۰۶/۲، شذرات الذہب: ۱۳۲/۵۔

(۶)۔کتاب الذیل علی طبقات الحنابلۃ، از ابن رجب: ۳۹۹/۱-۴۳۲۔

(۷)۔صید الخاطر، ج ۲، ۳۳۴-۳۳۷، ترجمہ منقول از: تاریخ دعوت عزیمت، حصہ اول، ص: ۲۲۹-۲۳۲

(۸)۔ایضاً، ص: ۲۴۰-۲۴۱۔

(۹)۔ایضاً، ص: ۲۴۲۔

(۱۰)۔ایضاً، ص: ۲۴۱۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ (۱)

۶۰۴ھ-۶۷۲ھ

جلال الدین محمد ابن محمد ابن محمد ابن محمد حسین ابن احمد ابن قاسم ابن مسیّب ابن عبد اللہ ابن عبد الرحمٰن ابن سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ کو بلخ میں پیدا ہوئے، بلخ افغانستان کا ایک شہر ہے، ان کے والد ملقب بہاء الدین اپنے عہد کے نامور علماء اور اجلۂ مشائخ میں تھے، سلطان خطاب بھی تھا۔

شیخ جلال الدین رومی نے شیخ برہان الدین محقق ترمذی کے پاس جوان کے والد سلطان العلماء کے مرید خاص تھے، تعلیم و تعلم کا آغاز کیا، جلال الدین رومی کا عہد عقلی علوم کے غلبہ کا عہد ہے، اس زمانہ میں ہر ایک کی توجہ عقلی علوم کی تعلیم و تحصیل اور بحث و تحقیق تھی اور وہی سب کا مرکزِ توجہ تھے۔

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ اس عہد کے علمی و ثقافتی رجحانات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> غرض سارا عالم ایک خشک کلامی بحران میں مبتلا تھا اور سب پر ایک ''عقلی ظاہریت'' چھائی ہوئی تھی، امت کی قوت عمل اور اس سے بڑھ کر ''حرارت عشق'' جو اس امت کا سرمایہ ہے، اس کی طاقت کا سرچشمہ، اور نبوت کا فیضان ہے، سرد ہوتی جارہی ہے تھی، دل سوز سے خالی اور حرارت عشق سے عاری ہوتے جارہے تھے، اسی صدی کی ابتداء میں امام رازی (۲) نے انتقال کیا تھا جنہوں نے علم کلام کا صور اس بلند آہنگی سے پھونکا تھا کہ اس کی صدائے

بازگشت کے علاوہ کوئی آواز سننے میں نہ آتی تھی، اپنی طاقتور شخصیت عظیم الشان تالیفات اور دقیق وعمیق تحقیقات کے ذریعہ علم کلام کی تجدید کی تھی۔

متکلمین نے اپنی قوت استدلال اور مقدمات ونتائج کی آراستگی سے معترضین کی زبانوں کو خاموش کر دیا تھا، لیکن وہ قلوب کو سکینت وایمان واہل شک وارتیاب کو یقین واذعان عطا کرنے میں ناکام رہے تھے۔(۳)

اس عہد کی یہ عمومی صورتحال تھی، لیکن مولانا روم کے والد شیخ بہاء الدین علمائے عصر کی ان علوم کے درس وتدریس اور قرآن وحدیث سے بے توجہی برتنے پر تنقید ومذمت فرمایا کرتے، عام رجحانات کے بالمقابل اس برملا تنقیدی مواقف کی وجہ سے علماء اور اصحاب سیاست کے مابین کشمکش کا ماحول پیدا ہو گیا، اسی لیے وہ سلطان روم علاء الدین کی دعوت پر ۶۲۶ھ میں قونیہ ہجرت کر گئے، اور ۶۳۸ھ میں وہیں وفات پائی، ان کے بعد ان کے بیٹے مولانا جلال الدین رومی آپ کی جانشین ہوئے، قونیہ میں سلطان کے اتالیق امیر بدر الدین گہرتاش نے آپ کے لئے مدرسہ خداوندگار تعمیر کیا اور اس کے لیے بڑا وقف کیا اور آپ کو صدارت کی ذمہ داری سپرد کی۔

وعظ وتدریس

اپنے والد نامدار کی طرح شیخ رومی نے درس وتدرس اور وعظ وارشاد کا سلسلہ شروع کیا، ۶۳۰ھ میں شام تشریف لے گئے اور حلب کے مدرسہ ''حلاویہ'' میں قیام پذیر ہوئے، یہاں کمال الدین ابن العدیم جو اجلۂ علماء میں تھے، سے استفادہ کیا، پھر دمشق آئے اور مدرسہ ''مقدسیہ'' میں قیام فرمایا، دمشق میں شیخ محی الدین ابن عربی، شیخ سعد الدین حلبی، شیخ عثمان رومی، شیخ اوحد الدین کرمانی تھے، شیخ صدر الدین قونوی کی صحبت رہا کرتی، دمشق اس وقت ان علماء کا مجمع تھا۔

۶۳۴ھ میں آپ نے دمشق سے واپس آکر قونیہ میں قیام فرمایا اور علمی وتدریسی

کاموں میں ہمہ تن منہمک رہے، آپ نے اپنی ذات میں اہل ظاہر اور اہل باطن کے علوم ومعارف سمیٹ لیے تھے، البتہ والد صاحب کے تزکیہ وسلوک کی جانب میلان اور ان کے اتالیق جو والد صاحب کے مرید خاص تھے، کی تربیت کا اثر ان کی عقلی وعلمی ذہنیت پر غالب رہا اور ان کی تربیت کے اثرات ساری عمر برگ وبار لاتے رہے۔

شمس الدین تبریزی سے ملاقات، حالات میں تبدیلی اور تدریس سے انقطاع

شیخ جلال الدین رومی نے درس وتدریس اور وعظ وارشاد کا سلسلہ جاری رکھا، لیکن ان کا قلب کسی اور شئے کا متلاشی تھا، ان کی طبیعت کو کتابوں کے مطالعہ اور علمی مشاغل سے اطمینان اور سیری نہیں ہو پا رہی تھی، اس آتش شوق کو ایک صاحب دل بزرگ کی ملاقات نے فروزاں کر دیا، فطری صلاحیتوں میں نکھار پیدا ہوا، ان کی زندگی میں تبدیلی پیدا ہوئی، ان کی زندگی کا رخ بدل گیا، چنانچہ انہوں نے مدرسین اور واعظین کی زندگی ترک کر کی، ایک نیا راستہ اختیار کیا اور ان کی شخصیت ایک نئے روپ میں جلوہ گر ہوئی جسے بقائے دوام حاصل ہوا، آج بھی ان کا کلام جو دل سے نکلا ہے اپنے اندر عجیب اثر انگیزی اور تاثیر کی صلاحیت رکھتا ہے، ان کے موثر کلام سے بے شمار مستفیدین ومریدین کی زندگیاں بدل گئیں، مختلف زبانوں میں آپ کے مواعظ کے ترجمے ہوئے فارسی ادب کی تاریخ میں شیخ جلال الدین رومیؒ کے موثر کلام کی مثال نہیں ملتی، وہ شخصیت جس نے ان کی صلاحیتوں کو اجاگر کیا اور جذبات واحساسات میں تموج پیدا کیا اور ان کی زندگی کا رخ موڑ دیا وہ شیخ شمس تبریز کی شخصیت ہے۔

شیخ محمد بن علی بن ملک داد جو شمس تبریز کے نام سے معروف ہیں، اہل دل علماء میں سے تھے، ۶۴۲ھ میں قونیہ تشریف لائے، تقدیر خداوندی کہیئے کہ شیخ جلال رومی

سے ملاقات ہوئی، جو علماء کے ایک قافلے میں انتہائی جلالت وتکریم کے ساتھ گزر رہے تھے، ان کے اردگرد تشنگان علم کا ہجوم تھا، کوئی مسئلہ پوچھتا، کوئی استفتاء طلب کرتا اور ان سے استفادہ علم کرتا، شیخ تبریز نے انھیں ایسی بارعب علمی فضاؤں میں اور جلال کے ماحول میں دیکھا تو سوال کیا کہ ان علوم کا اور ریاستوں کا کیا مقصد ہے، شیخ جلال الدین نے فرمایا کہ آداب شریعت سے واقفیت، شیخ شمس الدین نے نہایت پر اعتبار لہجہ اور سنجیدہ انداز میں کہا کہ نہیں! بلکہ ان کا مقصود معلوم تک رسائی ہے، انہوں نے ایک حکیم شاعر حکیم سنائی کا شعر پڑھا، جس کا مفہوم یہ ہے کہ علم اگر تمہیں تمہاری ذات سے آزاد نہ کر سکے، اس سے بہتر جہالت ہے، شیخ جلال الدین اس جواب سے بہت متحیر ہوئے، انھیں اس جواب کی امید نہیں تھی، شیخ کے اس جواب نے ان کے دل میں بہت سے سوال پیدا کر دیے، انہیں ایسا محسوس ہوا کہ شیخ شمس تبریز نے وہ تمام علوم ومعارف جو ان کے ذہن میں موجود ہیں، یک لخت مٹا دیے، انہیں یہ محسوس ہوا کہ بہت سی ایسی باتیں ہیں جو ان کے علم میں نہیں ہیں، چنانچہ اپنے تمام علمی جاہ وجلال اور مقام ومرتبہ سے دست برداری اختیار کر لی اور حقیقی علم کی تلاش میں شیخ شمس تبریز کے پیچھے ہو لیے۔

شیخ شمس الدین تبریزؒ کی تربیت میں

شیخ جلال الدین رومیؒ نے شیخ شمس تبریز کی معیت اور صحبت میں چالیس سال گزارے، شیخ کی تربیت میں انھیں نئی روح اور حقائق اذواق کی نئی دنیا سے شناسائی ہوئی، انہوں نے خود اپنی نئی حالت کی جانب ایک شعر میں اشارہ کیا ہے، فرماتے ہیں:

شمس تبریزی بما راہ حقیقت بنمود
ماز فیض قدم اوست کے ایماں داریم

شیخ شمس تبریز نے مجھے حقیقی راستے کی جانب رہنمائی کی ہے، اپنے ایمان اور یقین کے سلسلہ میں انہی کا مرہونِ منت ہوں۔

شیخ جلال الدینؒ نے یہ زمانہ ایک مبتدی طالب علم کی حیثیت سے گزارا، اس وجہ سے کہ انھیں یہ یقین ہو چلا تھا کہ وہ تمام علوم جس کے وہ حامل ہیں، اس علم جدید کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے، شیخ جلال الدین رومیؒ پورے طور پر حضرت شمس کی پیروی کرنے لگے اور ہمہ تن ان کی جانب متوجہ ہو گئے اور جب تمام تعلقات منقطع ہونے لگے تو یہ امر مولانا کے شاگردوں اور مریدوں پر سخت شاق گزرا، ایک شورش کی کیفیت پیدا ہو گئی، مریدوں کا خیال تھا کہ ہم نے عمریں مولانا کی خدمت میں گزاریں، مولانا کی کرامتوں کو دیکھا، ہماری ہی بدولت تمام اطراف واکناف میں ان کی شہرت ہوئی اور اب ایک بے نام ونسب شخص آیا اور مولانا کو ہم سب سے الگ کر لیا، ادھر مولانا جلال الدین رومیؒ نے شمس کی ملاقات کے بعد درس وتدریس، وعظ گوئی ترک کر دی، طلباء جن سے کنارہ کش ہو گئے، یہ امر ان کے لیے بہت شاق گزرا، ان کے دلوں میں شیخ کے خلاف ایک قسم کا ردِ عمل پیدا ہو گیا، بہت سی ایسی افواہیں عام ہوئیں جن سے شکوک وشبہات کو ہوا ملی، لوگوں نے سوچا کہ کسی طرح راستہ صاف کیا جائے اور مولانا شمس تبریز کو وہاں سے نکالا جائے، مگر معاملہ جب حد سے تجاوز کر گیا اور شیخ شمسؒ نے سمجھ لیا کہ اس کا انجام فتنہ اور فساد ہوگا تو ایک دن شوال ۶۴۳ھ میں خاموشی کے ساتھ قونیہ سے نکل گئے، اس طرح قونیہ میں آپ کا قیام سوا برس رہا۔

شمس تبریز کی غیبت اور مولانا کی بے قراری

اس فراق وجدائی نے مولانا جلال الدین رومی کی آتش شوق کو اور بھڑکا دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا نے کلی طور پر خلوت نشینی اختیار کر لی، غم کی کیفیت مزید بڑھ گئی، اسی اثناء

میں دمشق سے شیخ شمس الدینؒ کا خط مولانا کے نام آیا جس سے مولانا کی بے قرار حالت کو سکون ہوا اور دوبارہ درس وافادہ کی جانب متوجہ ہوئے، مولانا اپنے شیخ کو کچھ خطوط لکھے جن میں اپنی کیفیتِ محبت اور اشتیاق و بے تابی کا ذکر کیا ہے، ایک خط میں لکھتے ہیں:

أيها النور في الفؤاد تعال

غاية الوجد والمراد تعال

أيها السابق الذي سبقت منک

مصدوقة الوداد تعال

"چوں بیائ" زهے کشاد تعال

أنت كالشمس إذ دنت ونأت

يا قريباً على البعاد تعال

ترجمہ: اے نورِ قلب شمع آرزو باز آ، اے وہ جو محبت کا رفیق اور اس کا منتہی ہے۔

اے مقصودِ محبت و عشق و آرزو باز آ، باز آ تو اگر واپس آ گیا تو ہمارے نصیب اور بخت کو کیا کہیے۔

تو اگر واپس آ گیا تو زہے قسمت تیری مثال تو اس آفتاب کی ہے کہ دور و قریب ہر جگہ سے مدد کرتا ہے، اے وہ ذات جو دور رہ کر بھی قریب ہے باز آ۔

شیخ جلال الدین رومیؒ نے اپنے شیخ کو بہت سے ہدایا روانہ کیے اور ایک خط بھیجا جس میں مریدوں کی گستاخی کی معافی مانگی اور دوبارہ قونیہ آنے کی درخواست کی، شیخ شمس الدین دوبارہ قونیہ آ گئے، لیکن دوبارہ فتنہ اٹھ کھڑا ہو گیا، چنانچہ شیخ شمس الدین دوبارہ پھر دفعۃً غائب ہو گئے، اس مرتبہ شیخ کی غیبت اور فتنہ پروری میں مولانا جلال الدین کے بعض بیٹوں کا ہاتھ تھا، مولانا جلال الدین رومیؒ کے دل میں پھر سے حزن و ملال اور غم واندوہ نے گھر کر لیا، وہ اپنے شیخ کو تلاش کرنے کے لیے نکلے، دمشق پہنچے تو وہاں بھی لوگوں کے دلوں

میں آتشِ عشق بھڑکا دی، لیکن شمس تبریز کا کہیں پتہ نہ چلا جس سے ان کے بے تاب دل کو کچھ قرار آتا، اس وقت مولانا نے فرمایا: میں اور شمس دو نہیں ہیں، وہ اگر آفتاب ہیں تو میں ذرہ ہوں وہ اگر دریا ہیں تو میں قطرہ ہوں، ذرہ کی ہستی آفتاب ہی سے ہے اور قطرہ کی تری دریا ہی سے ہے، پھر آپ قونیہ واپس تشریف لے آئے، اب ان کی مجلس میں صرف انہی لوگوں کو حاضر ہونے کی اجازت تھی جو ذوق و وجدان اور کیفیت میں مولانا کے موافق ہوں، انہی کو بیٹھنے کی اجازت تھی جو ہم ذوق وہم فکر و ہم مشرب وہم خیال ہوں، ان اصحاب مجلس میں شیخ صلاح الدین دقاق، شیخ صلاح الدین شامی تھے، اس اثناء میں مولانا کی شاعرانہ طبیعت میں جوش پیدا ہوا اور بڑے موثر اشعار آپ نے کہے جو مثنوی میں شامل ہیں، یہ وہی اشعار ہیں جن کو ساحرانہ تاثیر کی وجہ سے بقائے دوام ملا۔

وفات:

مولانا بیمار ہوئے، ایک ہفتے تک صاحب فراش رہے، لوگ عیادت کے لیے آتے اور دعائیں کرتے، مولانا سے لوگوں نے طلب امداد کی، تو فرمایا زمین بھوکی ہوگئی ہے، لقمۂ تر چاہتی ہے، جلد کامیاب ہوجائے گی اور یہ زحمت تم لوگوں سے رفع ہوجائیگی، شیخ جلال الدینؒ نے اس اثناء میں کچھ قصیدے کہے جن میں محبوب کے وصال اور اشتیاقِ ملاقات کا تذکرہ ہے، اپنے شاگرد صدر الدین سے جب انہوں نے شفاء کی دعا کی تو فرمایا: دو عاشقوں کے درمیان پردہ اٹھ جائے تو آخر تمہارا کیا نقصان ہوگا؟ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو موت انتہائی خوشگوار ہوتی ہے، ۵/ جمادی الآخر ۶۷۲ھ میں ۶۸/ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

عادات وخصوصیات:

شیخ جلال الدین رومیؒ کا ریاضت ومجاہدہ حد سے بڑھا ہوا تھا، کثرت سے عبادت

کرتے، نماز کا وقت آتا تو فوراً قبلہ کی طرف مڑ جاتے اور چہرے کا رنگ بدل جاتا، نماز میں نہایت خشوع وخضوع ہوتا، دورانِ نماز نگاہیں اشک بار ہوتیں۔

مزاج میں انتہائی درجہ کا زہد وقناعت تھی، سلاطین وامراء جو بھی ہدایا اور تحائف بھیجتے سب تقسیم فرما دیتے، نہایت فیاض طبیعت پائی تھی، اگر کوئی سائل آتا اور دینے کو کچھ نہ ہوتا تو جو کچھ بدن پر ہوتا اتار کر دے دیتے، صبر وتحمل میں اپنی مثال آپ تھے، کسب حلال کے خوگر تھے، مفت خوری کو ناپسند کرتے تھے، امراء وسلاطین کی ملاقات سے نفرت تھی، لوگوں سے دور بھاگتے تھے۔

جذبات

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ فرماتے ہیں:۔

> مولانا کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے پرجوش اور جذباتی کیفیت پائی تھی، اعلیٰ استعداد، جذبۂ عشق ومحبت کے حامل تھے، عشق ان کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، ظاہری علم اور عقلیات کے توغل نے اس آگ کو دبا رکھا تھا، شمس تبریز کی آتشی صحبت نے ان کی فطرت کو جھنجھوڑ دیا اور تعلیم وتربیت اور ماحول نے جو پردے ڈال دئے تھے وہ دفعۃً اٹھ گئے اور وہ سراپا سوز وساز بن گئے۔ (۴)

تصنیفات

(۱) فیہ ما فیہ:

یہ ان رسائل کا مجموعہ ہے جو مولانا جلال الدین رومی نے شیخ معین الدین پروانہ کے نام لکھے ہیں، بعض اصحاب تراجم نے اس کی جانب اشارہ کیا ہے جیسا کہ ان کے دیوان کی تلخیص میں جو ۱۳۰۹ھ میں طبع ہوا، یہ مجموعہ ۳/ ہزار سطروں پر مشتمل ہے۔

(۲) دیوان:

دیوان کے اشعار کا تخمینہ پچاس ہزار ہے، اس میں غزلیاتی قصائد اور مقطعات شامل ہیں، مصرع کے اشعار موجود نہیں ہیں، یہ دیوان پچاس ہزار اشعار سے زیادہ پر مشتمل ہے، قصیدے کے ہر مقطع میں شمس تبریز کا نام ہے، اسی وجہ سے بعض باحثین و محققین کو یہ شبہ ہوا کہ یہ شمس تبریز کا دیوان ہے، حالانکہ یہ بہت بڑی غلطی اور خطا ہے، حالانکہ ریاض العارفین اور دیگر کتابوں میں بصراحت مذکور ہے کہ شیخ جلال الدین نے یہ دیوان شمس تبریز کے نام تالیف فرمایا اور غلطی سے اس کی نسبت شمس تبریز کی جانب ہونے لگی، اس دیوان کے بیشتر حصے میں مولانا رومی کے قلبی واردات و کیفیات، عشق و محبت کے جذبات اور شیخ شمس تبریز کے فراق پر حزن و ملال کا تذکرہ ہے، اپنے قلبی واردات و کیفیات کے ساتھ ساتھ جذب و شوق اور دوری و مجبوری، عشق کی شرشاری و سرمستی ان کے کلام کا بنیادی امتیاز ہے۔

(۳) مثنوی:

یہی وہ کتاب ہے جس کی بدولت مولانا جلال الدین رومی کو شہرت دوام حاصل ہوئی، اس کتاب کو ان کی تمام کتابوں کے مقابلے میں زیادہ شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی، کشف الظنون کی صراحت کے مطابق اس کتاب میں مذکور ان کے اشعار کی تعداد (۲۶۶۶) ہے اس کتاب کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں، اور مختلف زبانوں میں مولانا روم کے معتقدین نے اس کے ترجمے کیے۔(۵) مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مثنوی کی تائید و معنویت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مولانا رومی نے شاعرانہ رقت و لطافتِ تعبیر، موسیقیت کو بہت خوبی سے برتا ہے، دقیق و عمیق فلسفیانہ معانی و مطالب کے اظہار و بیان کے لیے ادب کو بطور ایک وسیلہ کی استعمال کیا ہے، ان کی شاعری میں آپ کو صاحبِ کلام کے سوز و درد، جوش و مستی اور ایمان و یقین کا مشاہدہ ہوگا یہ دیوان درحقیقت ان

کے حالات وخیالات اور تاثرات ومشاہدات کا آئینہ دار ہے، اسی لیے دل پر اثر کرتا ہے اور نفس کو مرغوب خاطر محسوس ہوتا ہے، ظاہر میں تو آسان اور سہل ہے، لیکن معاشرے اور زندگی سے اس کا شدید تعلق ہے، مشہور صوفی شاعر حکیم سنائی نے ''حدیقہ'' میں اور خواجہ فریدالدین عطار نے ''منطق الطیر'' میں یہی اسلوب اپنایا ہے، فارسی ادب بلکہ اسلامی ادب کی یہ دونوں مشہور ومقبول کتابیں ہی مولانا جلال الدین کے لیے مثنوی کی تالیف میں اصل محرک ثابت ہوئیں اور یہی ان کے لئے نمونے اور اسوۂ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

کلام کے نمونے:

مولانا روم کا زمانہ عقل کی بالادستی کا زمانہ ہے، اس وقت فلسفہ وعقلیات کا غلبہ انسان کے حواس ظاہری پر تھا، ان حواس خمسہ کو حصول یقین کا مستند معیار سمجھا جاتا اور جو چیز ان حواس خمسہ کے گرفت میں نہ آسکے اور ان کے ذریعہ اس کی نفی اور انکار کا رجحان غالب تھا، معتزلہ اور ان کے ہم خیال لوگ اس نظریہ کے سب سے بڑے نقیب تھے، مولانا روم اس نظریہ پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حواس ظاہری کے ساتھ ساتھ حواس باطنی بھی ٹھیک ویسے ہی ہیں جیسے صاف شفاف ڈھلے ہوئے خالص سونے کے ساتھ مٹی اور خزف ریزے ہوتے ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں کہ:۔

حواس ظاہری کی قوت وطاقت کا اصل مرکز نفوس انسانی ہیں، رہے حواس باطن تو ان کی طاقت وقوت کا سرچشمہ روح ہے، پہلے کا رزق وہ تاریکی ہے جو انسان کی فطرت میں ودیعت ہے، اور دوسرے کا رزق وہ روشنی ہے جو انسانیت کے ارواح وقلوب میں ازل سے ودیعت ہے۔

وہ کہتے ہیں:۔

کسی چیز کے انکار کے لیے یہ ثبوت کافی نہیں کہ وہ مشاہدہ میں نہیں آتی اور حواس سے ان کی تصدیق نہیں ہوتی کیونکہ باطن ہمیشہ ظاہر کے پیچھے نہاں ہوتا ہے اور فائدہ دوا میں پنہاں ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ:۔

حقائقِ دین کو سمجھنے کے لیے اگر عقل تنہا کافی ہوتی تو امام اہل کلام مولانا فخر الدین رازیؒ سب سے بڑے عارف اور دین کی گہرائیوں کے شناور ہوتے لیکن معاملہ ایسا نہیں ہے حقائقِ دین کی معرفت میں تفوق دراصل ایمان و یقین کی دولت سے نصیب ہوتا ہے۔

عقل ایمانی اور عقل جسمانی

شیخ جلال الدین رومیؒ کے نزدیک عقل کی دو قسمیں ہیں، ایک عقل ایمانی اور دوسری عقل جسمانی، عقل ایمانی وہ عقل ہے جو عقل جسمانی کے لیے رہنما اور چراغِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اس سے وہ نسبت رکھتی ہے جو عقل جزوی کا جسم کے ساتھ ہے، البتہ عقل جسمانی وہ عقل ہے جو جسم کی رہنما ہوتی ہے، انسانی ضروریات کی تکمیل اور مادی مقاصد کے حصول میں تعاون اس کی ذمہ داری ہے۔ فرماتے ہیں کہ:۔

عقل جسمانی معاصی کو مزین کر کے پیش کرتی ہے اور بلند مقاصد سے روک دیتی ہے، فقر و محتاجی کو رائی کا پربت بنا دیتی ہے، البتہ عقلِ ایمانی میں وہ طاقت ہے جس سے جسم انسانی کے عقدہائے لاینحل کی گرہیں ایک ایک کر کے کھلتی چلی جاتی ہیں، مشکلات کی گھڑیوں میں وہ معاون ثابت ہوتی ہے اور تمام قفل جس کی وجہ سے کھلتے چلے جاتے ہیں۔

حقیقی معرفت بغیر تزکیۂ نفس کے ممکن نہیں

مولانا فرماتے ہیں کہ:۔

تزکیہ نفس سے ہی معرفت حق حاصل ہوگی، لوح دل جتنی صاف ہوگی حکمت ایمانی کے نقوش اتنے ہی اجاگر ہوں گے، اس وقت بغیر کتاب واستاذ کے علوم ومعارف انبیاء کا قلب پر ورود ہوگا اور حکمت کے سرچشمے اس کی زبان پر جاری ہو جائیں گے۔

فرماتے ہیں کہ:۔

اپنی صفاتِ بشریہ سے خود کو آزاد کرلو، تمہیں اپنا وجود اور حقیقت خودی نظر آئے گی، تمہارے قلب پر بغیر کسی استاذ ومولف اور معید کے علوم انبیاء کا ورود ہوگا، کیونکہ آئینہ جتنا صاف ہوتا ہے اتنا ہی روشنی میں اضافہ ہو جاتا ہے، روزنِ دل اگر کھلا ہوگا تو نورِ خدا کی تجلیات کی رسائی ہو سکے گی۔

موت ایک مرحلہ ہے

مولانا روم فرماتے ہیں:۔

موت سے اتنا خوف کیوں؟ تقدیر سے آخر یہ فرار کیسا؟ تم ہر پل ایک مرحلہ کی جانب منتقل ہو رہے ہو، ہر لحظہ ٹوٹ پھوٹ کا سلسلہ برابر جاری ہے، پہلے عدم پھر وجود اور پھر وجود سے عدم اور عدم کے بعد وجود ہے، تم مسلسل ایک لباس اتارتے رہے اور دوسرا پہنتے رہے، یہاں تک چار عناصر سے انسانی قالب میں آئے، اگر تم پہلی حالت پر رہتے تو تم کو یہ ترقی وکمال کہاں حاصل ہوتا، تم آب وگل میں مقید رہتے، تمہیں بقا فنا ہی کے راستے سے حاصل ہوئی ہے، تو اب آخر

اس فنائے جدید سے بقائے جدید کے اس مقدمے سے کیوں گھبراتے ہو؟ آخر اس زندگی سے تمہیں اتنا لگاؤ کیوں؟ جب کہ یہ معلوم ہے کہ اس کی بعد ایک زندگی ہے جسے زوال نہیں، جہاں نہ خوف و ہراس ہے اور نہ حزن وملال۔

فرماتے ہیں کہ:۔

میں نے اس دنیا میں ہی موت کا تجربہ کیا ہے، انسان جب اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تبھی ایک ابدی اور سرمدی زندگی کی دولت اس کی رفیق ہوتی ہے۔

عارفوں کی موت کو عوام الناس کی موت پر قیاس نہیں کرنا چاہئے:

موت موت میں فرق ہے، اس لیے عارفین کی موت کو عوام الناس کے موت پر قیاس نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ عارفین کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہونے کا غم نہیں ہوتا، وہ موت کا بڑھ کر خوشی خوشی استقبال کرتے ہیں، موت ان کے لیے مژدۂ جانفزا اور ایک خوشگوار جھونکا ہے، موت ان کے حق میں فلاح وکامیابی کا پیغام اور بادِ بہاری بن کر آتی ہے قوم عاد پر جو ہوا چلائی گئی تھی وہ حضرت ہود اور ان کے ساتھیوں کے حق میں بادِ نسیم بن گئی، ٹھیک اسی طرح موت کافروں کے حق میں زہرِ ہلاہل، آفتِ جان اور حرماں نصیبی ومحرومی کا سامان ہے اور مومنین کے حق میں بادِ نسیم، خوشگوار فضا اور جام کوثر کے مانند ہے ''فأما إن كان من المقربين، فروح وريحان وجنة نعيم وأما إن كان من أصحاب اليمين فسلام لك من أصحاب اليمين وأما إن كان من المكذبين الضالين فنزل من حميم وتصلية جحيم '' ترجمہ: اگر وہ مقربین میں ہے تو اس کے لیے مزے ہی مزے ہیں اور خوشبو ہی خوشبو ہے اور نعمتوں بھرا باغ ہے اور اگر وہ دائیں طرف والوں میں ہوا تو تیرے لئے سلام

ہی سلام ہیں کہ تو دائیں طرف والوں میں ہے اور اگر وہ جھٹلانے والوں گمراہوں میں ہوا تو کھولتے پانی سے تواضع ہوگی اور اسے جہنم رسید کیا جائیگا۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ مولانا روم کے کلام کی تاثیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:۔

''مولانا نے عقلیات وحسیات پر صرف تنقید اور اپنے زمانہ کے علم کلام کی بے اعتدالی، ظاہر پرستی اور لفظی معرکہ آرائی پر گرفت ہی نہیں کی اور صرف باطنی احساسات، وجدان اور روح سے کام لینے اور عشق کی دعوت دینے پر اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ کلامی مسائل ومشکلات کو اپنے مخصوص انداز سے حل کرنے اور اپنے مخصوص پیرایہ میں بیان کرنے اور دلنشیں کرنے کی کوشش بھی کی ہے، گویا مولانا کی دعوت اور ان کا فلسفہ صرف سلبی اور ناقدانہ ہی نہیں ہے؛ بلکہ ایجابی اور معلمانہ بھی ہے، جن مسائل کے حل کرنے میں علم کلام کے بازو شل ہو کر رہ گئے اور جن گتھیوں کے سلجھانے کی کوششیں میں اور بے شمار گتھیاں پڑ گئی ہیں، مولانا ان مسائل کو اس طرح بیان کر جاتے ہیں کہ گویا ان میں کوئی پیچیدگی ہی نہیں تھی اور وہ بدیہی حقائق اور روزمرہ کی زندگی کی باتیں اور واقعات ہیں، مولانا کا خاص طرز یہ ہے کہ وہ دماغ کو شکست دینے کی اور مخاطب کو لاجواب کرنے کی کوشش نہیں کرتے، بلکہ اپنی بات اس خوشی اور رضامندی سے دل میں بٹھانے اور ذہن میں اتارنے کی کوشش کرتے ہیں اور مخاطب کو یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ بات پہلے سے اس کے دل میں تھی اور مولانا نے اس کی ترجمانی کی ہے، اس طرز کلام کا نتیجہ ہے کہ مثنوی سے دینی اصول وعقائد اور متکلمانہ مسائل ومباحث کے بارہ میں ایسا اذعان، شرح صدر اور اطمینان قلب پیدا ہوتا ہے جو علم کلام کے پورے کتب خانہ سے نہیں پیدا ہوسکتا، اس کے ساتھ

ساتھ ایک ذوق وسرور بھی پیدا ہوتا ہے جو ایک صاحب یقین اور صاحب عشق ہی کے کلام سے پیدا ہوسکتا ہے۔

مولانا اگرچہ اشعری مکتب خیال کے ایک کہنہ مشق استاد اور متبحر عالم ہیں، مگر وہ اپنے ذاتی تجربہ اور موہبت ربانی سے عقائد وکلام میں مجتہد کا درجہ رکھتے ہیں اور ایک نئے علم کے بانی ہیں، ان کی روش عام متکلمین اور علمائے عقائد سے بالکل علاحدہ ہے اور نسبتاً قرآن مجید کے طرز استدلال اور فطرت سلیم سے زیادہ قریب ہے۔(۶)

حوالہ جات

(۱)۔الجواہر المضیئۃ:۲/۱۲۳، کشف الظنون:۱۵۸۷، دائرۃ المعارف الإسلامیۃ :۷/۶۰، تاریخ دعوت وعزیمت، از مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، جلد اول، الاعلام از زرکلی:۷/۳۰، صاحب المثنوی از استاذ قاضی تلمیذ حسین ہندی۔

(۲)۔ان کا شمار وقت کے عظیم حکماء ومصنفین اور ارباب عقل وخرد اور اصحاب ذکا وفطانت میں ہوتا ہے، ان کی ولادت ۵۴۴ھ میں ہوئی، مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: الکامل فی التاریخ:۱۲/۱۲۰، عیون الأنباء:۳/۳۴، وفیات الأعیان:۴/۲۴۸، سیر أعلام النبلاء:۱۲/۵۰۰، طبقات الشافعیۃ:۵/۳۳، الرازی مفسراً از ڈاکٹر عبدالحمید۔

(۳)۔تاریخ دعوت وعزیمت مولفہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، ص:۳۳۶۔

(۴)۔ایضاً، ۳۶۰-۳۶۱۔

(۵)۔سیرت جلال الدین رومی از علامہ شبلی نعمانی۔

(۶)۔تاریخ دعوت وعزیمت، ص:۱/۳۸۲۔

شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ (۱)

(۶۳۶ھ-۷۲۵ھ)

معروف امام عالم کبیر شیخ نظام الدین اولیاءؒ ایک بلند پایہ صاحبِ کشف وکرامات عالیہ اور سرزمین ہند کے مشہور ومعروف اولیائے عظام میں ہیں، دعوت الی اللہ، کثرتِ عبادت، دنیوی لذتوں سے کامل انقطاع کے ساتھ ساتھ ظاہری علوم میں تبحر ورسوخ اور بے پناہ مناقب ومحاسن کی جامعیت میں آپ کی نظیر نہیں، آپ کا نسبی تعلق حسینی سادات سے تھا، آپ کے اجداد بخارا سے ہندوستان آئے تھے۔

صوبہ اتر پردیش کے ایک شہر ''بدایوں،، میں ۶۳۶ھ میں ولادت ہوئی، بچپن میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور والدہ کی آغوشِ تربیت میں نشوونما پائی، آپ کی والدہ اپنے وقت کی ایک بڑی صالحہ، خداترس زاہدہ اور تقوی شعار خاتون تھیں، حضرت نظام الدین اولیاء نے تعلیم وتعلم کا آغاز کیا اور فقہ اور نحو وصرف کی ابتدائی تعلیم مولانا علاء الدین اصولی سے حاصل کی، پھر سولہ برس کی عمر حصول علم کے لیے دہلی تشریف لائے، اور وہاں کے نامور اساتذہ سے کسبِ فیض کیا، ان میں سرفہرست شیخ شمس الدین خوارزمی ہیں، ان ہی کے پاس حریری کے چالیس مقامات حفظ کیے، پھر علامہ حسن ابن محمد صغانی کی معروف ومتداول کتاب ''مشارق الانوار'' کا درس شیخ محمد ابن احمد مارکیلی معروف بہ کمال الدین زاہد سے لیا، شیخ کمال الدین علامہ حسن ابن محمد کے ممتاز شاگرد، اور ایک واسطہ سے صاحبِ ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانی کے شاگرد ہونے کا بھی شرف حاصل تھا، حضرت نظام الدین نے ان سے ''مشارق الانوار'' پڑھی اور حدیث کی

اجازت حاصل کی، بچپن کا مرحلہ انہوں نے عربی زبان کی تحصیل میں صرف کیا تھا، اسی لیے مقاماتِ حریری کا حفظ کیا، پھر اسی کے کفارہ کے طور پر حدیث شریف کی مشہور کتاب ''مشارق الانوار'' حفظ کی، پھر اجودھن واپس آئے اور یہاں شیخ کبیر فریدالدین مسعود اجودھنی کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے قرآن کریم مع تجوید، عوارف المعارف، شیخ ابوشکور سالمی کی کتاب ''تمہید'' کا درس لیا، شیخ کبیر سے بیعت ہوئے، ایک مدت ان کی صحبت میں بسر کرنے کے بعد ۶۶۹ھ میں اجازتِ خلافت پائی۔

شیخ فریدالدین مسعود اجودھنی

شیخ کبیر مسعود ابن سلیمان ابن شعیب امام فریدالدین چشتی اجودھنی ایک مشہور ولی ہیں، ان کے دادا شعیب فتنۂ تاتار کے زمانہ میں ہجرت کر کے ہندوستان آئے تھے، وہ ضلع ملتان کے قصبہ ''کھتوال'' میں قضاء کے عہدہ پر فائز تھے، وہیں شیخ فریدالدین گنج شکر کی ولادت ۵۶۹ھ ہوئی، وہ بچپن میں ہی ملتان آ گئے اور اس وقت کے نامور اساتذہ سے علم حاصل کیا اور یہاں مولانا منہاج الدین ترمذی سے فقہ کی ایک کتاب پڑھی، یہیں ان کی ملاقات شیخ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ سے ہوئی جو شیخ معین الدین سجزیؒ کے کبار مسترشدین تھے، وہ ان کو اپنے ساتھ دہلی لے آئے اور ایک مدت تک ان کی صحبت میں رہے اور ان سے بیعت وطریقت کی تربیت پائی۔

کہتے ہیں کہ شیخ قطب الدین نے ہی ان کو تکمیل علوم پر آمادہ کیا، تو وہ قندھار آئے اور یہاں پانچ سال قیام فرمایا، علم حاصل کیا اور یہیں ان کی ملاقات شیخ شہاب الدین عمر ابن محمد سہروردی، شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ سعد الدین حموی، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی اور دیگر مشائخ عظام سے ہوئی۔

پھر دہلی آئے اور شیخ قطب الدین کی صحبت اختیار کی، پھر ہانسی آئے اور یہاں

بارہ سال قیام فرمایا، شدید ریاضت اور مجاہداتِ شاقہ کیے، تو ان سے خوارق و کرامات اور عجیب تصرفات کا ظہور ہوا اور لوگ پروانہ وار ان پر ٹوٹ پڑے تو اس جگہ سے ہجرت کر کے کھتوال چلے گئے اور ایک زمانہ وہاں گذارا، پھر جب ان کے حالات کا شہرہ ہوا اور خلقِ خدا کا ازدحام ہوا تو کھتوال سے ہجرت کرا جودھن آ گئے اور یہیں سکونت اختیار کر مریدین و سالکین کی تربیت مین منہمک ہو گئے۔

شیخ فریدالدین اکابر اولیائے عظام اور صاحب کرامات بزرگ تھے، خلقِ خدا کی ایک بڑی تعداد نے ان سے کسبِ فیض کیا ہے، ان میں نمایاں نام امام مجاہد نظام الدین بدایونی، شیخ علاءالدین علی صابر کلیری، شیخ جمال الدین ہانسوی، شیخ بدرالدین دہلوی ہیں۔

نمونۂ کلام

فرماتے ہیں کہ:۔

اللہ تعالی کو یہ بات پسند نہیں کہ کوئی بندہ اس کے سامنے اپنے ہاتھ پھیلائے اور وہ ناکام و نامراد واپس کر دے۔

فرماتے ہیں کہ:۔

'صوفی کے لیے تمام حالات بہتر ہوتے ہیں، کوئی بھی حالت باعث کدورت نہیں۔

فرماتے ہیں کہ:۔

'صوفی وہ ہے جو موجود پر قناعت کرے اور جو موجود نہیں اس کے پیچھے نہ پڑے''۔

فرمایا کہ:۔

اگر تم مقامِ بلند کے خواہاں ہو تو شاہانِ وقت کی اولاد کی جانب نگاہ مت کرنا۔

فرمایا کہ:۔

نہایت رذیل ہے وہ شخص جو تن پروری کا حریص ہو۔

۶۶۴ھ میں ۹۵ ربرس کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔

نظام الدین اولیاء دہلی میں

اپنے مرشد و مربی کے حکم سے شیخ نظام الدین اولیاء اجودھن سے دہلی آئے اور غیاث پور میں قیام فرمایا اور یہاں ریاضت و مجاہدہ، صوم و صلوۃ کی پابندی، ذکر و فکر، و مراقبہ کے مشاغل میں منہمک رہے، اپنے مرشد و مربی کی وصیت کے مطابق قرآن کریم کا حفظ کیا، اللہ تعالی نے ولایت کا ایسا مہتم بالشان مقام عطا فرمایا جس سے بڑے مقام امید نہیں کی جاسکتی، ان کے زمانہ میں خود ان کی ذات بابرکت کے فیض سے اور ان کے مریدین کی کوششوں سے بے شمار خلقِ خدا کو ہدایت نصیب ہوئی، ہندوستان کے ہر علاقہ میں آپ کے سلسلہ طریقت کو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی، خلق خدا کی زبانیں آپ کے تذکرے سے رطب اللسان ہوگئیں، ہر ایک آپ سے اپنا انتساب کرتا اور برکت حاصل کرتا۔

شیخ نظام الدین نے ایک عابدِ شب زندہ دار اور ایک مصلح و مربی کی زندگی گذاری، امراء و سلاطین کی ملاقات سے گریز فرماتے، باوجود یہ کہ امراء و اعیان سلطنت بہت الحاح و اصرار کے ساتھ شرفِ باریابی کی اجازت طلب کرتے اور ملاقات کے مشتاق ہوتے، سلطان علاء الدین محمد شاہ خلجی نے ایک مرتبہ شیخ کی معذرت خواہی کے باوجود جب ملاقات کیلئے اصرار کیا تو فرمایا کہ ''میرے مکان میں دو دروازہ ہیں، ایک دروازہ سے اگر سلطان داخل ہوگا تو دوسرے دروازہ سے میں باہر چلا جاؤں گا۔

شیخ علی ابن سلطان قاری مکی نے اپنی کتاب ''الاثمار الجنیۃ فی أسماء الحنفیۃ'' میں لکھا ہے کہ:۔

وہ علم ومعرفت اور حال کے اعتبار سے ایک شیخ فقیہ تھے، بندگانِ خدا کی دعاؤں کا مرجع، سلوک وعبادت میں انہماک، علائق دنیویہ سے کنارہ کش، ہونے کے ساتھ علومِ ظاہری سے آراستہ تھے، فضائل ومناقب کا بحرِ زخار تھے، آپ کی کرامات ومکاشفات تو بے حد وبیشمار ہیں۔

مشہور لغت ''القاموس'' کے مولف علامہ مجد الدین فیروز آبای اپنی کتاب ''اللأ لطاف الخفیۃ فی أشراف الحنفیۃ'' میں اور شیخ عبد الرحمٰن جامی نے ''نفحات الأنس وحضرات القدس'' میں آپ کا تذکرہ کیا ہے، بہت سے علماء نے آپ کے حالات میں مستقل کتابیں لکھی ہیں، ان میں سب سے بہتر کتاب ''سیر اللأ لیاء'' ہے، آپ کے مریدین ومتوسلین نے آپ کے مواعظ وارشادات کو بھی جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے، مواعظ وملفوظات کی مشہور کتاب ''فوٗادالفواد'' ہے۔

حضرت خوجہ نظام الدینؒ نے ۸۹ سال کی عمر میں ۷۲۵ھ کو اس جہانِ فانی کو الوداع کہا۔(۲)

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اپنی کتاب تاریخ دعوت وعزیمت کی جلد سوم میں ان کا مفصل تذکرہ کیا ہے ایک جگہ لکھتے ہیں۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے لیکر خواجہ نظام الدینؒ تک یہ گویا ایک طے شدہ حقیقت تھی کہ ان (بزرگان دین وصلحائے امت) کو دربار میں جانا ہے اور نہ سلاطینِ وقت سے ملاقات کرنی ہے، اس اصول پر سب حضرات سختی سے کار بند رہے، اس کا نتیجہ تھا کہ سیاست کے خارزار میں ان کا دامن کبھی نہیں الجھا اور انقلاباتِ سلطنت کا ان کے مرکزوں اور ان کی سرگرمیوں پر کوئی اثر نہیں پڑا، ان کا اخلاص، ان کی بے لوثی اور بے غرضی تمام سیاسی اختلافات کے باوجود مسلم رہی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں سب سے طویل

عرصہ تک اس سلسہ کو اپنا کام جاری رکھنے اور ہندوستان پر اثر انداز ہونے کا موقع ملا اور اسی کا نتیجہ تھا کی اس سلسلہ کو قبول عام اور بقائے دوام حاصل ہوا۔

حضرت شیخ نظام الدینؒ جب سے شیخ کبیر کی پاس سے ہندوستان کی تسخیر روحانی اور تبلیغ وارشاد پر مامور ہوکر آئے تھے، دہلی کے تخت پر یکے بعد دیگرے پانچ بادشاہ بیٹھے اور انہوں نے بڑے جاہ وجلال کے ساتھ سلطنت کی، لیکن سوائے ایک ایسے موقع کے جبکہ دینی ضرورت درپیش تھی (سماع کی حلت وحرمت کی مجلس مناظرہ) وہ کبھی نہ دربار گئے اور نہ کبھی بادشاہِ وقت کو اپنے یہاں آنے کی اجازت دی۔(۳)

مگر یہ مشائخ حالات زمانہ سے باخبر تھے، وہ غلط رجحانات کی اصلاح، فتنوں کا استیصال، شاہانِ وقت کو حکومتی امور میں مناسب ہدایات دینے، منکرات پر نکیر کرنے اور کلمہ حق کہنے سے کتراتے نہ تھے، وہ غم اسلام سے خالی اور اس ملک کے مسلمانوں کے مستقبل سے بےفکر نہ تھے۔

دنیا سے تنفر

حضرت نظام الدین اولیاء کی پوری زندگی ریاضت ومجاہدہ سے عبارت ہے، ہمیشہ روزہ سے ہوتے اور افطار وسحر میں بھی بقدر کفایت ہی تناول فرماتے، دنیا کی تمام نعمتیں اور اسبابِ عیش کی ان پر بارش تھی، لیکن اس سب کے باوجود ان کی فقیرانہ شان ومزاج میں کوئی تبدیلی نہ پیدا ہوئی، جو بھی ہدایا وتحائف ان کی خدمت مین پیش کیے جاتے سب تقسیم فرمادیتے۔

خود دائم الصوم تھے، لیکن عوام الناس کے لیے ہر روز شاہی دسترخوان لگتا اور انواع واقسام کے کھانے وافر مقدار میں چنے جاتے، سیکڑوں لوگ دسترخوان میں حاضر

ہوتے، ضرورت مندوں کو کھانا باندھ کر لے جانے کی بھی اجازت تھی، بڑے بڑے امرائے دربار اور اعیانِ سلطنت کو بھی اس دستر خوان میں حاضری کی آرزو ہوتی تھی اور اس پر فخر کرتے تھے۔

شیخ خواجہ نصیر الدین محمود ابن یحیی اودھی معروف بہ چراغ دہلوی جو حضرت خواجہ کے مسترشدین میں تھے اور اور اپنے وقت کے کبار مشائخ میں تھے فرماتے ہیں:۔

> فتوحات کا یہ حال تھا کہ دولت کا دریا آگے دروازہ کے بہتا تھا، کوئی دن فتوحات سے خالی نہ ہوتا تھا، صبح سے شام تک لوگ آتے بلکہ عشاء تک، مگر لینے والے لانے والوں سے زیادہ ہوا کرتے اور جو کوئی کچھ لاتا اس سے زیادہ حضرت کی عنایت پاتا۔

علم و عقل اور عشق

حضرت خواجہ نظام الدین علم و عقل اور عشق کی صفات سے آراستہ تھے، ان کے شیخ خواجہ فرید الدین گنج شکر جنہوں نے ان کو دعوت و اصلاح اور تربیت کی اجازت دی ہے، ان کے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ:۔

> اللہ تعالی نے تم کو علم و عقل اور عشق کی دولت سے سرفراز کیا ہے اور جو ان صفات کا جامع ہو وہ مشائخ کی خلافت کی ذمے داریاں خوب ادا کر سکتا ہے۔

سوزش قلب اور نفی ذات

اخلاص حضرت خواجہ کا مزاج و طبیعت بن گئی تھی، اپنے مریدین و متوسلین کی تربیت میں وہ اس امر کا خاص خیال فرماتے کہ ان کے دل سے حب نفس اور دنیا کی لذتوں کی محبت نکل جائے، ایک مرتبہ ان سے سوال ہوا کہ خلافت و ارشاد کا مستحق کون

ہے؟ فرمایا کہ جس کے دل میں یہ خیال نہ آتا ہو کہ وہ شیخ ہے اور خلافت وارشاد میں کسی مقام کا حامل ہے"۔

علوم انبیاء واولیاء

حضرت خواجہ فرماتے ہیں:۔

تین مرتبے ہیں، پہلا مرتبہ طور حس، دوسرا طور عقل اور تیسرا طور قدس، طور حس میں مطعومات، مشروبات اور مشمومات وغیرہ محسوسات معلوم ہوتے ہیں، اس کے بعد طور عقل ہے، اس کا تعلق دو علموں سے ہے، کسبی اور بدیہی، لیکن عالم قدس میں پہنچ کر عقل سے حاصل کیے ہوئے کسبی علوم بھی بدیہی معلوم ہونے لگتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ

بدیہی بھی علم قدس نہیں ہے، کسبی کا کیا ذکر؟ وہ انبیاء کے علوم ہیں۔

پھر فرمایا کہ:

جس پر عالم قدس کا دروازہ کھلتا ہے اس کی علامت کیا ہو سکتی ہے؟ جو شخص عالم عقل میں ہوتا ہے اور وہ کسی مسئلہ کو بدیہی یا کسبی علم سے حل کرتا ہے اور اس سے اس کو ایک فرحت حاصل ہوتی ہے، وہ عالم قدس میں راہ نہیں پاتا۔

دنیا کی محبت اور مذمت

فرمایا کہ

لوگوں کی تین قسمیں ہیں، ایک وہ جو دنیا سے محبت کرے اور دن رات صرف اسی کی فکر کرے، ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہے، ایک قسم وہ ہے جو دنیا سے نفرت کرتی ہو، اسے حقیر سمجھتی ہو، اس کی مذمت کرتی ہو اور اس کی دشمن ہو، تیسری

قسم ان لوگوں کی ہے جو نہ دنیا کے عاشق ہوں اور نہ ہی اس سے بیزار، اور نہ اس کا مثبت و منفی تذکرہ کرتے ہوں، اس قسم کے لوگ سابقہ دونوں قسموں سے افضل ہیں، پھر ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک شخص حضرت رابعہ بصریہؒ کے پاس آیا اور دنیا کی خوب مذمت بیان کرنے لگا، رابعہ بصریہ اس سے بہت ناراض ہوئیں اور کہا کہ فورا مجلس سے نکلو، تم دنیا کے بہت حریص ہو، اسی لیے بار بار اس کا تذکرہ کر رہے ہو"۔

تلاوتِ قرآن کریم کے تین مراتب

فرمایا کہ

قرآن کریم کی تلاوت کے تین مراتب ہیں، پہلا مرتبہ یہ ہے کہ جو کچھ پڑھے اس کے معانی دل پر گذارے، دوسرا مرتبہ یہ کہ تلاوتِ قرآن کے وقت اللہ رب العزت کی عظمت و جلال کا دل میں استحضار ہو اور تیسرا یہ کہ دل حق تعالی کے ساتھ متعلق و مشغول۔

فرمایا کرتے تھے کہ

جو شخص تلاوت کرے اس کو دل میں یہ احساس ہونا چاہئے کہ وہ اس عظیم نعمت کا اہل نہیں ہے، اور یہ محض اللہ رب العزت کا فضل ہے کہ اس نے تلاوتِ کلام الہی کی توفیق بخشی۔

علم کا مقام و مرتبہ

حضرت نظام الدین اولیاءؒ اصلاح و تربیت، ریاضت و مجاہدہ کے مشاغل کے ساتھ ہمیشہ علمی اشتغال رکھتے تھے اور تحصیلِ علم اور علماء کی صفات سے آراستہ ہونے کی تاکید فرماتے، ان کے نزدیک مشائخ اور سالکین راہ طریقت کیلئے علم ایک ضروری اور

لازمی شئے تھی، اسی لئے ان کے شیخ خواجہ فریدالدین گنج شکر نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ ''اللہ تعالی نے تم کو علم و عقل اور عشق کی دولت سے سرفراز کیا ہے اور جو شخص ان صفات کا جامع ہو وہ مشائخ کی ذمے داریاں بحسن وخوبی انجام دے سکتا ہے اور تربیت خلق کی ذمہ داری بخوبی ادا کرسکتا ہے۔ انہوں نے اپنی علم کی روشنی میں صوفیاء کی بہت سی غلط اور مخالفِ شریعت عادات وروایات کی اصلاح فرمائی، یہ روایات وتقالید تصوف میں ان مشائخ کے ذریعہ داخل ہوئیں تھیں جن کو شریعت کا علم نہیں تھا، ان باطل عقائد ورجحانات میں ایک عقیدہ یہ تھا کہ ولایت کا مقام نبوت کے مقام سے بڑھ کر ہے اور اولیاء (نعوذ باللہ) انبیاء سے افضل ہیں، کیونکہ ولایت نام ہے حقوقِ الٰہی میں اشتغال اور ماسوا سے انقطاع کا، جبکہ نبوت کے فریضہ دعوت میں ترکیز کی وجہ سے عوام الناس سے اختلاط کی موجب ہے، پھر اسی عقیدہ سے اور کئی عقائد وجود میں آئے، بعض صوفیا نے کہا کہ انبیاء کی ولایت ان کے مقامِ نبوت سے افضل ہے، حضرت نظام الدینؒ اس عقیدہ کی شدید مخالفت اور نکیر فرماتے، اور فرماتے کہ یہ عقیدہ باطل ہے، ان کا قول ہے کہ

> دعوت وارشاد کے کاموں میں انبیاء کے اشتغال وعوام الناس سے ان کے اختلاط کے باوجود اشتغال بالحق میں ان کا جو وقت تھوڑا سا صرف ہوتا ہے وہ اولیاء کی تمام عمر سے افضل ہے۔

یہی عقیدہ مجدد الف ثانی امام احمد سرہندیؒ کا بھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ

> انبیائے کرام علیہم السلام امورِ خلق میں مصروف ہونے کی وجہ سے دوسروں سے افضل ہیں، کیونکہ اشتغال بالخلق بھی امرِ الٰہی کا امتثال ہے۔

امور دنیویہ میں اشتغال سالکینِ طریقت کیلئے مانع نہیں

حضرت شیخ نظام الدینؒ بعض صوفیا کے اس نظریہ کی مخالفت فرماتے جو یہ سمجھتے تھے کہ

دنیوی امور میں اشتغال، وصال وقربِ خداوندی میں مانع ہے یا وہ سلوک وتربیت کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے، اسی لیے بعض صوفیا دنیوی امور بشمول کسب معاش میں عدم اشتغال کو افضل خیال کرتے تھے، حالانکہ اس قسم کے عقیدہ سے تعطل وبیکاری کا مزاج بنتا ہے، خواجہ گیسو درازؒ نے حضرت نظام الدینؒ کا جوامع الکلم میں یہ ملفوظ نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ

کوئی بھی شئے حلال سلوک ومعرفت میں مانع نہیں، اور نہ وہ طریقِ تصوف میں ممنوع ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو شریعت میں وہ حلال ومشروع نہ ہوتا۔

انہوں نے فرمایا کہ

مقصود یہ ہے کہ انسان قلب وقالب سے اللہ رب العزت کی طرف متوجہ ہو، اس کا قلب طاہر اور ہر شئے سے پاکیزہ ہو، اس قلب طاہر وسلیم کے بعد کسی قسم کا دنیوی اشتغال نقصان دہ نہیں۔

ترکِ دنیا کی حقیقت

فرمایا:۔

ترکِ دنیا کا مطلب برہنہ تن ہونا نہیں ہے، بلکہ حقیقی ترکِ دنیا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مطعومات وملبوسات حلال کیے ہیں ان سے فائدہ اٹھایا جائے، اور اللہ تعالیٰ نے جو عطا کیا ہے اس سے انتفاع ہو، ہاں ذخیرہ اندوزی کی طرف توجہ نہ ہو، اور نہ دل میں اس کی جانب میلان ہو، یہی حقیقی ترکِ دنیا ہے۔

طاعت کی دو قسمیں

فرمایا:۔

''طاعت الٰہی کی دو قسمیں ہیں، لازم اور متعدی، طاعت لازمی وہ ہے

جس کا مطیع کو فائدہ حاصل ہو جیسے نماز، روزہ، حج اور ذکر اور طاعتِ متعدی وہ ہے جس کا فائدہ عمومی ہو اور غیر عامل بھی اس سے لطف اندوز ہو، مثلاً اصلاح بین الناس، شفقت و محبت، راحت اور دیگر امورِ خیر، یہی طاعت متعدی ہے اور اس کا اجر و ثواب غیر محدود ہے۔

طاعت لازمی کی قبولیت کے لیے بڑے اخلاص کی ضرورت ہے اور طاعت متعدی جس طرح بھی کرے گا ثواب ملے گا۔

کشف و کرامت حجاب ہیں

فرمایا:۔

اولیاء کی باتیں سکر و مستی کا نتیجہ ہوتی ہیں، کیونکہ وہ اصحابِ سکر ہیں، جبکہ انبیاء علیہم السلام اصحاب صحو ہیں اور یہ کشوف و کرامات اللہ کے وصال و قرب کی راہ میں حجاب ہیں، محبت سے استقامت کی پیدا ہوتی۔

حضرت امیر حسن سجزی فرماتے ہیں کہ:۔

کسی نے ان کی مجلس میں بعض صوفیا اور عابدین و زاہدین کا یہ معمول بتایا ہے کہ مسجد میں عبادت و تلاوتِ قرآن فرماتے ہیں، میں نے کہا کہ اگر وہ اپنے گھروں میں رات بھر تلاوت و عبادت کریں تو کیا رائے ہے؟ فرمایا کہ ''اپنے گھر میں قرآن کے ایک جزء کی تلاوت مسجد میں پورے قرآن کی تلاوت کرنے سے بہتر ہے۔

اخلاص

اخلاص حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے بنیادی امتیازات میں ہے، وہ اپنے تمام

خلفاء کو اخلاص کی تلقین کرتے، اخلاص کی اتنی فکر تھی کہ ان کی ذات سے حب جاہ بالکلیہ ختم ہوگئی تھی، ایک مرتبہ ان سے سوال ہوا کہ تربیت وتزکیہ کا اہل کون ہے؟ تو فرمایا کہ جس کے ذہن مین کبھی یہ خیال نہ آتا ہو کہ وہ اس ذمہ داری کا متحمل ہے، اسی لئے وہ اپنے مریدین کو اس بات کی بہت تلقین فرماتے کہ وہ خود کو خورد ونوش، لباس و پوشاک اور سلوک ومعاملات میں دوسروں سے ممتاز رکھیں، اسی لیے وہ خدمت واستعانت اور عیش وعشرت کو ناپسند فرماتے۔

دشمنوں کے ساتھ برتاؤ

فرمایا:۔

محسن کے ساتھ احسان کرنا تو ایک عام اور معمولی بات ہے، سالک سے تو یہ مطالبہ ہے کہ تکلیف پہنچانے والے کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرے۔

فارسی کا ایک شعر بھی گنگنایا کرتے جس کا مفہوم یہ ہے کہ مجھے غم وتکلیف پہنچانے والے تمام لوگوں کے لیے میں اللہ سے خیر وعافیت کی دعا کرتا ہوں۔

ایک مرتبہ کسی نے ان سے کہا کہ بعض لوگ تو برسر منبر آپ کو برا بھلا کہتے اور گالیاں دیتے ہیں، فرمایا کہ

میں نے ان سے درگذر کیا، ان کو معاف کر دیا ہے، تم لوگ ان سے مت الجھو، ان سے جھگڑا مت کرو، فرماتے کہ اگر دو لوگوں کے درمیان کسی وجہ سے دشمنی ہو جائے تو اس کا یہ حل ہے کہ ان میں سے ایک اپنے دل سے بغض وعداوت نکال دے، کیونکہ یہ اس دشمن کے لیے دشمنی کی کیفیت سے نکلنے میں معاون ثابت ہوگی، یا کم از کم اس کی نار عداوت کی حدت میں کمی آئیگی۔

فرماتے:۔

جو تمہارے لیے کانٹے بچھائے تم اس کے راستہ میں اتنے پھول بچھاؤ کہ ان پھولوں کی سیج میں کانٹے چھپ جائیں، اس لیے کہ اگر کانٹوں کے مقابلہ میں کانٹے بچھائے گئے تو پھر ہر جگہ کانٹے ہی کانٹے ہوں گے۔

ہر ایک کی محبت ان کی غالب صفت تھی، دوسروں کے عیوب کی پردہ پوشی، دشمنوں کے ساتھ حسنِ سلوک، برا کہنے والوں کی تعریف اور ضرورت پڑنے پر ان کی اعانت کرنا ان کا شعار تھا، اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآنی اسوہ مبارکہ پر ان کا عمل تھا "لقد جاءكم رسول من أنفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمؤمنين رؤف رحيم،، (یقیناً تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آ چکے، تمہاری تکلیف جن کو بہت شاق گذرتی ہے، تمہاری (بھلائی) کے بہت خواہشمند ہیں، ایمان والوں کیلئے تو بڑے شفیق، بہت مہرباں ہیں)۔ اور "واخفض جناحك لمن اتبعك من المؤمنين،، (اپنے متبعین اہل ایمان کیلئے اپنے بازو جھکائے رکھئے)۔

اس بے پناہ محبت کا عالم یہ تھا کہ اگر کسی کو تکلیف میں دیکھتے تو خود تکلیف محسوس کرتے اور اگر کسی کو خوش وخرم اور مسرور دیکھتے تو خود بھی فرحت وشادمانی محسوس کرتے، کہتے تھے کہ:۔

لوگ اگر کچھ کھاتے ہیں تو لگتا ہے کہ جیسے وہ شئے خود میں کھا رہا ہوں، لوگ میرے پاس آ کر اپنی پریشانیاں اور شکایتیں بیان کرتے ہیں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ تکلیف و پریشانی ان کو نہ ہو، خود میں اس حزن وغم کا شکار ہوں۔

کسی کو اگر دھوپ میں بیٹھا دیکھتے یا دھوپ اس پڑ رہی ہوتی تو ان کو گھٹن ہونے لگتی، کیونکہ ان کو خود حرارت اور گرمی کا احساس ہوتا، حاضرین مجلس کو حکم دیتے کہ دھوپ میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے لیے مجلس میں سایہ دار جگہ بنائیں۔

خود تو صوم دہر کا معمول تھا، لیکن اس کے باوجود دستر خوان لگتا اور دستر خوان میں

حاضر رہنے والوں کو کھانے کی تلقین فرماتے، اور دستر خوان میں عمدہ مطعومات ومشروبات بنفسِ نفیس ان کے سامنے پیش کرتے، زائرین سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرتے، بعض لوگ ایسے بے وقت آتے کہ حضرت مصروف عبادت ہوتے، اس کے باوجود برہم نہ ہوتے اور نہ ہی کسی قسم کی ترش روئی یا ناگواری کا اظہار فرماتے، بلکہ خوشدلی کے ساتھ ان کا استقبال کرتے، فرماتے کہ دل توڑنا بہت بڑا گناہ ہے، اس طرز عمل سے لوگوں کے دلوں میں ان کی از حد محبت اور رعب وہیبت قائم تھی، بڑے بڑے جابر حکمراں وسلاطین کے دلوں میں حضرت خواجہ کا یہی رعب ودبدبہ تھا۔

اغنیاء، فقراء اور حکام کے مابین نقطہء اتصال

مولانا مناظر احسن گیلانی نے صحیح لکھا کہ

اسلامی تاریخ میں غریبوں اور امیروں کے درمیان صوفیائے اسلام کی یہی خانقاہیں درمیانی کڑی کا کام دیتی تھیں، ان بزرگوں کا دربار وہ دربار تھا کہ جہاں سلاطین بھی خراج داخل کرتے تھے، خود سلطان المشائخ کا کیا حال تھا، گذر چکا، ولی عہدِ سلطنت خضر خاں تک اسی دربار کا حلقہ بگوش تھا، علاء الدین جو سارے ہندوستان سے خراج وصول کرتا تھا، لیکن ایک خزانہ وہ بھی تھا جس میں اسے بھی مالگذاری داخل کرنا پڑتی تھی، یہی خانقاہیں تھیں جن کے ذریعہ سے ملک کے عام غرباء وفقراء تک ان کا حصہ پہنچ جاتا اور یہی مطلب ہے اس مشہور فقرہ کا کہ ''مالِ صوفی سبیل است'' غربت وامارت کا یہ سنگم، یعنی صوفیائے صافیہ کا یہ طبقہ جہاں امراء وغرباء دونوں حاضر ہوتے تھے، اس سے غریب اور حاجتمند مسلمانوں کی کتنی حاجت روائیاں ہوتی تھیں، واقعہ یہ ہے کہ اسلامی عہد کا کوئی زمانہ اور ان دنوں ہندوستان کا شاید ہی کوئی صوبہ کوئی علاقہ ایسا ہوگا جہاں ''تؤخذ من أغنیائھم

وترد علی فقرائھم،، (ان کے دولتمندوں سے لیا جائے اور ان کے ضرورتمندوں کو پہنچادیا جائے) کے نبوی فرمان کی تعمیل میں اربابِ صدق وصفا کا یہ طبقہ مشغول نہ تھا، خصوصاً جن بزرگوں کا کسی وجہ سے امراء اور اربابِ ثروت پر اثر قائم ہوجاتا، یوں سمجھئے کہ غرباء کی قسمت جاگ اٹھتی تھی۔

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ صوفیاء اور مشائخ ربانیین کی ان خانقاہوں کو انسانیت کی پناہ گاہیں کہا کرتے تھے فرماتے ہیں:۔

ان صوفیائے کرام کی تعلیم وتربیت سے لوگوں میں بلاتفریق مذہب وملت، وبلاتخصیص نسل ونسب محبت کرنے اور ان کے درد اور دکھ کو دور کرنے کا جذبہ بیدار ہوتا، ان کا ارشاد نبوی پر ایمان تھا اور عمل بھی کہ ''الخلق عیال اللہ فأحبھم الی اللہ أنفعھم لعیالہ ''مخلوق خدا کا کنبہ ہے، خدا کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے سب سے زیادہ کام آنے والا ہے، وہ ساری دنیا کے غم خوار تھے اور بجا طور پر کہہ سکتے تھے کہ

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے خود اپنا حال بیان کیا کہ جو شخص میرے پاس آتا ہے اور اپنا حال مجھ سے بیان کرتا ہے اس سے دوچند فکر وتردد وغم والم مجھے ہوتا ہے، ایک مرتبہ فرمایا کہ ''قیامت کے بازار میں کسی سودے کی اتنی قیمت اور پوچھ گچھ نہ ہوگی جتنی دلداری اور دل خوش کرنے کی ہوگی۔

اس کا نتیجہ تھا کہ شکستہ دلوں کو ان کی خانقاہوں میں پناہ ملتی تھی اور دل کا مرہم بھی، ان مشائخ کی آغوش شفقت ان سب کیلئے کھلی ہوئی تھی جن کو حکومت یا سوسائٹی یا خاندان نے اپنے دائرہ سے نکال دیا تھا، یا اقبال نے ان سے منہ موڑ لیا تھا، جن کو اعزہ واقارب اور بعض اوقات اولاد تک جواب دے دیتی، وہ ان

بزرگوں کے قدموں میں آکر پڑ جاتے، ہر مذہب وملت کا آدمی یہاں اپنے دل کی بے چینی اور دماغ کی الجھن دور کرتا اور غذا اور دوا، محبت اور قدر سب کچھ پاتا۔

حضرت نظام الدینؒ کے شیخ نے ان کو ہندوستان روانہ کرتے ہوئے بشارت دی تھی کہ ''تم ایک سایہ دار درخت بنو گے جس کے گھنے سایہ میں خلقِ خدا کو راحت وآرام نصیب ہوگا''۔

تاریخ شاہد ہے کہ سترہ برس تک اس درختِ سایہ دار کی گھنی چھاؤں میں دہلی اور دور دراز سے آنے والے کتنے لوگوں کو راحت وآرام حاصل ہوا، ان صوفیائے صدق وصفا کی مخلصانہ کوششوں کی بدولت ہندوستان کے طول وعرض میں ایسے کتنے اور سایہ دار درخت ہوئے جس کے سایہ تلے سرگرداں قافلوں، تھکے ہارے مسافروں کو راحت نصیب ہوئی اور وہ زندگی کی ایک نئی روح اور نئے جذبہ سے سرشار وشادکام ہوئے۔(۴)

امام ابو حامد غزالی جو زندگی کے مختلف ادوار سے گذرے ہیں، علماء وفلاسفہ اصحاب تحقیق اور حکمرانوں کو انہوں نے بہت قریب سے دیکھا ہے اور ان کے حالات سے اچھی واقفیت رکھتے ہیں، وہ معاشرہ کی اصلاح وتربیت کے باب میں صوفیائے عظام کی کاوشوں کو سراہتے ہوئے کہتے ہیں۔

مجھے یقینی طور پر معلوم ہوگیا کہ صوفیاء ہی اللہ کے راستہ کے سالک ہیں، ان کی سیرت بہترین سیرت، ان کا طریقہ سب سے زیادہ مستقیم اور ان کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں، اگر عقلاء کی عقل، حکماء کی حکمت اور شریعت کے رمز شناسوں کا علم مل کر بھی ان کی سیرت واخلاق سے بہتر لانا چاہے تو ممکن نہیں، ان کی تمام ظاہری اور باطنی حرکات وسکنات مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں اور نورِ نبوت سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جائے۔(۵)

حوالہ جات

(۱)۔الاعلام بمن فی تاریخ الہند من الأعلام، از: علامہ عبدالحی حسنی، سیر الأولیاء فوائد الفؤاد، سیر العارفین، تاریخ دعوت وعزیمت۔

(۲)۔الإعلام بمن فی تاریخ الہند من الأعلام از عبدالحی حسنی ۲/۱۲۴۔

(۳)۔تاریخ دعوت وعزیمت، ۳/۲۷، ۱۴واں ایڈیشن، ۲۰۱۷ء، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو۔

(۴)۔ہندوستانی مسلمان۔

(۵)۔المنقذ من الضلال، ص: ۱۳۱-۱۳۲۔

(۱)
شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

(۶۶۱ھ-۷۲۸ھ)

علامہ تقی الدین احمد ابن عبد الحلیم ابن تیمیہؒ کی شہرت عموماً ایک متکلم ومناظر ومحدث وفقیہ (جدلی) کی حیثیت سے ہے، عام ذہنوں میں ان کا تصور ایک ذہین وذکی وسیع العلم قوی الحجت اور زرخیز عقل کی حامل شخصیت کے اعتبار سے ہے، اہل دل اور اصحابِ سلوک وتربیت کے تعلق سے ان کے بعض آراء ومواقف میں بظاہر وہ ایک محدثِ خشک اور عالمِ ظاہر بین معلوم ہوتے ہیں جو جذبات واحساسات اور عرفان وآگہی، سوزِ باطن کی دولت سے محروم ہو اور تزکیہ وتصوف کا منکر ہو، یقیناً انہوں نے اپنے زمانہ کے اصحابِ تصوف کے بعض وعقائد وتصرفات پر کھلی تنقید کی ہے جو اپنے مقصد کی تشریح وتوضیح میں عجمی تصورات وباطنی تاویلات کا سہارا لینے کی وجہ سے اسلام کی حقیقی فکر اور سنت وشریعت کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کر بیٹھے تھے، لیکن ان کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک عبادات ومعاملات حتی کہ عقائد کے باب میں ''انسانی دل'' نہایت اہمیت کا حامل ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے حالتِ زندگی کا مطالعہ کرنے والوں کو ان کی زندگی میں ایسے اعمال، اقوال، احوال، اذواق وعادات، اور شمائل واشغال کا تذکرہ ملے گا جو کسی طرح بھی امت کے عارفین اور اہل اللہ سے کم مؤثر نہیں، لیکن یہ حالات ان کے کلامی وجدلیاتی مواقف کی کثرت کی وجہ سے لوگوں کے سامنے نہ آسکے، حافظ ابن قیم جوزی نے ''مدارج السالکین'' میں اور علامہ ذہبی نے وغیرہ نے انکے تذکروں میں ان کے جو اقوال واحوال پیش کیے ہیں، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الاسلام کا شمار امت کے عارفین اور اہل اللہ میں ہونا چاہئے۔

ولادت ونشونما

شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کی ولادت ''حران،، میں ۶۶۱ھ میں ہوئی، سلسلہء نسب اس طرح ہے، تقی الدین ابن تیمیہ ابوالعباس احمد ابن عبدالحلیم ابن عبدالسلام ابن عبداللہ ابن خضر ابن محمد خضر ابن علی ابن عبداللہ ابن تیمیہ حرانی دمشقی، بچپن میں ہی والد اور افرادِ خاندان کے ساتھ دمشق آ گئے، حدیث کی تعلیم شیخ ابن عبدالدائم، ابن ابو الیسر، ابن عبدان، شیخ شمس الدین حنبلی، شیخ شمس الدین ابن عطاء حنفی، شیخ جمال الدین ابن الصیرفی، علامہ مجدالدین ابن عساکر، شیخ جمال الدین بغدادی شیخ نجیب مقدادو غیرہ سے حاصل کی اور خود سے بھی بہت سی چیزوں کا مطالعہ کیا، حافظہ بہت قوی پایا تھا جو بھی سنتے یاد کر لیتے، کہتے ہیں کہ فقہ کے موضوع پر ابن تیمیہ کو اپنے زمانہ کے ائمہ فن ومجتہدین سے زیادہ دسترس تھی اور فنِ حدیث میں امامت کے درجہ پر فائز تھے، حافظِ حدیث تھے، حدیث کے صحیح وسقیم اور رجال پر گہری نظر تھی اور اس باب میں عبور حاصل تھا۔

ابن زملکانی فرماتے ہیں:۔

> ابن تیمیہ کی ذات میں تمام شرائط اجتہاد بدرجہ اُتم موجود تھیں، حسن تصنیف، جودتِ ترتیب اور تقسیم وتدوین میں مکمل دستگاہ رکھتے تھے، اپنی ایک تصنیف میں انہوں نے یہ شعر لکھا۔

ماذا یقول الواصفون لہ
وصفاتہ جلت عن الحصر
ھو حجۃ اللہ قاھرۃ
ھو بیننا أعجوبۃ الدھر

هو آية للخلق ظاهرة
أنوارها أربت على الفجر (۲)

ترجمہ: ان کے اوصاف بیان کرنے والے کیا اوصاف بیان کریں گے؟ ان کے اوصاف وکمالات شمار واحصاء سے باہر ہیں، وہ اللہ تعالی کی ایک زبردست حجت اور دلیل ہیں، ہمارے درمیان وہ ایک اعجوبۂ روزگار ہیں، خلقِ خدا کے حق میں ایک روشن برہان جس کی ضوفشانی سپیدہ سحر سے بڑھ کر ہے۔

وہ نہایت فصیح اللسان تھے، ان کا قلم اور ان کی طلاقتِ لسانی ایک دوسرے کے ہم پلہ تھی، ''الدرر الكامنة'' میں ہے کہ ابھی عمر بیس برس کی نہیں ہوئی تھی کہ علماء سے مناظرہ کیا اور فنِ تفسیر وحدیث میں اپنی تبحر علمی اور کمال کا ثبوت پیش کیا اور اسی عمر میں درس وافتاء کی ذمہ داری سنبھالی، ''الدرر الكامنة'' کے بیان کے مطابق ان کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار کاپیوں سے زیادہ ہے اور ''فوات الوفيات'' میں ہے کہ ان کی تعداد تین سو جلدیں ہیں۔

ابن تیمیہ نے اپنے زمانہ کے تمام علوم مروجہ کی تعلیم حاصل کی، انہوں نے عربیت کی طرف خاص توجہ کی، اور لغت ونحو میں اعلی بصیرت پیدا کی، امام نحو سیبویہ کی ''الکتاب'' کا خاص طور پر ناقدانہ مطالعہ کیا، اور کئی مقامات پر ان کی گرفت کی، عربیت اور نحو ولغت پر محققانہ نظر رکھنے، اور اپنے اس ادبی اور نحوی ملکہ اور رسوخ سے انہوں نے اپنی علمی زندگی اور اپنی تصنیفات ومباحث میں بڑا کام لیا، نثر ونظم کا ایک بڑا حصہ انہوں نے محفوظ کرلیا، عرب جاہلیت اور عرب اولین کے حالات واقعات بہت تفصیل سے دیکھے، اور اسلامی عہد اور اسلامی حکومتوں کی تاریخ کا وسیع مطالعہ کیا، یہ وسیع اور متنوع مطالعہ ان کو اپنے بعد کی گوناگوں علمی زندگی میں بہت کام آیا۔

تفسیر ابن تیمیہ کا محبوب موضوع تھا اور ان کو اس سے خاص دلچسپی تھی، ان کا خود بیان ہے کہ انہوں نے تفسیر قرآن میں سو سے زیادہ کتابوں کا مطالعہ کیا ہے، فرماتے ہیں کہ

بعض اوقات ایک ایک آیت کے لیے میں نے سوسو تفسیروں کا مطالعہ کیا ہے، مطالعہ کے بعد میں اللہ تعالی سے دعا کرتا کہ مجھے اس آیت کا فہم عنایت ہو، میں عرض کرتا کہ ''اے آدمؑ وابراہیمؑ کے معلم میری تعلیم فرما، مین سنسان اور غیر آباد مسجدوں اور مقامات کی طرف چلا جاتا، اپنی پیشانی خاک پر ملتا اور کہتا کہ ''اے ابراہیم کو تعلیم دینے والے مجھے سمجھ عطا فرما۔

حافظ ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ

شیخ الاسلام علامہ تقی الدین ابوالعباس احمد ابن مفتی شہاب الدین عبد الحلیم ابن تیمیہ حافظ وناقد، فقیہ ومجتہد، باکمال مفسر، زاہدین کے امام اور یگانۂ روزگار شخصیت کے حامل تھے۔

وہ علم کا بحرِ زخار، معدودے چند اہل ذکا وفراست، معروف ویکتا زاہدین، نہایت فیاض واصحابِ شجاعت وباہمت افراد میں ان کا شمار ہے، موافق ومخالف سب ہی ان کے ثنا خواں ہیں، ان کی تصانیف کا شہرہ چہار دانگِ عالم میں ہے، ان کی کتابوں کی تعداد کا تخمینہ تین سو ہے، دمشق ومصر اور سرحدی علاقوں میں درس حدیث دیا، کئی مرتبہ ابتلاء وآزمائش کے مراحل سے گذرے، مصر واسکندریہ اور قاہرہ کے قلعوں میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں، دومرتبہ دمشق کے قلعہ میں محبوس ہوئے، وہیں ۲۰ ر ذیقعدہ ۷۲۸ھ کو حالت اسیری میں انتقال فرمایا، تجہیز وتکفین کے بعد ان کو جامع دمشق لے جایا گیا، جنازہ کے ساتھ لاتعداد انسانوں کا ہجوم تھا، ساٹھ ہزار شرکائے جنازہ کا تخمینہ ہے، مقابرِ صوفیہ میں اپنے بھائی شیخ شرف الدین عبداللہ کے بغل میں مدفون ہوئے، تدفین کے بعد بہت اچھے خواب ان کے تعلق سے دیکھے گئے اور شعراء نے ان کی تعریف میں کئی مرثیہ قصائد کہے، وہ اپنے کئی منفرد فتووں کی وجہ

سے الزام واتہام اور تنقید کا نشانہ بنے اور یہ فتاوی درحقیقت ان کے وفورِ علم کا نتیجہ ہیں، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ان کے ساتھ عفوودرگذر کا معاملہ فرمائے اور ان کو اللہ کی رضا حاصل ہو، واللہ میں نے ان کی مثال نہیں دیکھی۔(۳)

ابن تیمیہ اور سلوک واحسان

ابنِ تیمیہؒ وعظ وارشاد کے شہسوار اور میدان تزکیہ، تربیت اور سلوک کے ایک کامیاب فاتح ہیں، وہ نفس کی کیفیات باطنہ اور اسکے ظاہری ومخفی امراض وعلل کے ایک متبحر عالم تھے، انہوں نے ان کیفیات وحالات کو بہت خوبصورت اور دلنشیں اسلوب میں بیان کیا ہے، ان کی وہ کتابیں جو نفس کی باطنی کیفیات، اس کے امراض واسقام سے بحث کرتی ہیں، یہ ہیں ''التحفۃ القرآنیہ'' ''امراض القلوب وشفاؤھا'' ''الاستقامۃ'' ''جامع الرسائل والمسائل'' وغیرہ ہیں، اس کے علاوہ اور دیگر ابحاث ورسائل اور ان کے مجموع الفتاوی کی دسویں جلد میں بھی اس موضوع پر مباحث موجود ہیں، ان کتابوں میں بہترین اور عمدہ مباحث ہیں جس سے بعض لوگوں کے ذہن میں جو تصور ابن تیمیہ کے شدت رائے کا قائم ہے، ختم کرنے کے لیے کافی ہیں۔

ان کے بہت سے کشوف وکرامات بھی منقول ہیں، اگرچہ بعض متشددین اس کا انکار کرتے ہیں۔

علامہ بدرالدین عینی صاحب ''عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری'' ''الردالوافر'' کی تقریظ میں لکھتے ہیں۔

اپنی علمی عظمت وکمال کے ساتھ ان سے ایسی کرامات کا بھی صدور ہوا ہے جس کو ایک جم غفیر نے نقل کیا ہے اور ان میں شبہ کی گنجائش نہیں۔(۴)

ان واقعات کی شہادت جو بطریق کرامت وخرق عادت پیش آئے، ان کے

تلامذہ، احباب اور معاصرین نے دی ہے اور متاخرین نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ وہ اس قدر کثرت سے منقول ہیں کہ ان کا انکار ممکن نہیں۔

سلوک کی تائید وضرورت کے تعلق سے ان کی بعض آراء بھی نقل کی گئی ہیں، علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

چنانچہ سلوک وہ طریقہ ہے جس کا اللہ ورسول نے حکم دیا ہے، یعنی عقائد وعبادات اور اخلاق، کتاب وسنت میں اس کی وضاحت ہے، اور یہ ایک بندۂ مومن کے لیے ایک ضروری غذا کی طرح ہے۔(۵)

فرماتے ہیں کہ:۔

سلوک وتربیت میں ایسے مسائل ہیں جن میں مشائخ کا اختلاف ہے، لیکن کتاب وسنت میں ان کی صحت کے دلائل موجود ہیں، ان میں وہ مسائل بھی ہیں جس سے سالکین کی اکثریت واقف ہے، مسائلِ سلوک بھی عقائد کے مسائل کی طرح کتاب وسنت میں منصوص ہیں۔(۶)

فرماتے ہیں:۔

اسی طرح اگر کسی کے ارداہ وعبادت، عمل اور احوال قلبیہ واعمال بدنیہ کے اصول وفروع سے متعلق سماع کی بنیاد کتاب وسنت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہو تو اس نے سنت نبوی پر عمل کیا ہے، اور یہی ائمہ ہدایت کا طریقہ ہے۔(۷)

فرماتے ہیں:۔

قلبی اعمال وافعال میں وہ چیزیں بھی ہیں جن کو مقامات واحوال مثلاً حب اللہ وحب رسول صلی اللہ علیہ وسلم، توکل، اخلاص دین، شکر وصبر اور خوف ورجاء وغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ تمام مخلوق خاص وعام سب پر واجب ہیں،

خاص افراد پر خاص طور پر اور عام لوگ پر عام طریقہ پر، البتہ سب اپنے اپنے مقام ومرتبہ کے اعتبار سے مکلف ہیں۔(۸)

دل کی اہمیت اور مقام ومرتبہ کی یہ بہت بڑی شہادت ہے ایک ایسے محقق کی جانب سے جس کا شعار اتباع سنت، حدیث وسنت کے ساتھ شغف وانہماک تھا، ان کے معاصرین شہادت دیتے ہیں کہ مقامِ رسالت کا ادب واحترام اور اتباع سنت کا جیسا اہتمام ابن تیمیہ کے یہاں دیکھا کسی اور کے یہاں نظر نہیں آیا۔ حافظ سراج الدین البزار قسم کھا کر کہتے ہیں:۔

خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا ادب واحترام کرنے والا اور آپ کی اتباع اور آپ کے دین کی نصرت کا حرص رکھنے والا ابن تیمیہ سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔(۹)

یہ چیز ان پر اتنی غالب اور ان کی زندگی میں نمایاں تھی کہ دیکھنے والوں کا دل گواہی دیتا تھا کہ اتباع کامل اور سنت کا عشق اس کا نام ہے۔

زہد اور علامہ ابن تیمیہ

زہد علامہ ابن تیمیہ کی خاص اور نمایاں صفت ہے، اس سلسلہ میں بہت سے احوال واقوال ہیں، ان کے ممتاز شاگرد ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ''مالی شئی، ولامنی شئی، ولافی شئی'' (نہ میرا کچھ ہے، نہ مجھ سے کچھ ہے، اور نہ مجھ میں کچھ ہے) اگر کوئی ان کے منہ پر تعریف کرتا تو فرماتے کہ:۔

خدا کی قسم میں برابر اپنے اسلام کی تجدید کرتا رہتا ہوں اور ابھی تک نہیں کہہ سکتا کہ میں کامل مسلمان ہوں۔

اور کبھی فرماتے کہ:۔

میں امت کا ایک عام آدمی ہوں، سلطنت وحکومت کا آدمی نہیں۔

اور کبھی فرماتے کہ:۔

عارف کسی پر اپنا کوئی حق نہیں سمجھتا اور نہ یہ جانتا ہے کہ اس کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل ہے، اسی لیے نہ وہ کسی کی شکایت کرتا ہے، نہ مطالبہ کرتا ہے، اور نہ ہی مار پیٹ۔

فرماتے کہ:۔

میرے دشمن میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟ جبکہ میری جنت اور میرا باغ سینے میں ہے، جہاں جاؤں گا وہ میرے ساتھ ہے۔

سخاوت وفیاضی

ان کے ایک معاصر حافظ فضل اللہ عمری انکی سخاوت وایثار کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

ان کے پاس ڈھیروں سونا چاندی، اعلی اصیل گھوڑے، جانور، املاک واموال آتے، وہ سب کا سب اٹھا کر دوسروں کو دیدیتے یا اہل ضرورت کے پاس رکھوا دیتے اور صرف دوسروں کو دینے کے لیے لے لیتے اور صرف عطا کرنے کے لیے اٹھا رکھتے۔(۱۰)

ان کی سخاوت یہاں تک پہونچی ہوئی تھی کہ اگر دینے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو کپڑا اتار کر دے دیتے:۔

وہ صدقہ کرتے تھے، جب کچھ پاس نہ ہوتا تو اپنا کوئی کپڑا ہی اٹھا کر دے دیتے تھے، اور اہل حاجت کی کار برآری کرتے۔(۱۱)

ایک دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

اپنے کھانے سے ایک روٹی یا دو روٹیاں بچا لیتے اور اپنے اوپر ایثار کر کے دوسروں کو دیتے۔ (۱۲)

ان کے ایک شاگرد کہتے ہیں کہ:۔

وہ اپنے دشمنوں تک کے لیے دعائے خیر کرتے، میں نے نہیں دیکھا کہ ان میں سے کسی کے لیے بددعا کرتے ہوں۔

ذکر و عبادت کا ذوق و شغف

''الکواکب الدریۃ'' میں ان کے ذوق عبادت، کثرت ذکر اور اس میں انہماک کا حال اس طرح بیان ہوا ہے کہ:۔

رات کو وہ تمام لوگوں سے علاحدہ رہتے تھے، اس وقت خدا کی سوا ان کے ساتھ کوئی نہیں ہوتا تھا، وہ ہوتے اور گریہ وزاری، برابر قرآن مجید پڑھتے رہتے، رات دن مختلف قسم کے نوافل و عبادات میں مشغول رہتے، جب نماز شروع کرتے تو ان کے شانے اور اعضاء کانپنے لگتے، یہانتک کہ ان کو دائیں اور بائیں لرزش ہوتی۔ (۱۳)

ابن قیمؒ لکھتے ہیں:۔

نماز فجر کی بعد اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے، یہانتک کہ دن اچھی طرح سے چڑھ آتا، کوئی پوچھتا تو فرماتے یہ میرا ناشتہ ہے، اگر میں یہ ناشتہ نہ کروں تو میری قوت میں کمی ہو جائے اور میرے قوی کام نہ کریں۔ (۱۴)

علامہ ذہبی کہتے ہیں:۔

وہ اپنے اوراد و اذکار کی پوری پابندی کرتے تھے اور ہر حالت میں جمعیتِ خاطر کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ (۱۵)

ان کے حالات میں آتا ہے کہ جب ان کو کسی مسئلہ میں اشکال یا کسی آیت کے سمجھنے میں دقت ہوتی تھی، تو وہ کسی سنسان مسجد میں چلے جاتے اور پیشانی خاک پر رکھ کر دیر تک یہ کہتے رہتے کہ ''یا معلم إبراهيم فهمني '' (اے ابراہیم کو علم عطا کرنے والے مجھے اس کی سمجھ عطا فرما)۔

کلام کے نمونے: دل ہی اصل ہے

ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

دل ہی اصل ہے، اگر دل میں اللہ کی معرفت اور ارادت ہوگی تو لامحالہ بدن اس سے متاثر ہوگا، کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ دل جو چاہے اس سے بدن تخلف یا سستی برت سکے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، اگر وہ صالح ہے تو اس کی وجہ سے پورا بدن صالح اور اگر وہ فاسد تو اس کی وجہ سے پورا بدن فاسد ہو جاتا ہے، سنو! وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ''دل کی حیثیت ایک بادشاہ کی ہے اور تمام اعضاء و جوارح اس کے سپاہی ہیں، باشاہ اگر بہتر ہوگا تو سپاہ بھی بہتر ہوگی اور اگر بادشاہ برا ہوگا تو سپاہ بھی بری ہوگی۔

محبت اور اصلاح قلب کے عوامل

فرماتے ہیں:۔

قلب کو صلاح و فلاح، لذت و مسرت، سکون و اطمینان کی کیفیت سوائے رب کی عبادت، محبت و انابت کے نہیں حاصل ہوگی، مخلوقات کی تمام نعمتیں اور

لذتیں بھی اگر حاصل ہو جائیں تب بھی سکون واطمینان نہ نصیب ہوگا، اس لیے کہ اس میں فقر ذاتی ہے، کیونکہ وہ دراصل معبود ومحبوب اور مطلوب ہے، اسی ذات تک رسائی سے حقیقی فرحت ومسرت، لذت ونعمت، اور سکون واطمینان کی کیفیت نصیب ہوگی اور یہ اللہ کی اعانت کے بغیر نہیں حاصل ہو سکتی اور نہ اسے حاصل کرنے کی کوئی قدرت رکھتا ہے۔

ابن تیمیہ کے نزدیک علم کی قسمیں

فرماتے ہیں کہ:۔

علم یا تو صحیح اور صادق منقول ہوتا ہے، یا پھر کسی محقق کا استدلال ہوتا ہے، علم یا تو صحیح اور صادق نقل ہوگی جو کسی معصوم سے منقول ہو، یا ایسا قول ہوگا جس کی دلیل معلوم ومعروف ہوگی، اس کے علاوہ یا تو قابل رد اور جھوٹ ہیں، اور یا پھر وہ باتیں ہیں جنکی صحت وصداقت کے بارے میں توقف اختیار کیا جائیگا، کیونکہ نہیں معلوم وہ سچ ہیں یا باطل، بلاشبہ لذت علم سب سے اچھی لذت ہے، یہی وہ لذت ہے جس کا مزہ دنیا وآخرت دونوں جہان میں حاصل ہوتا ہے، علم وعمل اور ایمان ہی وہ لذتیں ہیں جن کا فائدہ دنیا وآخرت میں حاصل ہوتا ہے، قلب میں علم کا حصول ایسے ہی ہے جیسے بدن میں کھانے کا حصول، جسم کو کھانا اور پانی کی لذتوں کا احساس ہوتا ہے اور قلب کو ان علوم کا احساس ہوتا ہے جو اس کے لیے مثل غذا وپانی کے ہیں، ہدایت بغیر علم کے نہیں حاصل ہوتی، اور بغیر صبر واستقامت کے صحیح راستہ نہیں ملتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ فرمایا کرتے تھے:۔

بندے کو ہر وقت اللہ کی وہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں جس کی وجہ سے ہر لحظہ وہ

اللہ کے شکر کا ضرور تمند ہوتا ہے اور ہر گھڑی اس سے وہ گناہ سرزد ہوتے ہیں جس کی وجہ وہ سے استغفار وتوبہ کا محتاج ہوتا ہے، بندہ کی یہ دونوں حالتیں لازمی ہیں اور اس کے ساتھ ہر وقت رہتی ہیں، کیونکہ وہ ہمیشہ یا تو اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی آغوش میں ہوتا ہے، اور یا تو وہ ہمیشہ اللہ تعالی کے سامنے توبہ واستغفار کا محتاج۔

صبر جمیل وہ ہے جس میں کوئی شکوہ وشکایت نہ ہو، اور صفحِ جمیل وہ ہے جو عتاب وغصہ سے پاک ہو اور ہجرِ جمیل وہ ہے جس میں اذیت وتکلیف کی آمیزش نہ ہو۔

آزادی درحقیقت دل کی آزادی ہے، اور حقیقی غلامی دل کی غلامی ہے، اسی طرح حقیقی استغناء دل کا استغناء ہے۔

دنیا میں ایک جنت ہے (ایمان کی جنت) جس نے وہ جنت نہیں دیکھی اسے آخرت کی جنت بھی نہ حاصل ہوگی۔

جو ابدی سعادت کا خواہاں ہو وہ عبودیت وبندگی کی چوکھٹ کو لازم پکڑ لے۔

فرمایا کرتے تھے:۔

شکوک وشبہات کو قبول کرنے کے لیے دل کو روئی کے مانند مت بناؤ کہ شکوک وشبہات اس میں پیوست ہو جائیں؛ بلکہ دل کو شکوک وشبہات کے لیے ایک چکنے اور صاف وشفاف شیشہ کے مانند بنالو کہ شبہات اس کے اوپر سے تو گذریں؛ لیکن اس میں ٹھہر نہ سکیں، اسکی شفافیت کی وجہ سے شبہات نظر آئیں اور صلابت کی وجہ سے ان کا مقابلہ ہو سکے اور ان کا دفاع ممکن ہو، ورنہ دل میں اگر ہر شبہ کو جگہ دیتے رہو گے تو ایک دن وہ شبہات کا مرکز بن جائیگا۔

توکل ورضا تقدیر کے لیے کافی ہیں، وقوع تقدیر سے پہلے توکل کا مرحلہ ہے اور وقوع کے بعد رضا بالقضاء کا مرحلہ، چنانچہ جس نے عمل سے پہلے اللہ پر

توکل کیا اور اللہ کے فیصلوں پر راضی رہا، اس نے واقعتاً اللہ کی بندگی اور عبادت کا حق ادا کیا۔

اہل حق کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ابن تیمیہ فرماتے ہیں:۔

اولیاء اللہ کی کوئی ایسی صفت نہیں ہے جس کے ذریعہ وہ جائز ظاہری امور میں لوگوں سے ممتاز ہوں، نہ ان کا کوئی ممتاز ومخصوص لباس ہے، کیونکہ دونوں لباس جائز اور مباح ہیں اور نہ ہی اولیاء کا امتیاز بال مونڈنے یا چھوٹا کرنے یا ناخن کاٹنے سے ظاہر ہو سکے گا، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ کتنے ایسے صدیق ہیں جو قبا میں ملبوس ہیں اور کتنے ایسے زندیق ہیں جو عبا زیب تن کیے ہوئے ہیں، یہ لوگ امت محمدیہ کی تمام اصناف میں پائے جاتے ہیں، اگر بدعت ظاہرہ کے مرتکب اور فاجر نہ ہوں، اہل قرآن اور اہل علم میں بھی ایسے لوگ ہیں، اصحاب سیف وسناں میں بھی ہیں، تاجروں، کسانوں اور کاریگروں میں بھی۔(۱۶)

اشعار کے چند نمونے

حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ علامہ ابن تیمیہ کا منظوم کلام بھی ہے، ذیل طبقات الحنابلہ میں کچھ اشعار نقل کیے گئے ہیں، ابن تیمیہ مختلف موقعوں پر اشعار سے استدلال فرمایا کرتے تھے، مثلاً۔

عليك بخوف اللّٰه في السر والجهر
وبالقصد للإنفاق في العسر واليسر
وبالعدل إن تغضب وإن تك راضيا
فهن ثلاث منجيات من الشر
وإياك والشح المطاع ولاتكن
بمتبع الأهواء فترجع بالخسر

وعد عن الإعجاب بالنفس إن
ختام الثلاث المهلكات لدى الحشر

ترجمہ: دونوں حالتوں میں خواہ علانیہ طور پر ہو یا مخفی طور پر ہر حالت میں اللہ سے ڈرتے رہو، تنگی وفراخی ہر صورت میں فیاضی وسخاوت اعتدال ومیانہ روی کے ساتھ کرو، حالتِ رضا وغضب دونوں میں عدل وانصاف کا دامن تمھارے ہاتھ سے نہ جانے پائے، کیونکہ خوف خدا، ایثار وسخاء اور عدل ہی تمہیں شر (ہلاکت) سے محفوظ رکھ سکتے ہیں اور دیکھو بخل حرص وہوس اور خواہش نفس کی اتباع مت کرنا کیونکہ یہ خسارہ کا سبب ہے اور خود فریبی سے اپنی حفاظت کرنا کیونکہ یہی تینوں میدان محشر میں مہلکات ثابت ہوں گی۔

علامہ ابن تیمیہ سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا کہ حجِ نفل بہتر ہے یا صدقہ؟

ماذا يقول اهل العلم فی رجل
آتاه ذوالعرش مالاً حج واعتمرا
فهزه الشوق نحو المصطفى طرباً
الحج أفضل أم إيثاره الفقرا
أم حجة عن أبيه ذاك أفضل أم
ماذاا لذى يا سادتى ظهرا
فأفتو محبا لكم قد رام فديتكم
وذكر دأبه إن غاب أوحضرا

ترجمہ: اہل علم کا اس مسئلہ میں کیا خیال ہے کہ ایک شخص کو اللہ رب العزت نے مال ودولت سے سرفراز فرمایا ہے اور وہ حج وعمرہ سے فارغ بھی ہو چکا ہے اور وہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے شوق کی وجہ سے نفلی حج وعمرہ کا ارادہ رکھتا ہے، تو کیا ایسے شخص کیلئے حج کرنا زیادہ افضل ہے یا فقراء ومساکین کو ترجیح دینا زیادہ بہتر ہے، یا والد کی

جانب سے حج بدل کرنا؟ علمائے کرام کی رائے عالی کیا ہے؟ اپنے اس معتقد کو فتوے سے نواز کر ممنون فرمائیں، میں دل و جان سے آپ پر قربان، میں ہر لحظہ و ہر ساعت سفر ہو حضر آپ کو یاد رکھتا ہوں۔

تو علامہ ابن تیمیہؒ نے جواب اشعار میں دیا فرمایا:۔

نقول فيه بأن الحج أفضل من
فعل التصدق والإطاء للفقرا
والحج عن والديه فيه برهما
والأم أسبق في البر الذى ذكرا
لكن إذا الغرض خص الأب كا ن إذاً
هو المقدم فيما يمنع الضرا
كما كان محتاجا إلى صلة
وأمه قد كفاها من برى البشرا
هذا جوابك يا هذا موازنة
وليس مفتيك معدودا من الشعراً (۱۷)

ترجمہ: ایسے شخص کیلئے حج کرنا صدقاتِ نافلہ اور فقراء و مساکین کو نوازنے کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہے، البتہ حج بدل میں والدین کے ساتھ حسن سلوک ہے اور والدہ اس کارِ خیر میں والد کے مقابلہ میں زیادہ قابل ترجیح ہے، ہاں اگر کسی سبب سے والد کو خاص کرلیا ہو تو جہاں ضرر کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں باپ ہی مقدم ہوگا، کیونکہ وہ بھی صلہ رحمی کے مستحق ہیں، ماں کیلئے تو انسان کی فرمانبرداری ہی کافی ہو جاتی ہے، تو یہ تمھارے سوال کا جواب تھا، یاد رہے کہ تمھیں فتوی دینے والا کا شمار شعراء میں نہیں ہوتا۔

وفات

شیخ علم الدین برزانی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ:۔

بروز پیر بیس ذیقعدہ کو امامِ وقت علامۂ زماں، شیخ الاسلام، حافظ حدیث، زاہد و عابد، مجاہد و فقیہ شخصیت شیخ الاسلام تقی الدین ابوالعباس احمد ابن شیخنا علامہ امام شہاب الدین ابوالمحاسن عبدالحلیم ابن شیخ الاسلام ابوالبرکات عبدالسلام ابن عبداللہ القاسم محمد خضر ابن محمد ابن خضر ابن علی عبداللہ ابن تیمیہ حرانی دمشقی کا بحالتِ اسیری (دمشق کے اسی قلعہ میں جہاں مقید تھے) سانحہ ارتحال پیش آیا، لوگوں کا ایک جم غفیر قلعہ آیا، ان کو داخلہ کی اجازت مل گئی، غسل سے پہلے ہی لوگوں نے ختم قرآن کیے اور فرط عقیدت و محبت میں ان کی پیشانی کو بوسہ دیا، مردوں کے بعد عورتوں کو اجازت ہوئی اور انہوں نے زیارت کی، پھر واپس ہو گئیں۔

کہتے ہیں کہ:۔

جنازہ باب البرید سے نکلا، تو لوگوں کا ہجوم بہت زیادہ ہو گیا، ہر طرف گریہ و بکا کی صدائیں بلند تھیں، ہر زبان اور ہر لب پر مدح و توصیف اور دعا کے الفاظ تھے، لوگ فرط عقیدت میں رومال اور کپڑے پھینک پھینک کر جنازہ سے مس کراتے، شدت ازدحام میں لوگوں کے پاؤں سے جوتے نکل گئے، لیکن وہ جنازہ دیکھنے اور اس کی مشایعت میں ایسے محو و مستغرق تھے کہ ان کو اس کا ہوش نہ تھا۔

حوالہ جات

(۱)۔البدایۃ والنہایۃ:۱۴/۱۳۵، کتاب الذیل علی طبقات الحنابلۃ:۲/۳۹۲، الدرر الکامنۃ:۱/۱۴۴، النجوم الزاہرۃ:۹/۲۷۱، فوات الوفیات:۱/۳۵، تذکرۃ الحفاظ،

جلد چہارم، الکواکب الدریۃ، مدارج السالکین، شیخ الاسلام احمد ابن تیمیۃ رجل الإصلاح والدعوۃ از استاذ محمد العلی، تاریخ دعوت وعزیمت، جلد دوم، الاعلام ۱/۱۴۴، ابن تیمیۃ از ڈاکٹر محمد ابوزہرۃ۔

(۲)۔ ۱/البدایۃ والنہایۃ وکتاب الذیل علی طبقات الحنابلۃ: ۳۹۲/۲۔

(۳)۔ تذکرۃ الحفاظ: ۱۴۹۶/۴، مطبوعہ دار إحیاء التراث العربی۔

(۴)۔ الردالوافر، ص: ۸۹، منقول: تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ دوم، ص: ۱۸۰

(۵)۔ جلاء العینین، ص: ۸، منقول از: رجال الفکر والدعوۃ فی الاسلام، مولانا ابوالحسن علی ندوی، جلد دوم، ص ۱۵۱،۔

(۶)۔ ایضاً، ص: ۱۵۱۔

(۷)۔ ایضاً، ص: ۱۵۱

(۸)۔ ایضاً، ص: ۱۵۲

(۹)۔ تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ دوم، ص: ۱۷۷۔

(۱۰)۔ الکواکب الدریۃ، ص: ۱۵۸، تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ دوم، ص: ۱۷۲

(۱۱)۔ ایضاً، ص: ۱۳۱۔

(۱۲)۔ ایضاً۔

(۱۳)۔ ایضاً۔ ص: ۱۷۰۔

(۱۴)۔ ایضاً۔

(۱۵)۔ ایضاً، ص: ۱۷۱۔

(۱۶)۔ شیخ الإسلام ابن تیمیۃ رجل الإصلاح والدعوۃ، از استاذ ابراہیم محمد العلی، مطبوعہ دار القلم۔

(۱۷)۔ ایضاً۔

علامہ ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ (۱)

(۶۹۱ھ-۷۵۱ھ)

ولادت اور نشوونما

محمد نام، ابوعبداللہ کنیت، شمس الدین لقب، زرعی نسبت، والد کا نام ابوبکر ایوب تھا، دمشق سے تقریباً ۷۵ رمیل کی دوری پر حوران کی ایک بستی ''زرع'' میں ۶۹۱ھ میں پیدا ہوئے، ان کے والد ''مدرسہ جوزیہ'' کے مہتمم تھے، اس کی نسبت سے وہ ابنِ قیم الجوزیہ (۲) اور اختصاراً ابن القیم کہلائے، پھر دمشق آئے اور وہاں کے اساتذۂ وقت مثلاً شہاب نابلسی، قاضی تقی الدین سلیمان، فاطمہ بنت جوہر، عیسی ابن مطعم، ابوبکر ابن عبد الدائم وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی اور فقہ حنبلی میں مہارت پیدا کی اور فتوی کا کام شروع کیا، پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا دامن ایسا پکڑا کہ مرتے وقت تک ان سے جدا نہ ہوئے اور ان سے خوب خوب استفادہ کیا۔

یوں تو تمام علوم اسلامیہ میں ان کی دستگاہ تھی، لیکن تفسیر میں ان کی مثال نہیں تھی، اصول دین میں وہ ایک نابغہ رُوزگار شخصیت کے مالک تھے، اس میدان میں درجہ کمال تک پہنچے ہوئے تھے، حدیث، فقہِ حدیث اور دقائق کے استنباط میں ان کا کوئی ہمسر نظر نہیں آتا، فقہ اور اصول فقہ، عربیت اور علم کلام میں بھی کمال حاصل تھا، علم سلوک اور اہلِ تصوف کے اشارات و دقائق پر بھی وسیع نظر تھی، ابن رجب کہتے ہیں:۔

میں نے قرآن وسنت کے معانی اور حقائق ایمانی کا ان سے بڑا عالم نہیں

پایا، وہ معصوم تو نہیں تھے؛ لیکن میں نے ان خصوصیات میں ان کا جیسا آدمی نہیں دیکھا۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ:۔

ابن قیم کو متونِ حدیث و رجالِ حدیث کی طرف بڑی توجہ تھی، وہ فقہ، اصولِ فقہ اور نحو کی تدریس میں ہی مشغول رہتے۔

زہد و عبادت

وہ کثیر العبادت اور شب بیدار تھے، ان کی نماز طویل اور پر سکون ہوتی، وہ ہر وقت ذاکر و شاغل رہتے تھے، ان میں محبت الٰہی کا ایک جوش، اور انابتِ الٰہی کی ایک خاص کیفیت تھی اور ان کے چہرہ پر بارگاہ خداوندی کی طرف فقر و احتیاج اور عجز و انکسار کا نور نظر آتا، انہوں نے کئی حج کیے، اہل مکہ مکرمہ ان کی کثرتِ عبادت اور کثرتِ طواف کے ایسے حالات سناتے ہیں جو موجب حیرت ہیں۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

حافظ ابن کثیر بڑی محبت کے آدمی تھے، نہ کسی سے حسد رکھتے نہ کسی کو ایذا پہنچاتے اور نہ کسی میں عیب نکالتے، میں ان کا بڑا رفیق اور محبوب تھا، مجھے نہیں معلوم کہ ہمارے زمانہ میں دنیا میں ان سے زیادہ کوئی عابد اور کثیر النوافل تھا، نماز کا ایک انداز تھا، وہ نماز بڑی طویل پڑھتے تھے اور رکوع و سجود بڑا لمبا کرتے تھے، بعض اوقات ان کے احباب ان کو ملامت کرتے، لیکن وہ اس کو ترک نہیں کرتے تھے۔(۳)

اپنے استاد اور شیخ کی طرح وہ بھی ابتلاء و آزمائش اور مجاہدات کی منازل سے گذرے، آخری بار جب ان کے شیخ ابن تیمیہ قلعہ میں قید کیے گئے، تو وہ بھی محبوس ہوئے

شیخ کے انتقال کے بعد ان کی رہائی ہوئی، قید کی اس پوری مدت میں وہ تلاوت قرآن اور اس کے معانی میں تدبر و تفکر میں مشغول رہے۔

ابن رجب لکھتے ہیں:۔

اس سے ان کو بڑا نفع حاصل ہوا، ان کو اذواق و مواجید صحیحہ کا ایسا حصہ ملا جس سے اہلِ معارف کے علوم اور ان کے غوامض کا سمجھنا اور سمجھانا ان کے لئے آسان ہوگیا۔(۴)

ان کے ایک ممتاز شاگرد علامہ ابن عبدالہادی ابن رجب کہتے ہیں کہ:۔

ان سے قاضی برہان الدین زرعی نے ان کے متعلق فرمایا کہ ''اس وقت آسمان کے نیچے ان سے بڑا وسیع العلم آدمی نظر نہیں آتا۔(۵)

علمی شغف و انہماک

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:۔

انہوں نے اپنے قلم سے بکثرت کتابیں لکھیں اور کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کرلیا جو دوسروں کو میسر نہ تھا، سلف و خلف کی دسیوں کتابیں اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں، اپنے احوال و کوائف پر ان کی نظر کم ہوتی، نیکی، اخلاق صالحہ اور خیر کا پیکر تھے۔

مسئلہ طلاق میں اپنے شیخ علامہ ابن تیمیہؒ کے موقف کی تائید میں انہوں نے فتوی دیا تھا اور اس کی وجہ سے ان کے اور قاضی القضاۃ شیخ تقی الدین سبکی وغیرہ کے درمیان بحث و مباحثہ کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگیا تھا، وہ بھی اپنے شیخ کی طرح بلا خوف و تردد اور بغیر کسی رورعایت کے تقلید پر کھل کر بے لاگ تنقید کرتے، اس کے معتقدین کی مذمت اور مخالفت کرتے اور اجتہاد کو قادر مطلق کی ذات کے ساتھ واجب قرار دیتے۔

اہم تصنیفات

ان کی اہم تصانیف یہ ہیں:۔

تہذیب سنن ابوداؤد، مدارج السالکین بین منازل ایاک نعبد وایاک نستعین، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، جلاء الافھام من الصلوۃ والسلام علی خیر الانام، اِعلام الموقعین عن رب العالمین، الداء والدواء، مفتاح دار السعادۃ، الکلام الطیب والعمل الصالح، تحفۃ الودود بأحکام المولود، کتاب الروح، شفاء العلیل، نفحۃ الارواح وتحفۃ الأفراح، الفوائد، روضۃ المحبین ونزھۃ المشتاقین، طریق الھجرتین وباب السعادتین وغیرہ۔

البتہ ان کی کتاب ''زاد المعاد'' ان سب میں ممتاز حیثیت کی حامل ہے، مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اس کتاب کے تعلق سے اپنا تاثر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> میرا خیال ہے کہ عمل واصلاح کے لیے امام غزالی کی ''احیاء العلوم'' کے بعد شاید کوئی ایسی جامع کتاب نہیں لکھی گئی، تحقیق واستناد اور کتاب وسنت سے مطابقت کی لحاظ سے اس کو ''احیاء العلوم'' پر بھی ترجیح حاصل ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے ایک ایسی کتاب لکھنے کا ارادہ کیا ہے جو بڑی حد تک دینیات کے کتب خانہ کی قائم مقامی کر سکے، اور ایک مربی ومرشد اور فقیہ ومحدث کا کام دے سکے، جن لوگوں پر حدیث کا ذوق غالب رہا اور جن کو سنن وآداب نبوی کے اتباع کی حرص اور اہتمام رہا ہے، ان کو اس کتاب سے بڑا شغف رہا ہے اور انہوں نے اس کو اپنا چراغ راہ، رفیق طریق اور زاد سفر سمجھا ہے۔(۶)

تلامذہ

علامہ ابن جوزی سے بہت نامور وباکمال علماء نے کسب فیض کیا، ان میں چند اہم

اور خاص امتیاز کے حامل علامہ عبدالرحمٰن ابن احمد ابن رجب حنبلی بغدادی ثم دمشقی ہیں، ایک عالم وزاہد انسان اور فقہ وحدیث وتاریخ جیسے اہم موضوعات اور مفید کتابوں کے مصنف ہیں، ان کے شاگردوں میں ایک نام صاحب بدایہ ونہایہ عمادالدین اسماعیل ابن عمر ابن کثیر اور حافظ محمد ابن احمد ابن عبدالہادی ابن قدامہ المقدسی الجماعیلی الصالحی کا ہے۔

وفات

۲۳ر رجب ۷۵۱ھ میں آپ کا سانحۂ ارتحال پیش آیا، جنازہ میں عوام الناس کے ساتھ ساتھ علماء، قضاۃ، اعیانِ سلطنت اور صالحین کی ایک بڑی تعداد شامل تھی، جنازہ اٹھانے والوں کا ایک ہجوم تھا، ساٹھ برس کی عمر پائی۔

کلام کے نمونے

حافظ ابن قیم جوزی فرماتے:۔

بعض امراض قلب طبعی دواؤں سے ٹھیک ہوجاتے ہیں اور بعض کا علاج صرف ایمانی اور شرعی دوا ہے، قلب کو بھی موت وحیات اور مرض وشفایابی کے عوارض پیش آتے ہیں اور یہ عوارض جسمانی عوارض سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔

فرماتے ہیں کہ:۔

فلاسفہ ومتکلمین کے کلام سے قلب کو شفاء حاصل نہیں ہوتی اور نہ شکوک وشبہات رفع ہوتے ہیں، بلکہ اس سے ان شکوک میں اور اضافہ ہوجاتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ:۔

فلاسفہ ومتکلمین کے بہتر اور عمدہ سرمایہ کی قرآن کریم میں اچھی اور عمدہ تفسیر وتوضیح موجود ہے، کیونکہ فلاسفہ کے یہاں سوائے تکلف وتطویل اور الجھاؤ کے

کچھ نہیں، ایک شعر ہے جسکا مفہوم یہ ہے کہ دنیا میں اگر تنافس اور مسابقت کی گرم بازاری نہ ہوتی تو مناظرہ کی کتابیں عالم وجود میں نہ آتیں، نہ ''مغنی'' موجود ہوتی اور نہ ''عمدہ''، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم الجھی ہوئی گرہیں سلجھا رہے ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہیکہ ان تالیفات سے گرہیں اور الجھتی جارہی ہیں، ان کا دعوی ہے کہ اپنی کتابوں کے ذریعہ شکوک وشبہات کو رفع کررہے ہیں، حالانکہ ایک عاقل ودانا انسان جانتا ہے کہ مباحث سے شکوک وشبہات اور بڑھ گئے ہیں، یہ انتہائی محال بات ہے کہ شفاء، ہدایت اور علم ویقین کی دولت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ حاصل ہو، اور ان فلاسفہ کے کلام سے حاصل ہو جو خود اپنے شکوک وشبہات میں گرفتار ہیں، امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ اپنی ایک تالیف میں اپنی پوری زندگی کا ماحصل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عقل کے اقدام کی انتہا بالآخر اسیری ہے، پورے عالم کی تگ ودو کا نتیجہ بالآخر ضلالت وگمراہی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، ہماری روحوں کو ہمارے جسموں سے وحشت ہو چلی ہے، اور ہماری دنیا کا حاصل سوائے اذیت ووبال کے کچھ نہ نکلا، پوری عمر کی بحث وتحقیق کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے حصہ میں سوائے قیل وقال کے اور کچھ نہیں، میں نے فلاسفہ اور متکلمین کے مناہج کلام کا بغور مطالعہ کیا، میں نہیں سمجھتا کہ ان مباحث سے کسی پیاسے کی سیری ہوسکتی ہے، مجھے سب سے بہتر اور اقرب طریقہ قرآن کریم کا معلوم ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ:۔

متکلمین کی بحث وتحقیق کا حاصل شک وارتیاب ہے اور اہل تصوف کے ریاضت ومجاہدہ کا انجام جنون، قرآن ہی درحقیقت وہ کامیاب طریقہ ہے جو ان مقاصد میں تم کو درجہ یقین پر سرفراز کرے گا، جو مقاصد انسانیت کے بلند ترین

مقاصد ومطالب میں ہیں کیونکہ اس کے نازل کرنے والے نے خود وہ مقاصد بیان کردیے ہیں اور اس کو "ھدی ورحمۃ للعالمین" اور "شفاء لما فی الصدور" بنایا ہے۔

امراضِ قلوب کے قرآنی معالجہ کا منہج ذکر کرتے ہوئے ابن قیم لکھتے ہیں

مثلاً مرض شہوات کے علاج کیلئے قرآن کریم وہ حکمت وموعظت حسنہ، ترغیب وزہد فی الدنیا اور وآخرت کی ترغیب والے مباحث وبیانات اور امثال وقصص کا ایک بیش بہا ذخیرہ ہے جس میں انواع واقسام کے اسباب بصیرت اور عبرتیں موجود ہیں، قلب سلیم کو جب اس میں معاش ومعاد کی منفعت اور نقصانات سے حفاظت نظر آتی ہے تو وہ ہدایت کو پسند کرنے لگتا ہے اور گمراہی وضلالت سے نفرت کرنے لگتا ہے۔

قرآن کریم ان امراض کا بھی علاج کرتا ہے جس سے فاسد ارادے وجود میں آتے ہیں، اس لیے کہ جب دل میں صلاح کی صفت پیدا ہوتی ہے تو ارادوں میں صلاح پیدا ہو جاتی ہے، اور انسان اپنی اصل اور حقیقی فطرت پر لوٹ جاتا ہے اور پھر اس کے اختیاری اور کسبی افعال میں بہتری اور صلاح رونما ہوتا ہے، ٹھیک ویسے جیسے جسم انسانی بیماری سے صحتیاب ہونے کے بعد اپنی فطری حالت پر آجاتا ہے، چنانچہ اب وہ سوائے حق کے کسی اور شئے کو قبول نہیں کرتا، جیسے ایک شیر خوار بچہ سوائے دودھ کے اور کوئی شئے قبول نہیں کرتا۔

وعاد الفتی کالطفل لیس بقابل
سوی المحض شیئا واستراحت عواذله

ترجمہ: نوجوان اب اس بچہ کی طرح ہوگیا جسے خالص دودھ کے سوا اور کسی شئے سے مطلب نہیں اور ملامت کرنے والوں کو اب سکون واطمینان نصیب ہوا۔

قلب کو ایمان و قرآنی سرچشمہ سے تزکیہ وتقویت کی غذا حاصل ہوتی ہے، اس منبعِ فیاض سے وہ راحت و مسرت، حیات ونشاط، زندگی و زندہ دلی کی روح حاصل کرتا ہے، ٹھیک اسی طرح جیسے بدن کو غذا سے قوت و طاقت حاصل ہوتی ہے۔

دل

علامہ ابن قیم کے نزدیک دل کی دو قسمیں ہیں، صحیح دل اور بیمار دل، دل کی ان دونوں قسموں کی تشریح وتوضیح کے بعد وہ دل کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

خلاصۂ کلام یہ کہ صحیح دل وہ ہے جس کے غم وفکر، اس ذات برحق کیلئے ہوں، محبت وارادہ کا محور وہی ذات واحد ہو، بدن اور اعمالِ بدن اسی کی رضا کے خاطر ہوں، نینداس کی ہو، اور بیداری اس کی ہو، گفتگو ہو تو اس کی، یا اس کے بارے میں، اس کی گفتگو ہر گفتگو سے زیادہ لذت بخش اور راحت آفریں ہو، افکار و خیالات کا محور اس کی خوشنودی اور رضا کا حصول ہو، اس کی خاطر خلوت جلوت سے زیادہ محبوب اور لائق ترجیح بن جائے، البتہ اگر جلوت اسے مرغوب خاطر ہو تو جلوت کو پسند کرے، وہی نگاہوں کی ٹھنڈک قرار پائے، وہی راحت وسکینت کا پیام بن جائے، جب بھی اس کے علاوہ کسی کا تصور ذہن میں آئے تو یہ آیت سمع خراش بن جائے ''يأيتها النفس المطمئنة ارجعي إلى ربك راضية مرضية'' یہ آیت بار بار اپنے نفس کو سنائے تا کہ اس کے ذریعہ ''یومِ لقاء'' کا تصور ذہن میں راسخ ہو جائے اور دل اپنے رب اور معبود حقیقی کے حضور عبودیت کے رنگ میں رنگ کر پیش ہو سکے، عبودیت اس کی ذوقی صفت اور مزاجِ غالب بن جائے، جس میں تکلف وتصنع کا شائبہ نہ ہو، اس کی عبادتیں،

محبت والفت اور حصول رضا وتقرب کا نتیجہ ہوں، جیسے ایک عاشقِ آشفتہ سر اپنے محبوب کی محبت میں اس کی خدمت کرتا اور دیگر امور کو انجام دیتا ہے۔

اسے جب بھی پروردگار کی جانب سے کوئی امر یا نھی عن الامر کا پروانہ ملے تو دل کی گہرائیوں سے لبیک وسعدیک کے زمزمے سنائی دیں اور دل یہ پکار اٹھے کہ میں ایک فرمانبردار اور مطیع بندہ کے حیثیت سے حاضر ہوں، یہ حکم مجھ پر ایک بہت بڑا احسان ہے، اس میں تعریف وستائش کی مستحق تیری ہی ذات ہے۔

اگر تقدیر کی رکاوٹیں راہ میں آئیں تو دل یہ صدا بلند کرے کہ اے میرے مولی! میں تیرا ایک مجبور وبے بس اور لاچار بندہ ہوں اور ایک فقیر ومسکین، عاجز وکمزور انسان ہوں، تو میرا غالب اور رحمت والا رب ہے، تو اگر صبر کا حوصلہ نہ بخشے تو میں صبر پر قادر نہیں، تو اگر طاقت نہ بخشے تو میں ان سے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتا، تو ہی میرا ملجا ہے تیرا سوا کوئی ملجا نہیں، تیرے سوا میری کوئی مدد نہیں کرسکتا، تیرے در کے علاوہ اور کوئی در میرے لیے وا نہیں، میرے تمام راستے تجھ پر ختم ہوتے ہیں۔

الغرض پورے طور پر خدا کی چوکھٹ پر خود کو ڈال دیتا ہے، اور اس کی ذات پر مکمل اعتماد کرتا ہے، اگر کوئی افتاد آپڑتی ہے تو کہتا ہے کہ یہ خدا کی رحمت ہے جو مجھے عطا کی گئی ہے، اور یہ ایک مشفق طبیب کی تجویز کردہ نفع بخش دوا ہے، اگر محبوبات ومرغوبات سے محرومی ہوتی ہے تو یہ کہتا ہے کہ بلا سے ایک اور برائی ٹل گئی، ایک شاعر کہتا ہے جس کا مطلب یہ ہے: ''تمہاری کتنی ایسی خواہشیں تھیں جن کے دور کرنے کیلئے تم نے مجھ سے دعائیں کیں اور تم نے مجھے کتنا ہمدرد اور رحیم پایا ہے''۔

چنانچہ ہر خوشی اور ہر غم راہ خدا کا رفیق وراہبر بن جاتا ہے اور اس کے لیے وصال وقرب کا اس کی وجہ سے در کھل جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے: تقدیر کے ہر

اچھے اور برے فیصلے خدا کی طرف راہنمائی کرتے ہیں، اے تقدیر میری رضامندی سے یہ فیصلہ شوق سے کر، کیونکہ میں نے آزمائشوں تک کو اپنا مونس وہمدم پایا ہے۔(۷)

تاریخ میں جاحظ ودمیری کی شہرت اس حیثیت سے بھی ہے کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں حیوانات کے اوصاف اور ان کے امور سے بحث کی ہے، اکثر اہلِ ادب کو اس باب میں علامہ ابن قیم کے اسلوب سے واقفیت نہیں ہے، اسی لیے ذیل میں ہم ان کی کتاب ''مفتاح دار السعادۃ ومنشور ولایۃ العلم والارادۃ'' سے ایک اقتباس نقل کریں گے، اس کتاب کا موضوع اللہ کی آیات ونشانیوں، بندوں پر اس کے بے پایاں احسانات اور مخلوقات کی قسمیں اور اس کی صفات کا بیان ہے۔

صاحب ''کشف الظنون'' اس کا تعارف کراتے ہوئے کہتے ہیں کہ:۔

''مفتاح دار السعادۃ'' کے مولف شیخ شمس الدین محمد ابن ابوبکر معروف بہ ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ ہیں، یہ کتاب کافی ضخیم ہے، متفرق فوائد ونکات کا مجموعہ ہے، اس میں علم کی معرفت اور مقام، صانع کا اثبات، شریعت کا مقام، علم نبوت، ستارہ پرستوں کی تردید، طیرہ، فال وزجر کی حقیقت کے علاوہ دیگر نافع اور جامع مباحث آگئے ہیں جس سے علم انسانی کی تکمیل اور اس میں اضافہ ہوگا۔

چیونٹی

اس کمزور چیونٹی پر غور کرو، اسے قدرت سے کیسی ذکاوت ودانائی عطا ہوئی ہے، وہ روزی کو جمع کرنے، محفوظ کرنے اور اسے آفات ومصائب کی نذر ہونے سے محفوظ رکھنے کی کیسی کیسی تدبیریں اختیار کرتی ہے، اگر تم غور کرو تو تم کو اس چھوٹی اور حقیر سی کمزور مخلوق میں طرح طرح کی آیات وعبرتیں نظر آئیں گی، تم

دیکھو گے کہ چیونٹیوں کا گروہ جب اپنے گھر سے حصول رزق کیلئے نکلتا ہے، تو رزق کو تلاش کرتے ہوئے چلتا ہے، اگر رزق مل جاتا ہے تو اسے لے کر اپنے مستقر کو واپس ہوتی ہیں اور اسے منتقل کرنے میں لگ جاتی ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا کہ دو رفیق ٹولیاں بن جاتی ہیں، ایک ٹولی رزق لے کر ایک قطار میں حسنِ نظام کے ساتھ اپنے گھر آتی ہے، تو دوسری گھر سے باہر کو نکلتی ہے، راستہ میں ایک دوسرے نہ ملتی ہیں اور نہ ان کا تصادم ہوتا ہے، وہ انسانوں کی قطاروں کی طرح قطار بنا لیتی ہیں، ایک قطار آنے والوں کی اور دوسری جانے والوں کے لیے مخصوص ہوتی ہے، اگر کسی شئے کا بار کسی جماعت پر زیادہ ہوتا ہے، تو سب مل کر اس کا تعاون کرتی ہیں جیسے انسان لکڑی یا پتھر کے ذریعہ بوجھ اٹھانے میں مدد کرتے ہیں، اگر ان میں سے کسی کو کوئی چیز ملتی ہے تو اس کی سہیلیاں گھر تک پہنچانے میں اس کا تعاون کرتی ہیں اور پھر اس کا راستہ خالی کر دیتی ہیں اور اگر کوئی شئے کسی ایک جماعت کو ملے وہ سب تعاون کرتی ہیں اور گھر کے دروازہ پر باہم تقسیم کر لیتی ہیں، کسی واقف کار نے بتایا کہ اس نے ایک دن عجیب وغریب منظر دیکھا'' میں نے دیکھا کہ ایک چیونٹی نے ٹڈی کا آدھا حصہ دیکھا تو اس کے پاس آئی اور اٹھانے کی کوشش کی، لیکن اٹھا نہ سکی، وہ تھوڑی دور جا کر اپنی سہلیوں کو لے کر آئی، وہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے ٹڈی کے اس ٹکڑے کو زمین سے اٹھالیا اور جب وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ اس جگہ پہنچی تو اس جگہ کا ایک چکر لگایا، اس کی سہیلیوں نے اس کے ساتھ چکر لگایا، ان کو وہاں کچھ نہ ملا، تو واپس ہوگئیں، میں نے وہ ٹکڑا پھر اس جگہ رکھ دیا، وہ چیونٹی دوبارہ پھر آئی تو اسے وہ ٹکڑا پھر دکھائی دیا، اس نے اسے اٹھانے کی کوشش کی لیکن اٹھا نہ سکی، وہ پھر واپس گئی اور ان کو بلا کر لائی، میں نے وہ ٹکڑا پھر اٹھالیا، وہ جب آئیں تو ان کو کچھ نہ ملا، وہ

چکر لگا کر واپس چلی گئیں، میں نے وہ ٹکڑا پھر اسی جگہ رکھ دیا، وہ چیونٹی پھر آئی، اس مرتبہ بھی اٹھانے کی کوشش کی اور جب نہ اٹھا سکی تو پھر ان کو بلا کر لائی، میں نے اس مرتبہ بھی اس وہاں سے اٹھالیا، جب وہ سب وہاں پہنچی تو ان کو کچھ بھی نہ ملا، تو انہوں نے ایک حلقہ کی شکل بنالی اور اس پہلی والی چیونٹی کو بیچ میں لیکر حملہ کر دیا، اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے، میں یہ منظر بہت تعجب سے دیکھتا رہا۔

اس کی عجیب وغریب عقلمندی کی دلیل یہ ہے جب وہ غلہ کے دانے اپنے بل میں لے جاتی ہے تو اسے توڑ دیتی ہے، تا کہ اگنے کی صلاحیت ختم ہو جائے، اور اگر دو ٹکڑے کرنے کے باوجود دانے میں روئیدگی ہونے لگتی ہے تو وہ اس کے چار ٹکڑے کر دیتی ہے، اگر جمع شدہ ذخیرہ میں تری یا نمی پیدا ہو جاتی ہے اور خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے تو گھر سے باہر نکال کر دھوپ دکھاتی ہیں اور پھر اسے اندر لے جاتی ہیں، اسی لیے تم نے کبھی دیکھا ہوگا کہ چیونٹی کے بلوں کے باہر بہت سارے دانے جمع رہتے ہیں اور جب تھوڑی دیر بعد لوٹ کر آتے ہو تو وہاں کچھ بھی نہیں ملتا۔

اس کی عقلمندی کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ وہ نشیبی علاقوں میں کبھی اپنا بل نہیں بناتی تا کہ سیلاب سے محفوظ رہے، اور غرق نہ ہو، اسی لیے آپ نے کبھی کسی چیونٹی کا بل وادی میں نہیں دیکھا ہوگا، بلکہ ہمیشہ بلندی پر اور ایسی جگہ پر ہی ہوگا جو سیلاب کے خطرہ سے محفوظ ہو۔

اس کی عقلمندی کے لیے صرف اتنا جاننا ہی کافی ہوگا کہ جب حضرت سلیمانؑ نے چیونٹیوں کو دیکھا تو اللہ تبارک وتعالی نے اپنی محکم کتاب میں صراحت فرمائی کہ ان میں سے ایک چیونٹی نے گفتگو کی تھی قرآن کریم میں ہے کہ اس نے کہا ”یأیها النمل ادخلوا مساکنکم لا یحطمنکم سلیمان وجنوده وهم لا یشعرون“ (اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ، کہیں سلیمان اور ان کا لشکر

تمہیں روند نہ ڈالے اور انہیں پتہ بھی نہ چلے) اس چیونٹی نے اس خطاب میں اسلوب نصیحت کی دس قسموں کا خیال رکھا (۱) نداء (۲) تنبیہ (۳) تسمیہ (۴) امر (۵) نص (۶) تحذیر (۷) تخصیص (۸) تفہیم (۹) تعمیم (۱۰) اعتذار۔

اسی لیے سلیمانؑ نے اس کی بات سن کر تبسم فرمایا اور اللہ تعالی سے دعاء کی، وہ ان کو اپنی نعمتوں کے شکریہ کی توفیق عطا فرماتا رہے، یہ ذکاوت ودانائی ایسی امت سے مستبعد نہیں جو اللہ تعالی کی تسبیح بیان کرتی ہو، صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک نبی نے ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا، تو ایک چیونٹی نے ان کو کاٹ لیا، تو انہوں نی وہاں سے کوچ کا حکم فرمایا، پھر انہوں نے چیونٹیوں کی اس بستی میں آگ لگا دی، تو اللہ تعالی نے ان کو تنبیہ فرمائی اور وحی نازل کی فرمایا کہ محض ایک چیونٹی کے کاٹنے کی وجہ سے تم نے ساری بستی میں آگ لگا دی اور ایک ایسی امت کو جلا ڈالا جو میری حمد وتسبیح بیان کر رہی تھی، اگر سزا ہی دینی تھی تو اس ایک چیونٹی کو کیوں نہ دی؟

لومڑی

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:۔

حیوانات میں عجیب وغریب ذکاوت ہوتی ہے، مثلا لومڑی کو جب غذا نہیں ملتی اور بھوک لگتی ہے، کوئی شکار بھی میسر نہیں ہوتا تو مردہ ہونے کی ایکٹنگ کرتی ہے حتی کہ اس کا پیٹ پھول جاتا ہے، اور اس صورت میں پرندہ اسے مردہ سمجھنے لگتے ہیں اور اس پر آکر بیٹھ جاتے ہیں جیسے پرندے اس پر بیٹھتے ہیں وہ حملہ کر دیتی ہے اور ان کو گرفت میں لے لیتی ہے۔

اسی طرح بڑی مکھی جسے اسد الذباب کہتے ہیں وہ بہت ذہین ہوتی ہے، آپ

نے دیکھا ہوگا کہ جب اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ مکھی اس کے قریب ہے تو وہ تھوڑی دیر کیلئے ساکت وصامت ہو جاتی ہے، یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ بے حس وحرکت مردہ ہو، مکھی کو یہ دیکھ کر جب اطمینان ہو جاتا ہے اور اس کی جانب سے غافل ہو جاتی ہے، تو وہ بڑی مکھی بہت چپکے سے دبے پاؤں آگے بڑھتی ہے یہاں تک کہ اس کے قریب پہنچ جاتی ہے اور پھر اس پر حملہ کرتی ہے اور پکڑ لیتی ہے۔

مکڑی بھی اللہ تعالی کی عجیب وغریب عقلمند مخلوق ہے، مکڑی اپنا جال شکار کے لیے بناتی ہے، اور اس جال میں شکار کی گھات میں چھپی رہتی ہے، لہٰذا جیسے ہی کوئی مچھر یا مکھی وغیرہ اس میں پھنس جاتی ہے فوراً اس پر چھلانگ لگا کر پکڑ لیتی ہے اور ان کا خون چوس لیتی ہے۔

چنانچہ یہ جال کے ذریعہ شکار کرنے میں شکاریوں کی طرح ہے اور لومڑی کتے چیتے اور شیر کی طرح شکار کرتی ہے، تو تم عبرت حاصل کرنے میں کسی شئے کو حقیر مت سمجھو، خواہ کوئی ذرہ یا مچھر ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ کبھی نفیس اور عمدہ مفہوم کسی شئے حقیر سے حاصل ہو جاتا ہے، کسی کمزور وناتواں مخلوق کو حقیر سمجھنا ان لوگوں کا شیوہ ہے جو قرآن کریم میں مکھی، مکڑی، کتے اور گدھے کی مثالوں کو بھی عجیب استنکار اور تعجب کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور ان کو ان مخلوقات کا تذکرہ اچھا نہیں معلوم ہوتا، ان کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا کہ ''إن الله لا يستحي أن يضرب مثلاً ما بعوضة فما فوقها''۔

ان حیوانات میں، جن کو تم اتنا کمزور وحقیر سمجھتے ہو، اللہ کی کیسی کیسی حکمتیں ہیں اور ان میں اللہ تعالی کی خالقیت اس کے الطاف وعنایات اور رحمت وحکمت کے کیسے کیسے دلائل موجود ہیں، تو ذرا پوچھو اس انسان سے جو اللہ تعالی کی حکمتوں کا منکر ہو کہ اللہ تعالی نے ان جانوروں میں جس شئی کو ان کی غذا بنایا،

ان کا شکار کرنے کی کیسی کیسی پر لطف تدبیریں سکھائیں ہیں، آخر وہ کون سی ذات ہے جس نے ان طاقتوں کے بدلہ جوان سے سلب کر لی ہے یہ تدبیریں سکھائیں، تو یہ تدبیریں اور حکمتیں مسلوبہ قوت وطاقت کا بدل بن گئیں، ظاہر ہے اللہ رب العزت کے سوا کوئی نہیں ہے۔(۸)

کلام کے نمونے

ذیل میں علامہ ابن قیمؒ کی تحریر کا ایک موثر نمونہ پیش کیا جاتا ہے جس میں شوق واشتیاق، محبوب کی راہ میں فدائیت وعشق ووارفتگی کا بیان اور اس کی جود وسخاء اور عطاء عمیم کا تذکرہ ہے، یہ عشق ووارفتگی کسی انسان سے نہیں بلکہ ذاتِ الٰہی سبحانہ وتقدس سے ہے، ابن قیم جہاد کی افضلیت اور ثواب کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

پھر اس کے بعد ان لوگوں سے جو مسلمانوں سے جنگ کریں لڑنا فرض کر دیا، البتہ ان لوگوں سے نہیں جو ان سے نہ لڑیں، ارشاد فرمایا ''وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم'' اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہوں، پھر ان پر تمام مشرکین سے لڑنا فرض کر دیا، حالانکہ اب تک حرام تھا، اس کے بعد جنگ کی اجازت ملی، پھر جنگ کا ان لوگوں کے حق میں حکم دیا گیا، جو ان سے آمادہ جنگ ہوں، پھر تمام مشرکین سے جنگ کرنا فرض کر دیا گیا، قتال یا تو ایک قول کے مطابق فرضِ عین ہے، یا مشہور قول کے مطابق فرض کفایہ ہے، اور سچ بات یہ ہے کہ جنس جہاد فرض عین ہے، خواہ یہ قلبی ہو یا قولی یا مالی، یا جسمانی کسی بھی صورت میں ادا کیا جائے، لہٰذا ہر مسمان پر فرض ہے کہ ان میں سے کسی صورت میں جہاد کرے، البتہ قتال بالنفس کی صورت فرض کفایہ ہے، اور جہاد بالمال کے سلسلہ میں دو قول ہیں، صحیح قول یہ ہے کہ واجب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد بالمال اور

جہاد بالنفس کو قرآن کریم میں ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے اور دونوں کا حکم یکساں ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے ''انفروا خفافا وثقالا وجاہدوا بأموالکم وأنفسکم فی سبیل اللہ، ذلکم خیر لکم إن کنتم تعلمون'' اور اسی پر نار جہنم سے نجات، گناہوں سے مغفرت اور دخول جنت کا مدار ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے: ''یا أیہا الذین آمنو ھل أدلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب ألیم، تؤمنون باللہ ورسولہ وتجاہدون فی سبیل اللہ بأموالکم وأنفسکم ذلکم خیر لکم إن کنتم تعلمون، یغفر لکم ذنوبکم ویدخلکم جنات تجری من تحتہا الأنہار ومساکن طیبۃ فی جنات عدن، ذلک الفوز العظیم'' اور ان کو یہ بتلا دیا کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کو اللہ تعالی نصرت اور فتح قریب عطا فرمائے گا، ارشاد ہوا، ''وأخری تحبونہا نصر من اللہ وفتح قریب'' یعنی تم کو ایک دوسری نعمت سے سرفراز کیا جائے گا اور اللہ کی نصرت اور فتح قریب، اور اس سے باخبر کیا کہ اللہ تعالی ان کی جان اور مال کو جنت کے عوض میں خرید لیا ہے، ارشاد ہوا ''إن اللہ اشتری من المؤمنین أنفسہم وأموالہم بأن لہم الجنۃ'' اور اس عقد اور معاہدہ الہی کو اللہ تعالی نے آسمانی کتابوں تورات وزبور اور انجیل اور قرآن میں سے سب سے محبوب کتاب قرآن کریم میں محفوظ کر دیا ہے، اور پھر ان کو یہ بتا کر اس معاہدہ کو اور بھی موکد کر دیا کہ اس کے مقابلہ میں عہد و پیمان کو زیادہ پورا کرنے والا کوئی نہیں، اور پھر اس کو اور موکد کیا کہ مومنین کو اس عقد وبیع وشراء پر جو ان کے اور اللہ کے درمیان ہوئی ہے خوش ہونا چاہئے اور بشارت قبول کرنی چاہئے، اور پھر مزید یہ بتایا کہ یہی عظیم کامیابی ہے۔

چنانچہ اپنے پروردگار کے ساتھ اس بیع وشراء کے انجام دینے والے کو غور کرنا چاہئے کہ واقعتاً کتنی عظیم الشان اور اہم ترین بیع وشراء اس نے کی ہے، کیونکہ اس بیع وشراء میں اللہ عزوجل مشتری ہے، اور ثمن جنت سرمدی ہے، اور

خوشنودی الٰہی کا حصول اور اس کا دیدار ہے، اور جس کے ہاتھ پر بیعت ہوئی ہے وہ رسولوں میں سب مکرم سب سے اشرف اور انسان وفرشتوں کے مقابلہ میں سب بہتر و برتر ہے، اور وہ شئے جس کا یہ مقام ہو ظاہرا سے کسی عظیم مقصد ہی کی خاطر تیار کیا گیا ہوگا۔

قد هيؤوك لأمر لو فطنت له

فاربأ بنفسك أن ترعى مع الهمل

انہوں نے کسی عظیم مقصد و مشن کی خاطر تمھارا ہی انتخاب کیا ہے کاش تم کو یہ سمجھ میں آجاتا، لہٰذا تمہیں سطحی اور ناکارہ لوگوں کے ساتھ رہنے اور ان کا طرز عمل اختیار کرنے سے بچنا چاہئے۔

محبت اور جنت کا مہر یہ ہے کہ نفس و مال کو نفس و مال کے اس مالک کی راہ میں خرچ کر دیا جائے، جو ان دونوں کو اہل ایمان سے خرید چکا ہے، کسی بزدل، ناقدر و معترض، تہی دست و بے بضاعت کا کیا جگر و حوصلہ کہ اس سودے کا مول تول کرے اور نہ اس کی ایسی کساد بازاری ہے کہ تنگ دست اس کو ادھار لینے کی خواہش کریں، یہ سودا قدر دانوں کے بازار میں فروخت کے لئے پیش کیا گیا تو اس کا مالک جان سے کم قیمت پر اس کو فروخت کرنے پر آمادہ نہیں ہوا، بیکار اور باتیں بنانے والے یہ سن کر پیچھے ہٹ گئے، اور عشاق یہ دیکھنے کے لئے آگے بڑھے کہ کس کی جان اس کی قیمت ہو سکتی ہے، سودا برابر گردش میں رہا اور آخر کار ان لوگوں کے ہاتھوں میں جا کر ٹھہر گیا جو مومنین کے حق میں نرم اور کافروں کے حق میں سخت تھے، جب محبت کے مدعیوں کی کثرت ہوئی تو دعوی کی صحت پر ان سے دلیل مانگی گئی، اس لیے کہ اگر ہر شخص کا دعوی تسلیم کر لیا جائے تو عاشق و مدعی میں اور غمزدہ اور بہروپئے میں کوئی فرق نہ رہ جائے، مدعیوں نے مختلف

قسم کی گواہیاں پیش کیں، کہا گیا کہ یہ دعوی ثبوت کے بغیر قبول نہیں کیا جاسکتا ''قل إن کنتم تحبون اللہ فاتبعوني یحببکم اللہ'' (آل عمران:۳۱) (اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا تمہارا محب بن جائے گا) یہ سن کر سب پیچھے ہٹ گئے، اور وہی لوگ اپنی جگہ پر قائم رہے، جو تمام اقوال وافعال، عادات واخلاق میں رسول کے سچے پیرو تھے، اب ان سے ثبوت کے صحیح ہونے کا مطالبہ کیا گیا اور کہا گیا کہ اس ثبوت کی صحت وعدالت اس وقت تک تسلیم نہیں کی جاسکتی جب تک کہ وہ لوگ اس کا تزکیہ اور تصدیق نہ کریں، جن کی شان میں ہے ''یجاہدون في سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم'' (بے شک اللہ تعالی مومنین سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید چکا ہے، اس قیمت پر کہ ان کو جنت ملے گی) اور جب بائع ومشتری میں بیع وشراء ہو جائے تو ایک کے لئے مال کی سپردگی اور دوسرے کے لئے قیمت کا حوالہ کرنا ضروری ہے، جب تاجروں نے خریدار کی عظمت وقیمت کی مقدار اور جس کے ہاتھ پر یہ سودا ہوا ہے، اس کی عظمت وشان اور اس کتاب کی حیثیت دیکھی جس میں کہ اس معاملہ کا ذکر ہے تو سمجھ گئے کہ یہ مال بڑی عظمت وشان والا ہے، اس وقت انہوں نے اس میں بڑا نقصان اور گھاٹا سمجھا کہ اس کو وہ اونے پونے چند ایسے سکوں میں بیچ ڈالیں، جن کی لذت فانی اور جن کی حسرت دائمی وباقی ہے، اس لئے ایسا کرنے والا بڑا نادان اور کوتاہ نظر ہے، اس وقت انہوں نے خریدار کے ساتھ اپنی رضا واختیار سے بغیر ثبوت خیار کے بیعت رضوان کا معاملہ کیا اور انہوں نے کہا کہ بخدا نہ ہم یہ قیمت واپس لیں گے اور نہ ہم اس سے اس بیع کو فسخ کرنے کی درخواست کریں گے جب یہ بیع وشراء مکمل ہوگئی اور انہوں نے جنس حوالہ کردی تو ان سے کہا گیا کہ تمہاری جانیں اور تمہارے مال ہمارے ہو چکے اور

ہم اب ان کو بہت بڑھا کر اور کئی گنا بنا کر تمہاری طرف واپس کرتے ہیں۔ ''ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ أمواتا بل أحیاء عند ربہم یرزقون'' (آل عمران:۱۶۹) (اور ان لوگوں کو جو اللہ کے راستہ میں مارے گئے مردہ تصور نہ کرو، وہ تو اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے) ہم تم سے تمہاری جانیں اور تمہارے مال نفع کی لالچ میں نہیں طلب کیے تھے، بلکہ ہمارے جود وکرم کا اظہار ہو کہ ہم کس طرح عیب دار چیز کو قبول کر کے اس پر بڑی سے بڑی قیمت دیتے ہیں، ہم تمہاری قیمت اور مال دونوں جمع کر دیے، اس موقع پر حضرت جابرؓ کا قصہ یاد کرو کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ خریدا پھر ان کو پوری پوری قیمت دی اور اس قیمت میں اضافہ کیا پھر وہ اونٹ بھی واپس دے دیا ان کے والد غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس معاملہ سے ان کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ اللہ تعالی نے ان کے والد کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کیا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خبر دی کہ اللہ تعالی نے ان کو زندہ کیا اور ان سے بلا حجاب گفتگو کی اور کہا کہ اے میرے بندے مجھ سے مانگ جو کچھ مانگنا ہے، خدا کے جود وکرم تک انسان کا علم کیا پہنچ سکتا ہے، اس نے مال بھی دیا قیمت بھی دی اور اس بیع وشراء کے معاملہ کے تکمیل کی توفیق بھی عطا فرمائی اور اس مال کو اس کے عیب ونقص کے باوجود قبول بھی فرمایا، اس پر بڑی سے بڑی قیمت عطا فرمائی اور اپنے بندے کو اس نے اپنے ہی دیے ہوئے مال سے خرید لیا اور پھر اس کی تعریف بھی کی اور باوجود اس کے کہ خود ہی توفیق دی تھی اس کی مدح فرمائی۔

تم اگر باہمت ہو تو آؤ اس لئے کہ شوق کے حدی خواں نے تمہیں مہمیز کر دیا ہے اور منزلیں طے کرو اور ان کی عظمت اور رضا کے منادی سے کہو جب تمہیں

بلائے کہ پورے ہزار بار لبیک اور ان کے سامنے کے کھنڈرات نہ دیکھو اس لئے کہ کھنڈرات دیکھو گے تو ہولناک بن جائیں گے اور سفر کے لئے بیٹھے ہوئے ساتھی کا انتظار نہ کرو اور اسے چھوڑ دو کیونکہ شوق تمہیں آمادۂ سفر کرنے کو کافی ہے اور ان سے ان کی طرف سامان سفر لو اور ہدایت اور محبت کے راستہ پر چل پڑو، تم منزل کو پہنچو گے اور ان کی یاد سے اپنی اداسی کو زندہ کرو جب تمہاری رکاب نزدیک ہو، اس لیے کہ یادِ محبوب تمہیں پھر سے سرگرم بنا دے گی اور اگر تھکان سے ڈرو تو اس سے کہو کہ تمہارے سامنے وصال کا گھاٹ ہے، گھاٹوں کو ڈھونڈو اور ان سے روشنی لو اور اس کی مدد سے سفر کرو اس لئے کہ ان کی روشنی تمہاری رہنمائی کے لیے شمعیں ہیں اور وادی اراک پر آؤ اور اس سے کہو ممکن ہے تم انہیں وہاں دیکھ لو اگر تم مانتے ہو، ورنہ وادی نعمان میں میرے پاس حسینوں کا ایک آشنا ہے تو ان سے طلب کرو اگر تم سائل ہو، ورنہ مزدلفہ میں اس کی رات میں اور اگر فوت ہو جائے تو پھر کب؟ اس کا برا ہو جو غافل رہ جائے اور ہمیشہ کے باغات پر آؤ کیونکہ وہ تمہارے اترنے کی بہترین منزلیں ہیں لیکن تمہیں دشمنوں نے قید کر لیا، اس لئے تم کھنڈرات پر رک کر منزلوں کو رو رہے ہو اور یوم مزید کو ہمیشہ کی جنت میں آؤ اور نفس کو خرچ کر دو اگر سخاوت کر سکتے ہو اور پرانے کھنڈرات کو چھوڑ دو کیونکہ وہ آرام کی جگہ نہیں، اسے پار کر جاؤ وہ منزل نہیں، نشانات مٹ گئے جس میں لوگ باری باری آتے رہے، تو اس میں کتنے قتل کئے ہوئے اور اس مخلوق کے کتنے قاتل ہیں اور ان سے دائیں راہ لو، اس راستہ پر محبوب کے وفد رات میں گئے ہیں اور کہو کہ اسے نفس تھوڑی دیر صبر سے مدد کر، اس لئے کہ ملنے کے وقت تھکان دور ہو جائے گی یہ ایک لمحہ ہے پھر گذر جائے گا اور غمزدہ خوش وشاداں ہو جائے گا۔ (۹)

خدا کے داعی نے خدا کی طرف اور دار السلام (جنت) کی طرف غیرت

مندوں اور عالی ہمتوں کو بلایا اور ایمان کے منادی نے کان رکھنے والوں کو سنایا اور ہر زندہ ضمیر کو گرمایا، جنت کے مسافروں اور رضائے الٰہی کے طالبوں میں ایک صدائے رحیل بلند ہوئی اور ایک ہنگامۂ رستخیز برپا ہو گیا اور لوگوں کو منزل پر پہنچے بغیر قرار نہ آیا اور کیوں نہ ہو؟ شاعر نے کہا ہے:

جان کی قیمت دیارِ عشق میں ہے کوئے دوست
اس نوید جانفزا سے سر وبالِ دوش ہے

حوالہ جات:

(۱)۔ البدایۃ والنہایۃ، ذیل طبقات الحنابلۃ، الدرر الکامنۃ، الوافی بالوفیات، شذرات الذہب، الرد الوافر، بغیۃ الدعاۃ، النجوم الزاہرۃ، البدر الطالع، جلاء العینین فی محاکمۃ الأحمدین، تاریخ دعوت وعزیمت مولفہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی۔

(۲)۔ البدایۃ والنہایۃ: ۱۴/۳۵۷۔

(۳)۔ البدایۃ والنہایۃ: ۱۴/۲۳۴-۲۳۵۔ تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ دوم: ۳۴۶۔

(۴)، ایضاً، ص: ۳۴۷۔

(۵)۔ ایضاً۔

(۶)۔ ایضاً، ص: ۳۴۹۔

(۷)۔ طب القلوب از ابن قیم الجوزیہ: ص: ۵۰، مطبوعہ دار القلم دمشق، ۲۰۰۱ء۔

(۸)۔ مفتاح دار السعادۃ: ۲۴۳-۲۴۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان۔

(۹)۔ زاد المعاد فی ھدی خیر العباد از ابن قیم جوزی بتحقیق شعیب ارناؤوط مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ، مکتب المنار الإسلامیۃ ۱۹۷۹ء: ۱۳-۷۷۔

شیخ شرف الدین یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ (۱)

۶۶۱ھ-۷۸۲ھ

احمد نام، شرف الدین لقب، والد کا نام شیخ یحی تھا، جو زبیر بن عبدالمطلب کی اولاد میں تھے، اس طرح آپ کا خاندان ہاشمی قریشی ہے، آپ کے پردادا مولانا محمد تاج فقیہ اپنے زمانہ کے بڑے علماء مشائخ میں سے تھے، الخلیل (شام) سے نقل سکونت کر کے بہار کے ایک قصبہ ''منیر'' میں قیام پذیر ہوئے، مورخین کا بیان ہے کہ شیخ یحی کی ہندوستان آمد سلطان شہاب الدین غوری (متوفی ۶۰۲ھ) میں ہوئی اور یہی شیخ معین الدین سجزی کا زمانہ بھی ہے جو قطب الدین ایبک کے زمانہ میں (متوفی ۶۰۷ھ) سجز سے ہندوستان وارد ہوئے، قطب الدین ایبک فاتح اجمیر و دہلی اور ہندوستان میں اسلامی حکومت کا بانی و موسس ہے، شیخ معین الدین چشتی نے اجمیر کو اپنا وطن بنایا، ہندوستان میں مسلمانوں کے استحکام و غلبہ کا سہرا انہیں کے سر بندھتا ہے، انہیں کے ربانی سلسلہ کی بدولت ہندوستان میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الندوی رقمطراز ہیں

> پانچویں صدی ہجری میں ہندوستان میں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا، سرزمین علم و ادب اور رشد و ہدایت کا مرکز بنا، عالم اسلام کے علماء و شرفاء اور مصلحین کا ملجا و مسکن بننے کی سعادت حاصل ہوئی، دور دراز کے اصحاب قلم جن کو ان کا وطن راس نہ آیا ہو اس نے ہندوستان میں سکونت اختیار کی ہزاروں علماء و فضلاء جو یورش تاتار کے سبب ترک وطن پر مجبور تھے ان کی آماجگاہ بنا۔

بہت سے اصحابِ دل اور بلند ہمت مجاہدین وداعیان کرام غیبی اشارات ومبشرات اور شوق جہاد اور اعلاء کلمہ اللہ کی نسبت سے ہندوستان آئے، جہاد اور دعوت کی سرگرمیاں بہت زور وشور سے ہوئیں اور ان مخلص داعیان کرام کے پاکیزہ اخلاق کی بدولت عجیب سرعت کے ساتھ مذہب اسلام سرزمین ہند میں پھیلا، سیکڑوں ہزاروں بت پرستوں نے اجمیر آکر حضرت خواجہ معین الدین چشتی (متوفی ۶۲۷ھ) کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا پنجاب اور قرب وجوار کا علاقہ شیخ اسماعیل لاہوری اور شیخ فرید الدین اجودھنی کے ہاتھوں مسلمان ہوا، پورا کشمیر سید علی ابن شہاب ہمدانی (متوفی ۷۸۶ھ) کے وجود کی برکت سے مشرف بہ اسلام ہوا۔

حکومت کے پہلو بہ پہلو اصحاب دین وصوفیان کرام کی حکومتیں قائم تھیں جو اثر ورسوخ میں سیاسی حکومت سے کہیں زیادہ مضبوط ومستحکم تھیں، یہ روحانی حکومتیں اصلاح وتربیت اور اخلاقی وروحانی امور میں آزاد وخود مختار تھیں، ان روحانی حکومتوں کے مشائخ کی حکومت لوگوں کے قلوب وارواح پر تھی، بارہا اس کا تجربہ ہوا کہ پورے ملک میں حکومت کرنے والے فرمانروا کے محل اور ان کے افراد خاندان اور ان کی اولاد کا اطالیق ومربی کوئی ایسا مرد صالح ہوتا جس کے پاس ایک وقت کا کھانا بھی نہ ہوتا جب کہ اس بادشاہ کے جانور بھی اس سے زیادہ شکم سیر ہوتے۔(۲)

خلق خدا کی ایک بڑی تعداد نے شیخ محمد تاج فقیہ سے استفادہ کیا اور بہت بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا، کچھ دنوں شیخ اپنے وطن ''الخلیل'' آگئے اور زندگی کے بقیہ ایام اپنے وطن ہی میں گزارے، لیکن ان کا خاندان ''منیر'' ہی میں مقیم رہا اور اسی کو اپنا وطن بنایا، شیخ احمد شرف الدین کے نانا شیخ شہاب الدین جگجوت سلسلے سہروردیہ کے ائمہ ومشائخ میں تھے، وہ اپنے وطن ''کاشغر'' سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے تھے، ریاست بہار کے پٹنہ کے قریب قیام کیا تھا، شیخ جگجوتؒ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مسترشدین میں سے تھے، زہد وورع،

استقامت وراستی میں ان کی مثال دی جاتی ہے، وہ جگجوت کے لقب سے مشہور ہوئے، جگ جوت یعنی آفتاب عالم تاب، نسب کے اعتبار سے انکا تعلق سادات حسینیہ سے تھا، اسی لیے شیخ احمد شرف الدین کا ننہالی سلسلہ نسب حضرت حسینؓ پر منتہی ہوتا ہے۔

ولادت اور ابتدائی تعلیم

شیخ شرف الدین منیر (۳) میں ۶۶۱ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی کتابیں گاؤں کے مکتب میں پڑھیں، پھر حصول علم کے لیے انہوں نے اسفار کیے اور وقت کے بعض مشائخ کے سامنے زانوئے تلمیذ تہ کیا، آپ کے مشہور اساتذہ میں شیخ شرف الدین ابوتوامہ ہیں جو سلطان شمس الدین التمش کے عہد کے بڑے عالم، علم وتربیت کے قطب دوراں اور علماء کے مرجع تھے، کچھ دنوں ان کی خدمت وہم رکابی میں رہے، ان کے علم وفضل اور صلاح وتقوی سے بہت متاثر ہوئے، شیخ شرف الدین اپنی کتاب ''خوان نعمت'' میں اپنے استاذ کے متعلق اپنے تأثر کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں کہ:۔

> مولانا شرف الدین ابوتوامہ ایسے عالم تھے کہ تمام ہندوستان میں ان کی طرف اشارہ کیا جاتا تھا اور علم میں انکا کوئی ہمسر نہ تھا۔

شیخ شرف الدین یحی ہمہ تن حصول علم اور مطالعہ میں منہمک ہوگئے اور ہر طرف سے یکسو ہوکر حصول علم پر توجہ دی، ان کے علمی شغف کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے کھانے کا وقت مقرر کر رکھا تھا، علمی انہماک اور وقت کی قدر میں شیخ یحی لیثیؒ شاگرد امام مالکؒ ابن انسؒ کے مماثل تھے جو سبق چھوڑ کر دیگر طلبہ کے ساتھ ہاتھی دیکھنے نہیں گئے، ابن خلکان کی وفیات الأعیان میں ہے کہ شیخ یحی لیثیؒ ایک مرتبہ رفقائے درس کے ساتھ امام مالک کے درس میں شریک تھے کہ کسی نے آکر خبر دی کہ مدینہ میں ہاتھی آیا ہے، امام مالک کے تمام شاگرد سوائے یحی ابن لیث کے ہاتھی دیکھنے چلے گئے، امام مالک جب تشریف لائے تو

پوچھا کہ یحی تم ہاتھی دیکھنے کیوں نہیں گئے؟ تمہارے اندلس میں بھی تو ہاتھی نہیں ہوتا، یحی ابن لیثؒ نے جواب دیا: استاذ محترم میں اپنے وطن سے یہاں کے علم وعمل اور آپ کے طریقہ سے مستفید ہونے آیا ہوں، ہاتھی دیکھنے نہیں آیا، امام مالک کو یہ جواب بہت پسند آیا اور ان کا نام عاقل الاندلس رکھ دیا۔ (۴)

شیخ شرف الدین یحیٰؒ ایام طالب علمی میں وطن سے آنے والے خطوط ورسائل بھی نہیں پڑھتے تھے تاکہ گھر کے حالات جان کر طبیعت میں انتشار اور تشویش نہ پیدا ہو اور حصول مقصد میں خلل واقع نہ ہو، ان خطوط کو ایک خریطہ میں ڈالتے جاتے تھے، ان کے استاذ کو ان کا علم سے شغف اور زاہدانہ زندگی بہت پسند آئی اور صاحبزادی سے شیخ شرف الدین کا نکاح کر دیا۔

شیخ شرف الدین نے شادی کے بعد ''سنارگاؤں'' میں جو ان کے استاذ شیخ ابوتوامہ کا مستقر تھا، کچھ دنوں قیام کیا، اپنی والدہ کی وفات کا حال جان کر استاذ سے ۶۹۰ھ میں وطن کی طرف واپسی کی اجازت طلب کی، شیخ شرف الدین یحی کو صرف علم ظاہر کے حصول پر تشفی نہ ہوئی تو اپنی والدہ سے تربیت وتزکیہ کے ارادہ سے دہلی جانے کی جازت چاہی، اس سفر میں ان کے ساتھ ان کے حقیقی بھائی شیخ جلال الدین ہمراہ تھے، اس وقت کا زمانہ مشائخ اور جلیل القدر ربانی علماء سے معمور تھا، دہلی اس وقت دینی اور سیاسی مرکز بنا ہوا تھا، شیخ نظام الدین اولیاء اس وقت دہلی کے سلطان المشائخ تھے، آپ نے ان کی خدمت میں حاضری دی، دونوں کے درمیان علمی اور دینی گفتگو بھی ہوئی، حضرت خواجہ نے ان کا خوب اعجاز واکرام فرمایا اور کہا کہ یہ ایک شاہین بلند پرواز ہے، لیکن ہمارے جال کی قسمت میں نہیں کہ اس کا شکار کر سکے، شیخ بھی دہلی سے پانی پت آئے، شیخ ابوعلی قلندر کی خدمت میں حاضر ہوئے، اپنے علم وفراست کی روشنی میں شیخ بوعلی قلندر کے بارے میں انہوں نے کہا کہ یہ بہت بڑے شیخ ہیں، لیکن مغلوب الحال

ہیں، دوسروں کی تربیت نہیں کر سکتے، وہاں بھی جب اپنا مقصد نہیں پایا تو شیخ نجیب الدین فردوسی (۵) کا رخ کیا اور ان کے ذوق نے شیخ فردوسی کی صحبت کو قبول کرلیا اور وہاں رہنے اور ان کے فیوض سے مستفید ہونے کا پختہ ارادہ کرلیا، ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسی وقت اجازت دیکر رخصت فرمایا، اس وجہ سے کہ شیخ نے اپنی فراست سے یہ محسوس کرلیا تھا کہ ان کو درجۂ کمال حاصل ہے اور یہ ارشاد واصلاح کے اہل ہیں۔

سلسلہ فردوسیہ کے بانی شیخ نجم الدین کبری ہیں، اس سلسلہ کی صفت غالب توحید تھی، اس سلسلہ کے تمام منتسبین میں توحید اور اتباع سنت کا عنصر غالب نظر آتا ہے، شیخ امیر الدین سید قطب الدین محمد مدنی متوفی ۶۷۷ھ (۶) اور شیخ علی ہمدانی (۷) اس سلسلہ سے وابستہ تھے۔

شیخ نجیب الدین فردوسیؒ سے روحانی تربیت کی اجازت حاصل کرنے اور اپنے استاذ سے تعلیم وتربیت کی سند لینے کے بعد وہ ریاضت ومجاہدہ اور نفس کی تربیت میں ہمہ تن مصروف ہوگئے، بندگانِ خدا سے کلی انقطاع کی راہ اختیار کرلی، تقریباً چودہ سال تک ہر طرف سے یکسو ہوکر عبادت وریاضت میں مصروف رہے، صرف نماز ہی کے لیے باہر آتے، انہوں نے اپنی اس حالت کا خود ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:۔

> جب میں شیخ نجیب الدین قردوسی کے یہاں سے نکلا تو مجھ پر عجیب غم اندوہ اور بے زاری کی کیفیت طاری تھی اور طبیعت میں ایسا حزن وغم بیٹھ گیا جو دن بدن بڑھتا ہی رہا۔

اس کیفیت کے غالب آجانے کے بعد لوگوں کے ساتھ اختلاط چھوڑ دیا اور راجگیر کے خوف ناک جنگل میں چلے گئے اور کافی لمبا وقت غاروں اور پہاڑوں میں بسر کیا، لوگ ان کو اس جنگل میں ڈھونڈنے جاتے، شیخ نظام الدین اولیاء کے ایک مسترشد شیخ نظام الدین ملقب نظام مولی بھی ہیں، اس وقت جنگل میں ہندو جوگی بھی جابجا خلوت

نشیں تھے، شیخ ان سے ملاقات کرتے اور ان کے سامنے اسلام پیش کرتے، آپ نے ایک مرتبہ اپنے مرید قاضی جابر سے فرمایا کہ میں نے جو ریاضتیں کی ہیں، اگر پہاڑ کرتا تو پانی ہو جاتا، لیکن شرف الدین کو کچھ نہ ہوا، شیخ کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان ریاضتوں اور محنت شاقہ پر زیادہ مطمئن نہیں تھے۔

۷۲۱ھ میں بعض مشائخ اور تلامذہ نے جو وقتاً فوقتاً جنگل ان کے پاس آتے تھے، ان کو اس بات پر مجبور کیا کہ جنگل کے پاس کی جگہ منتقل ہو جائیں، شیخ کے معتقدین نے ان کے لیے دو چھپر ڈال کر ایک کمرہ بنا دیا، سلطان محمد تغلق جب اپنے باپ کی موت کے بعد مسند آرائے سلطنت ہوا، تو ریاست بہار کے صوبہ دار مجد الملک کو ان کی خدمت میں ایک مصلائے بلغاری کے ساتھ بھیجا اور حکم دیا کہ شیخ کے لیے ایک خانقاہ تعمیر کی جائے اور پرگنہ راجگیر فقرائے خانقاہ کے خرچ کے لیے ان کے حوالہ کیا جائے، اگر وہ قبول نہ کریں تو زبردستی قبول کرایا جائے، شیخ نے بادل ناخواستہ اور کشمکش اور ٹکراؤ سے بچنے کے لیے اس کو قبول فرما لیا اور پھر شیخ اس خانقاہ میں منتقل ہو گئے، اپنے معتقدین و مریدین سے فرمایا کرتے تھے کہ اس خانقاہ میں منتقل ہونے کے لیے تم لوگوں نے مجھے مجبور کیا ہے۔

اس نئی عمارت میں منتقل ہونے کے بعد اپنے مریدین سے فرمایا کہ:۔

> میں اس مقام کے لائق نہیں، یہ منزل اور مقام تمہارا ہے، میں تو مجد الملک کی حکم کی تعمیل کرتا ہوں کہ اطاعت اولی الامر سے چارہ نہیں ہے، اور یہاں جو کچھ ہے فقیروں پر صدقہ ہے، میں تو اسلام ہی کے لائق نہیں، چہ جائیکہ مصلیٰ کے لائق کیا ہوتا۔

شیخ کے مسترشدین میں سے کسی نے جواب دیا کہ مخدوم! تم کو خانقاہ اور مصلیٰ کی وجہ سے کون پہچانتا ہے؟ تم کو جو پہچانتا ہے حق کی وجہ سے پہچانتا ہے، ہم لوگ یہاں صرف آپ کی قوتِ باطن اور آپ کے طفیل سے آئے ہیں، یہاں آپ کی برکت سے اسلام ظاہر ہوگا اور قوت پکڑے گا۔

شیخ کے یہاں منتقل ہونے کے بعد حقیقی معنوں میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا، کثرت سے لوگوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا، ہزاروں بندگان خدا نے آپ کی ہدایت وارشاد سے فیض اٹھایا، شیخ حسین معز شمس بلخی کے بقول اس عرصے میں ایک لاکھ سے زائد انسان آپ کے حلقے ارادت میں داخل ہوئے اور ان کی زندگیاں بدل گئیں، بعض اقوال کے مطابق کم سے کم تین سو آدمی عارف کامل اور واصل بحق ہوئے، متعدد ہندو فقیروں اور مرتاض جوگیوں نے اپنے متبعین اور تلامذہ کے ساتھ اسلام قبول کیا۔

ارشاد و تربیت کا بہت بڑا ذریعہ آپ کی وہ مجلسیں تھیں جن میں ہر طبقے اور ہر عقیدے کے آدمی کو حاضر ہونے کی اجازت تھی، ان کے مواعظ وارشاد میں وہی تاثیر تھی جو شیخ عبدالرحمٰن ابن جوزی کے کلام میں تھی، ان کے مواعظ سن کر حاضرین مجلس اپنے گناہوں سے توبہ کرتے، بڑے بڑے سنگدل اور فاسق وفاجر لوگوں کا دل بھی موم ہوجاتا، ان مجالس کا کوئی مستقل ومتعین موضوع نہیں ہوتا تھا؛ بلکہ جو کچھ اللہ تعالی آپ کے دل میں ڈالتا ارشاد فرماتے، ان کا کلام مثلِ آبشار تھا کہ روانی سے بہتا رہتا۔

کلام ومواعظ

شیخ شرف الدین یحی منیری کے کلام کی تین قسمیں ہیں:۔

(۱) مواعظ (۲) مجلس کی وہ گفتگو جس میں تمام طبقات کے لوگ شریک ہوتے، وہ بھی ہوتے جن کے ذہنوں میں شکوک وشبہات اور دلوں میں وساوس ہوتے، وہ شیخ سے سوال کرتے اور شیخ تشفی بخش انداز میں جواب دیتے جس سے سائل کو شرحِ صدر ہوجاتا، ان مجالس کا کوئی مستقل ومتعین موضوع اور ان کی گفتگو کوئی مسلسل درس کی سی حیثیت نہیں رکھی تھی یا اساتذہ اور شیوخ کی طرح لمبی تقریریں نہ ہوتیں کہ سامع ان کو غور سے سنے، بلکہ لوگ مسائل پیش کرتے یا کبھی تو شیخ منیری کسی موضوع پر گفتگو شروع فرماتے، چنانچہ یہ

مجلس علم ومعرفت اور تربیتی واصلاحی بیانات پر مشتمل ہوتی اور ان میں تصوف واتقان کے بڑے گہرے معارف وحقائق اور دقیق نکات والطاف موجود ہوتے، شیخ زین بدر عربی جو آپ کے ملفوظات کے جامع ہیں، ''معدن المعانی'' کے خطبے میں لکھتے ہیں کہ:۔

> ہر مجلس میں لوگ ان کے سامنے احسان وسلوک، تزکیہ وطریقت کے بارے میں کوئی سوال یا شریعت کی کسی تعلیم کی وضاحت کی درخواست کرتے اور معرفت کے اسرار ورموز سننا چاہتے تھے، حضرت مخدوم ہر سائل کو جواب شافی مرحمت فرماتے اور بڑے دلپذیر انداز میں اس کی تشفی کرتے، آپ کے ارشادات بڑے لطیف نکات اور بڑے قیمتی فوائد ولطائف پر مشتمل ہوتے اور ہر سائل اور سوال کے حسب حال ایسی تقریر فرماتے کہ اس سے ایسا ذوق پیدا ہوتا جو الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتا اور ایسے مقامات کا پتہ چلتا جن کی اس محدود عالم محسوسات میں گنجائش نہیں۔(۹)

اور کبھی ان کی مجلس میں کوئی دینی کتاب پڑھی جاتی اور شیخ منیری موضوع کی مناسبت اور ہر شخص کے معیار ومستوی کے اعتبار سے شرح وتفسیر کرتے، کبھی فقہ، اصول حدیث اور تفسیر واحسان کے موضوع پر دقیق علمی کلام فرماتے کہ علماء بھی مستفید ہوتے۔

آپ کے کلام کی دوسری قسم وہ رسائل ومکتوبات ہیں جو انہوں نے اپنے تلامذہ ومریدین اور مسترشدین کو لکھے ہیں، آپ کے موثر رسائل کی نظیر پورے اسلامی کتب خانہ میں سوائے امام احمد سرہندی کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتی، یہ رسائل اپنے ادبی اثر آفرین اور دلکش اسلوب کے اعتبار سے ممتاز ہیں، ان کا دوسرا امتیاز تحقیقات کی ندرت اور شرعی لطائف ودرانگیز نکات ومعارف ہیں، یہ رسائل فارسی زبان میں ہیں، اپنی تاثیر، ادب وانشاء کی قوت، برجستگی اور زندگی کے لحاظ سے پورے فارسی ادبیات میں کم کتابیں اس پایہ کی ہوں گی، آج بھی ان رسائل میں انسانی دل کی تسخیر کی عجیب وغریب

تاثیر پائی جاتی ہے، باوجود یہ کہ یہ رسائل بہت پہلے لکھے گئے تھے، لیکن اس سب کے باوجود ان میں تاثیر و جاذبیت ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والے نے ابھی لکھا ہے، ان رسائل کی شرحیں بھی لکھی گئی ہیں، بعض کلمات تو تیر بہ ہدف معلوم ہوتے ہیں جن کا اثر براہِ راست دل پر پڑتا ہے اور الفاظ تیر و نشتر کی طرح دل کے پار ہو جاتے ہیں۔(۱۰)

آپ کے کلام کی تیسری قسم مستقل تصنیفات ہیں، تصنیفات میں بعض علمی موضوعات پر ہیں، بعض کا موضوع معرفتِ الٰہی، تربیت و تزکیۂ نفس اور دل کی کمزوریوں اور ان کا علاج ہے۔

خصوصیات: فنائیت

آپ کی سب سے نمایاں صفت جو آپ کا مزاج و مذاق بن گئی تھی اور جس کے بارے میں آپ بالکل بے اختیار تھے، وہ صفت نیستی اور فنائیت ہے جو مجاہدہ و ریاضت کے اعلیٰ ترین ثمرات اور سالک طریق کے بلند ترین کمالات میں سے ہے، صاحب ''مناقب الاصفیاء'' لکھتے ہیں کہ:۔

> ایک موقع پر مشائخ عصر جمع تھے، ہر ایک نے اپنی اپنی تمنا کا ذکر کیا، جب آپ کی باری آئی تو فرمایا کہ میری آرزو یہ ہے نہ اس دنیا میں میرا نام و نشان رہے اور نہ اس دنیا میں۔(۱۱)

ایک موقع پر اپنی بے نفسی کا اظہار اس طرح فرمایا کہ:۔

> میں شیطان کی تلبیسات کا اسیر ہوں، نہ خود کی خبر ہے اور نہ اسلام کا مجھ پر کچھ اثر ہے۔

اس سلسلہ میں آپ پورے طور پر حدیث نبوی کے مصداق تھے۔

اپنی حالت پر ہر وقت افسوس و ندامت کا اظہار فرماتے، اپنی کوتاہیوں پر

افسوس کرتے، خوف وخشیت کا ہر وقت آپ کے چہرے سے اظہار ہوتا، ایک مجلس میں فرمایا کہ:۔

عارفین کا قول ہے کہ خدا قسم پھر خدا کی قسم، خداوند تعالی کو اپنے آپ پر رونے کی آواز سے زیادہ کوئی آواز پیاری نہیں ہے، پس آج اس راہ کے سالکین اور دین کے پیشواؤں کو حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے اسوہ کو سیکھنا چاہئے، اے بھائی جو کوئی ہر لحظہ اپنے آپ پر اور اپنے اعمال بد پر ماتم اور آہ وفغاں نہیں کرتا، وہ قیامت سے غافل ہے اور ایک مردار ہے جس کا دل حسرتوں سے بھرا ہوا ہے، یہ کیا چھوٹی خواہشات ہیں کہ آج ہر سر میں ان کا سودا ہے، ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ دنیاوی جاہ جلال ہونا چاہئے اور ہمارے احکامِ امر ونہی کا نفاذ ہونا چاہئے اور دنیا کی ناز ونعمت ہونی چاہئے اور عزت وجاہ ہونی چاہئے اور اس کا ہمیشہ اظہار ہونا چاہئے اور پھر اس سب کے ساتھ خداوند تعالی کے ساتھ آشنائی بھی ہونی چاہئے، خدا کی قسم یہ ناممکن ہے۔(۱۲)

ایک دوسرے رسالہ میں ظاہر وباطن اور قول وعمل کے تضاد پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

جبکہ تو اپنے یا اپنے مولی کے دروازہ پر حلقہ زن ہے اور اس دروازہ پر آ گیا ہے تو مٹی کو مٹی اور تمام دعاوی سے پاک وصاف ہو جانا چاہئے، اگر تو ہزاروں شاہانہ تاج بھی اپنے سر پر رکھے ہوئے ہو، لیکن جو خاک کی اصلیت ہے یعنی ''چہرہ گدائی'' اور ''رنگ بے نوائی'' اس کو تو کیا کرے گا، گرد جو اوپر ہی اوپر بیٹھ جایا کرتی ہے، پانی سے دھل جایا کرتی ہے، لیکن اصل رنگ وروپ پانی سے دھل نہیں سکتا۔(۱۳)

ایک خط میں لکھتے ہیں:

میں دنیا کی محبت میں اسیر ہوں، خواہشاتِ نفس اور عادات واطوار کا غلام ہوں، لذتیں مجھ پر حاوی ہیں، حرص وہوس اور شہوت پرستی کا مجھ پر غلبہ ہے،

ایسی صورت میں بھلا کس منہ سے بندۂ خدا ہونے کا دعوی کر سکتا ہوں، ایسی حالت میں توحید کا دعوی ایک جرأت بیجا سے زیادہ کچھ نہیں۔ (۱۴)

اس غلبہ حال کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ خلق خدا کی مدح وذم سے متاثر نہیں ہوتے تھے، ایک مکتوب میں فرماتے ہیں اور درحقیقت اپنا ہی واقعہ سناتے ہیں کہ:۔

اہل عرفان کو مخلوق کی تعریف وثنا اور ہجو وتردید سے بھلا کیا نقصان؟ کہ ان کے نزدیک تو مخلوق کی ہجو وثنا برابر ہے، اچھا وہ نہیں جو مخلوق کے نزدیک اچھا ہے اور برا وہ نہیں جو مخلوق کے نزدیک برا ہے، بلکہ ممدوح وہی ہے جو حق تعالی کا ممدوح ہے اور مذموم وہی ہے جو حق تعالی کا مذموم ہے۔ (۱۵)

اسی لیے اگر چہ آپ سے کرامات اور خوارق کثرت سے سرزد ہوتے تھے، لیکن وہ اسکا تذکرہ پسند نہیں کرتے تھے اور نہ ہی اولیاء عظام کے تذکرے میں جو اکرامات ذکر کی جاتی ہیں انہیں پسند کرتے تھے، ان سے ظاہر ہونے والی کرامتوں کی تعبیر وشرح کرلیا کرتے تھے، صاحب مناقب الاصفیاء لکھتے ہیں کہ:۔

ان سے بکثرت کرامات کا صدور ہوتا لیکن ان کو اظہارِ کرامات سے بڑا تنفر تھا چنانچہ اگر کوئی کرامت ظاہر ہوتی تو انتہائی بے بسی کا اظہار کرتے، حالانکہ یہ زمانہ وہ تھا جس میں کرامات اور خواق کے صدور کو علوِ مرتبت کی دلیل سمجھا جاتا تھا اور عوام انھیں کو خدا رسیدگی اور برگزیدگی کی علامت سمجھتے تھے جن سے کرامات کا صدور ہو۔

بلند اخلاقی

شیخ شرف الدین کی ایک نمایاں خصوصیت سیرت ونبی اخلاق کی اتباع ہے اور وہ سیرت کے سانچے میں ڈھلنا بہت ضروری سمجھتے تھے، ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:۔

اصل اخلاق یہ ہے جو کہ طریقت میں اہلِ علم کا شعار بن گیا ہے کہ وہ

اپنے احوال میں شریعت کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے اخلاق کو سنت کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور جو شریعت کی تحقیق نہیں کرتے اسے طریقت (تصوف) سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔(۱۶)

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

جو کوئی شریعت کی پیروی میں جتنا راسخ زیادہ ہے اتنا ہی خوش خلق زیادہ ہے، اور جو جتنا خوش خلق زیادہ ہے بارگاہ خداوند تعالی کا محبوب زیادہ ہے جبکہ اچھے اخلاق آدم علیہ السلام کی میراث اور خداوند عالم کا عطا کردہ تحفہ ہے، پس لازماً مومن کے لیے اچھے اخلاق سے بڑھ کر کوئی اور اچھا طریقہ اور کوئی زیب وزینت کی چیز نہیں ہے اور اچھے اخلاق کی حقیقت خداوند تعالی کے احکام کی بجا آوری اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی کرنا ہے کیونکہ سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوت والسلام کے تمام افعال وحرکات ہمیشہ (خلق وخالق کے نزدیک) پسندیدہ رہے ہیں اور جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے اسے چاہئے کہ اپنی زندگی اس طرح گزارے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ سلم نے گزاری ہے۔(۱۷)

آپ کے حالات اور آپ کی سیرت بتاتی ہے کہ آپ نے ان اخلاق میں بھی کامل اتباع نبوی کی پوری پوری کوشش کی اور آپ کے اخلاق، خلق خدا کے ساتھ برتاؤ، اس کے حال پر رحمت وشفقت، مخلوق کے عیوب کی پردہ پوشی اور بندگان خدا کی دلجوئی ولداری میں آپ صاحبِ خلق عظیم کے ایک متبع اور اخلاق نبوی کا نمونہ تھے۔

تصنیفات

شیخ شرف الدین یحی منیریؒ کا شمار کثیر التصنیف بزرگوں میں ہوتا ہے، آپ کی مشہور کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) راحۃ القلوب (۲) ارشاد الطالبین (۳) ارشاد السالکین (۴) رسالۃ مکیۃ (۵) معدن المعانی (۶) لطائف المعانی (۷) اشارات مخ المعانی (۸) خون برنعمت (۹) تحفہ غیبی (۱۰) رسالۃ در طلب سالکان (۱۱) ملفوظات (۱۲) زادسفر (۱۳) عقائد شرفی (۱۴) فوائد مریدین (۱۵) بحر المعانی (۱۶) صفر المظفر (۱۷) کنز المعانی (۱۸) کنز لایفنی (۱۹) مونس المریدین (۲۰) شرح آداب المریدین۔

مکتوبات

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ شرف الدین یحی منیریؒ کے مکتوبات اور ان کا علمی اور ادبی پایہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

> حضرت مخدومؒ کی زندہ یادگار اور ان کے علوم وکمالات کا آئینہ ان کے مکتوبات کا وہ نادر مجموعہ ہے، جو نہ صرف اس عصر کی تصنیفات میں؛ بلکہ معارف وحقائق کے پورے اسلامی ذخیرہ میں خاص امتیاز رکھتا ہے، علم کی گہرائی، تحقیقات کی ندرت، مشکلات کی عقدہ کشائی، ذاتی تجربات، اذواق صحیحہ، مجتہدانہ علم ونظر، کتاب وسنت کے صحیح وعمیق فہم، مقام نبوت کی حرمت وعظمت کے بیان، شریعت کی حمایت اور وجدانگیز نکات اور شرعی لطائف کے اعتبار سے (ہمارے محدود علم میں) پورے اسلامی کتب خانہ میں حضرت مخدومؒ کے مکاتیب اور مکتوبات امام ربانی کی نظیر نظر نہیں آتی، ان مکاتیب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ امت محمدیہ کے محققین وعارفین کے علم وفکر کی رسائی کن بلندیوں تک ہے اور انہوں نے معرفت الٰہی، ایمان ویقین، مشاہدۂ ادراک، تصفیہ قلب وتزکیہ نفس، روح کی لطافت وذکاوت، اخلاق کی باریکیوں اور نفس انسانی کی کمزوریوں اور غلطیوں کے دریافت میں کہاں تک ترقیات وفتوحات

حاصل کیں اوران کی ذکاوت اورقوتِ فکریہ کے طائر بلند پرواز نے کن کن بلند شاخوں پراپنا نشیمن بنایااورکن کن فضاؤں میں پرواز کی۔

علوم ومعارف کے علاوہ یہ مکاتیب زورقلم،قوت بیانی اورحسنِ انشاء کا بھی اعلیٰ نمونہ ہیں اوران کے بہت سے ٹکڑے اس قابل ہیں کہ دنیا کے بہترین ادبی نمونوں میں شامل اور''ادب عالی'' میں شمار کئے جائیں۔(۱۸)

مکتوبات کے چند نمونے: دریائے رحمت کا جوش

ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

میرے بھائی جب اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں کرامت ومغفرت کی موج اٹھتی ہے تو تمام لغزشیں اورمعاصی معدوم وفنا ہوجاتے ہیں اورسب عیب ہنر بن جاتے ہیں،اس لیے کہ ذلت ومعصیت حادث اور فانی ہے اور رحمت حق لم یزلی،حادث وفانی ابدی اورلم یزلی کا کیا مقابلہ کرسکتے ہیں،اس مشت خاک کا سارا دارمدار رحمت ہی پر ہے،ورنہ ہمارے اس وجود کی یہ سیاہ گلیم اور ہماری خاک ناپاک کے اس ذرہ کا کیا حوصلہ تھا کہ مالک الملک کے حاشیہ بساط پر قدم رکھتا۔(۱۹)

صلائے عام

ایک مکتوب میں مکتوب الیہ کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے اور اصلاح حال اور خدا کی رحمت کا شوق دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

دروازۂ کرم کھلا ہوا ہے اوردسترخوان لگا ہوا ہے،جلدی کرو اوراپنے کو پالو اے بھائی بشر کیا بشر کی طلب کیا؟ لیکن کرم بے نہایت نہ آقا کو چھوڑتا ہے نہ غلام کو،نہ غنی کو نہ فقیر کو،جس طرح کہ آفتاب جب اپنے برج سے طلوع کرتا ہے اگر اہل عالم کمر ہمت باندھ لیں کہ اس کے نور کا ایک ذرہ اپنے ہاتھ میں لے

لیں اس پر وہ قادر نہیں، لیکن وہ خود اپنی سخاوت وفیض عام کی بنا پر جس طرح کوشک سلطانی پر اور سرائے امراء پر چمکتا ہے، فقیروں اور بے نواؤں کے معمولی گھروں اور جھونپڑیوں کو بھی روشن کرتا ہے، تم خاک اور آب کو مت دیکھو، اس دولت واقبال کو دیکھو کہ ''یحبھم و یحبونہ'' ارشاد ہے، ایک جگہ فرماتا ہے ''اللہ ولی الذین آمنوا'' دوسری جگہ فرماتا ہے ''و سقاھم ربھم''، مقرب فرشتے کو بھی یہ عزت وخلعت حاصل نہیں جو تم کو حاصل ہے، ملائکہ مقرب ہیں، معصوم ہیں، پاک ہیں، مقدس ہیں، بڑی تسبیح وتقدیس کرنے والے اور بڑے روحانی ہیں، لیکن آب وگل کا معاملہ ہی دوسرا ہے۔ (۲۰)

امانت محبت

ایک مکتوب میں انسان کی محبوبیت اور اختصاص کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

دوسری مخلوقات کو محبت سے کوئی سروکار نہ تھا کہ وہ ہمت بلند نہیں رکھتی تھیں، ملائکہ کے کام میں جو تم کو یکسانی اور یک رنگی نظر آتی ہے، وہ اس وجہ سے ہے کہ وہ حدیثِ محبت کے مخاطب نہیں، اور یہ جو آدمیوں کے راستے میں نشیب وفراز نظر آتے ہیں وہ اس وجہ سے کہ ان کے ساتھ محبت کا معاملہ ہے، پس جس کے مشام جاں تک محبت کی خوشبو پہنچی اس کو چاہئے کہ سلامتی کو سلام کرے اور خود کو وداع، کہ محبت کسی چیز کی روادار نہیں، شاعر نے کہا ہے:۔

عشق تو مرا چنیں خراباتی کرد
ورنے بسلامت وبساماں بودم

جب آدم علیہ السلام کی قسمت واقبال کا ستارہ بلند ہوا تو کائنات میں ایک تلاطم برپا ہوا، کہنے والوں نے کہا کہ اتنے ہزار سال کی ہماری تسبیح وتہلیل کو نظر انداز

کیا گیا اور خاک کے پتلے آدم کو فرفراز کیا گیا اور ہم پر ترجیح دی گئی، آواز آئی کہ ''تم اس خاکی کی صورت کو مت دیکھو، اس کے پاک جوہر کو دیکھو جو ان کے اندر ودیعت ہے، ''یحبھم ویحبونہ'' محبت کی آگ ان کے دلوں میں لگائی گئی ہے۔(۲۱)

دل آگاہ

دل کے متعلق فرماتے ہیں:۔

عرش پیدا کیا، مقربین کے سپرد کیا، بہشت پیدا کی، رضوان کو اس کا پاسبان بنایا اور دوزخ پیدا کی مالک کو اس کا دربان بنایا، لیکن جب مومن کا دل پیدا کیا، فرمایا: دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔(۲۲)

اور ایک دوسرے مکتوب میں دل کی وسعت وقوت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اگر کوئی چیز دل سے زیادہ عزیز اور قیمتی ہوتی تو اپنی معرفت کا موتی اس میں رکھتا، یہی معنی ہے اس ارشاد کے کہ نہ میرا آسمان مجھے سما سکتا ہے نہ میری زمین، بندہ کے دل میں آسمان میری معرفت کا اہل نہیں، زمین اس بات کی متحمل نہیں، بندۂ مومن کا دل ہی ہے جس نے اس بوجھ کو اٹھایا، رستم کا گھوڑا بھی رستم کو اٹھالیتا ہے، لیکن جلال الٰہی کا آفتاب جب پہاڑ پر جس سے زیادہ عالم اجسام میں زیادہ جمنے والی اور عظیم کوئی چیز نہیں، جب ایک بار چمکا تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہوگیا ''وجعلہ دکا'' تین سو ساٹھ مرتبہ مومن کے دل پر چمکتا ہے اور وہ ''ھل من مزید'' کا نعرہ لگاتا رہتا ہے اور پکارتا رہتا ہے ''الغیاث الغیاث'' پیاسا ہوں، پیاسا ہوں۔(۲۳)

خواہشات نفسانی کا ازالہ مقصود نہیں، شکستگی مقصود ہے

ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

یہ اس شخص کی جہالت وحماقت ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ خواہش نفس اور صفات بشریت سے مطلقاً پاک ہونا چاہئے، اس نے یہ غور نہیں کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بشر ہوں، کسی وقت مجھے غصہ آجاتا ہے اور غصہ کا اثر بھی اکثر آپ پر ظاہر ہوجاتا تھا اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''والکاظمین الغیظ'' اللہ تعالی ان کی تعریف کرتا ہے کہ وہ غصہ کو دباتے ہیں، اس کی تعریف نہیں کہ غصہ کا مادہ ہی نہیں۔(۲۴)

کرامت بھی ایک بت ہے

فرماتے ہیں:۔

کرامات بھی ایک بت ہے جس طرح کافر بت سے تعلق رکھتے ہیں، دشمن ہوتے ہیں، جب بت سے بے تعلقی اور برأت کا اظہار کرتے ہیں، دوست بن جاتے ہیں، عارفوں کا بت کرامت ہے، اگر کرامت پر قانع اور مطمئن ہوجائیں محجوب اور معزول ہوں اور اگر کرامات سے بے تعلقی کا اظہار کریں مقرب اور واصل، کسی عارف نے کہا ہے۔

زاہداں راجنت وفردوس باید نزنگاہ
عاشقارا لذت اندرقصر زندان است وبس
لطف اور اعام وخاص ونیک وبد یابندہ اند
قہراوراپیش رفتن کار مرداں است وبس

اسی وجہ سے جب اللہ تعالی اپنے مقبول بندوں سے کرامات ظاہر فرماتا ہے تو ان کے دل میں خشوع زیادہ ہوجاتا ہے، فروتنی اور تواضع پہلے سے بڑھ جاتی ہے اور ان کے خوف اور ڈر میں اضافہ ہوجاتا ہے۔(۲۵)

فضیلت خدمت

لکھتے ہیں:۔

سالک کے لیے ایک اونچا کام خدمت ہے، خدمت میں وہ فوائد اور خاصیتیں ہیں جو کسی دوسری عبادت وطاعت میں نہیں، ایک یہ کہ اس سے نفس مردہ ہوتا ہے اور بڑائی وسرداری، کبر ونخوت نکال دیتی ہے اور تواضع وعجز پیدا ہوتا ہے، خدمت اس کو مہذب اور مودب بنادیتی ہے، اخلاق کو آراستہ کرتی ہے اور سنت وطریقت کے علوم سکھاتی ہے، نفس کی ظلمت اور گرانی کو دور کرتی ہے، انسان کو لطیف اور سبک روح بناتی ہے اور اس کا ظاہر وباطن روشن ہوجاتا ہے، یہ سب فوائد خدمت کے ساتھ مخصوص ہیں، ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا: خدا تک پہنچنے کے کتنے راستے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ موجودات اور دنیا میں جتنے ذرات ہیں اتنی ہی خدا تک پہنچنے کی راہیں ہیں، لیکن کوئی راستہ دلوں کو راحت پہنچانے سے زیادہ بہتر اور نزدیک نہیں اور ہم نے اسی راہ سے خدا کو پایا ہے۔(۲۶)

انبیاء کی ایک سانس تمام اولیاء کی پوری زندگی سے افضل ہے

ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

پس انبیاء کی ایک سانس تمام اولیاء کی تمام زندگی اور عمر سے افضل ہے، اس لیے کہ جب اولیاء نہایت کو پہنچتے ہیں تو مشاہدہ کی خبر دیتے ہیں اور حجابِ بشریت سے خلاصی پاتے ہیں، اگرچہ وہ اس حالت میں بھی بشر ہی رہتے ہیں، پیغمبر پہلے قدم میں مقام مشاہدہ پر فائز ہوتے ہیں جو اولیاء کی انتہا ہوتی ہے وہ انبیاء کی ابتداء، انبیاء کو اولیاء پر قیاس ہی نہیں کیا جاسکتا، خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی

نے پوچھا کہ انبیاء کے حالات کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: توبہ توبہ ہمارا اس عالم میں کوئی دخل نہیں، پس جس طرح اولیاء کا مرتبہ مخلوق کے ادراک وتصور سے مخفی ہے، اسی طرح انبیاء کا مرتبہ اولیاء کے ادراک سے بالاتر ہے، اولیاء انبیاء کے مقابلہ میں اپنے قدموں سے تیز چلنے اور دوڑنے والے ہیں اور انبیاء اولیاء کے مقابلہ میں اڑنے والے ہیں، دوڑنے والا اڑنے والے کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ (۲۷)

شریعت کی شرط

شیخ شرف الدین یحی منیریؒ تمام محققین صوفیہ کی طرح شدت کے ساتھ اس بات کے قائل اور داعی ہیں کہ سلوک وطریقت شریعت کی پیروی اور پابندی کے بغیر ممکن نہیں، ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

جو شخص طریقت میں شریعت کا تابع نہیں ہوگا، اس کو طریقت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا، یہ ملحدین کا مذہب ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر جائز ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب حقیقت منکشف ہوگئی شریعت کی ضرورت باقی نہیں رہی، خدا کی لعنت ہو اس عقیدہ پر، ظاہر بے باطن نفاق ہے اور باطن بے ظاہر زندقہ، ظاہر شریعت بے باطن نقص ہے اور باطن بے ظاہر ہوس، ظاہر ہمیشہ باطن کے ساتھ پیوستہ ہے، ظاہر باطن کے ساتھ ایسا پیوستہ ہے کہ کوئی شخص اس کو علاحدہ نہیں کرسکتا۔ (۲۸)

حوالہ جات

(۱)۔ تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ سوم، از مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، الإعلام بمن فی تاریخ الہند من الأعلام للعلامۃ عبدالحی الحسني۔

(۲)۔الدعوۃ الإسلامیۃ فی الھند وتطوراتہا،مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی۔

(۳)۔منیر (Munyar) کا اصل تلفظ میم مضموم،نون ساکن اور باء کے فتحہ کے ساتھ ہے، پھر کثرت استعمال کے ساتھ میم مفتوح،نون ساکن اور باء کے فتحہ کے ساتھ ہوگیا،بعض اشعار میں اس کا استعمال اسی طور پر ہوا ہے،اور ادباء وعلماء کا بھی اس پر اتفاق ہوگیا ہے۔(الإعلام بمن فی تاریخ الہند من الأعلام)۔

(۴)۔وفیات الأعیان از ابن خلکان:۱۴۴/۶۔

(۵)۔خواجہ نجیب الدین فردوسی بن شیخ عماد الدین دہلوی کے صاحبزادے اور خواجہ رکن الدین فردوسی کے برادر زادہ اور خلیفہ ہیں اور شیخ رکن الدین شیخ بدر الدین سمرقندی کے مسترشد وخلیفہ ہیں،شیخ بدر الدین سمرقندی ہندوستان میں سلسلہ فردوسیہ کے بانی مبانی ہیں اور وہ فی الواقع شیخ سیف الدین باخرزی کے خلیفہ ہیں اور شیخ باخرزی خواجہ نجم الدین کبری کے خلیفہ ہیں،شیخ نجم الدین کبری ضیاء الدین ابو النجیب عبد القادر سہروردی صاحبِ عوارف المعارف اور سلسلۂ سہروردی کے امام وشیخ کے خلیفہ خاص ہیں۔

(۷)۔آپ کی نسل میں ہندوستان کے بڑے بڑے علماء ومشائخ ومجاہد پیدا ہوئے،جن میں حضرت شاہ علم اللہ نقشبندی رائے بریلوی خلیفہ حضرت سید آدم بنوریؒ،حضرت سید احمد شہیدؒ،حضرت خواجہ احمد نصیر آبادی مشہور ہیں،مولانا سید عبد الحی مصنف نزہۃ الخواطر کا اسی خاندان سے تعلق ہے۔

(۸)۔شیخ علی ہمدانی فاتح کشمیر ہیں،ان کے دست مبارک پر بندگانِ خدا کی ایک بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا،انہوں نے خطۂ کشمیر کو اپنی دعوتی جد وجہد کا مرکز بنایا اور وہیں بود وباش اختیار کی،اس خطۂ ارضی میں اسلام کی نشر واشاعت اور برادران وطن میں اسلام کی محبت پیدا کرنے میں ان کا ناقابل فراموش کردار ہے۔

(۹)۔تاریخ دعوت وعزیمت،حصہ سوم،ص:۱۸۳۔

(۱۰)۔ایضاً،ص۱۸۴۔

(۱۱)۔ایضاً،ص:۱۸۵۔

(۱۲)۔ایضاً،ص:۱۸۶۔

(۱۳)۔ایضاً،ص:۱۸۷۔

(۱۴)۔ایضاً۔

(۱۵)۔ایضاً،ص:۱۸۸۔

(۱۶)۔ایضاً،ص:۱۹۰۔

(۱۷)۔ایضاً۔

(۱۸)۔ایضاً،ص:۲۱۷۔

(۱۹)۔ایضاً،ص:۲۳۶۔

(۲۰)۔ایضاً،ص:۲۳۷۔

(۲۱)۔ایضاً،ص:۲۴۳۔

(۲۲)۔ایضاً،ص:۲۵۲۔

(۲۳)۔ایضاً،ص:۲۵۳۔

(۲۴)۔ایضاً،ص:۲۶۱۔

(۲۵)۔ایضاً،ص:۲۶۳۔

(۲۶)۔ایضاً،ص:۲۶۵۔

(۲۷)۔ایضاً،ص:۲۷۱۔

(۲۸)۔ایضاً،ص:۲۷۶۔

خاتمہ

گزشتہ صفحات میں چند اہل دل کے ادبی شہ پارے پیش کیے گئے، حالانکہ ان کی تعداد بے شمار ہے، یہ ادبی شہ پارے ان ادباء کی تحریروں سے کئی گنا زیادہ موثر ہیں جن کی ادبی تخلیقات صناعی، تکلف اور خیال آرائی سے پر ہیں اور ان کا منبع دل نہیں ہے، کیونکہ ان کا شمار اہل دل میں نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ اصحاب فکر وفن میں تھے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اہل دل کے کلام کی ادبیت و تاثیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> یہ فطری، دلآویز اور طاقتور ادب عربی کے معمور کتب خانہ میں بہت وسیع ہے، اگر ان کو مدون کیا جائے تو پورا ایک مستقل کتب خانہ تیار ہوسکتا ہے، لیکن یہ دلآویز نمونے کتب خانوں میں منتشر اور پھیلے ہوے ہیں اور کتابوں کے اوراق میں چھپے ہوے ہیں اور دینی، اخلاقی اور علمی کتابوں کے انبار میں دبے ہوئے ہیں ہے جنہیں عربی کتب خانوں میں ادب وانشاء کی الماری میں جگہ نہیں ملی، تاریخ ادب ونقد کی کتابیں ان کے ذکر سے خالی ہیں اور مورخین ادب نے اپنی فکر ونظر کی کوتاہی کے سبب ادھر کوئی توجہ نہیں کی اور نہ وہ مقام دیا جس کے یہ شہ پارے بجا طور پر مستحق تھے، حالانکہ یہ ادبی شہ پارے پیشہ ور ادباء اور فنکار اہل قلم کے مصنوعی، تقلیدی اور روایتی ادب سے زیادہ توجہ کے مستحق ہیں۔
>
> اس طرح کے ادبی شاہکار ہر زبان میں پائے جاتے ہیں اور اردو زبان بھی اس سے مالا مال ہے، اہل دل کے رسائل ومکتوبات اور ان کے ملفوظات

ومواعظ اس طاقتور، دلکش، فطری اور موثر ادب سے لبریز ہیں، مثال کے طور پر شیخ نظام الدین اولیاء، مجدد الف ثانی اور شیخ یحی منیر اور دیگر اہل دل علماء کا کلام پیش کیا جاسکتا ہے۔ (نظرات فی الادب)

بعض مورخین ادب نے صوفیاء کے بعض اقوال کو صوفی ادب میں شامل کیا ہے، اور اسے ایک مستقل صنف کے طور پر پیش کیا ہے جو خالص ادب سے مختلف ہے، لیکن قرون اولی کی ادبی تخلیقات اپنی فصاحت و بلاغت، اثر آفرینی اور انسانی تاثرات واحساسات کی دلکش و دلآویز تصویر کشی کی وجہ سے زیادہ حقدار ہیں کہ انہیں حقیقی ادب میں شامل کیا جائے۔

اے اللہ مجھے علم نافع، قبول کیا جانے والا عمل اور پاکیزہ وحلال رزق عطا فرما۔

ادب کا کام

زبان وقلم کے غلط استعمال سے ہر دور میں انسانوں پر مصیبتیں اور پریشانیاں آئی ہیں، کیونکہ ادب کے بارے میں یونانی فکر کے اثر سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ادب نام ہے محض اندرونی خیالات وجذبات کو موثر اور حسن بیان کے ذریعہ دوسروں کے سامنے پیش کردینے کا، خواہ اس کا اثر قلب اور معاشرہ پر اچھا یا خراب کچھ بھی پڑے۔

ادب ایک دودھاری تلوار ہے، اس سے خیر کا بھی کام لیا جاسکتا ہے اور شر کا بھی، یہ انسانی اخلاق وکردار کی تعمیر کا بہترین وسیلہ ہے اور لوگوں کو انسانی اخلاق کی بیخ کنی کی ڈگر سے ہٹا کر تعمیر وتشکیل اور اصلاح ودرستگی کی شاہراہ پر ڈالنے کا ایک موثر ذریعہ بھی اور قوت گویائی اور اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی کی صلاحیت وطاقت اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے مدح کے طور پر ذکر فرمایا ہے: ﴿خلق الإنسان ، علّمه البيان﴾ (سورۂ رحمٰن:۳-۴) اور حدیث میں اس کی اثر انگیزی اور خوبی کی بنا پر اسے جادو سے تعبیر کیا گیا ہے:﴿ و إن من البيان لسحراً ﴾ اور اگر ہم موجودہ ماحول اور اس میں در آنے والی خرابیوں، بگاڑ اور اخلاقی انارکی کا جائزہ لیں تو صاف معلوم ہوگا کہ اس قدر پستی، بگاڑ اور انتہائی خرابی کا اولین ذمہ دار یہی ادبی صلاحیت کا غلط استعمال ہے، اس لیے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ادبی صلاحیت اور طاقت کو جس کے دائرۂ کار اور اثر انگیزی کو موجودہ ذرائع ابلاغ نے بہت وسیع کردیا ہے، اس کے فطری رخ کی طرف واپس لایا جائے اور اس سے انسانی زندگی کی تعمیر وتشکیل اور اس کی عزت وحرمت بحال کرنے کا کام لیا جائے۔ (مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ)

Dar Al Rasheed
دار الرشید
164/106 Khatoon Manzil, Haidar Mirza Road
Golaganj, Lucknow. Mo: 9452294097-9838154415
Printed by: MAKTABA AHSAN, Lucknow # 9793118234, 9335982413